محمد صلی اللہ علیہ وسلم

شمارہ ۱۲

اکتوبر ۲۰۰۱ء

اس شمارے کی قیمت

پاکستان	۱۵۰ روپے

بیرون ملک

(بذریعہ ایئرمیل)

سعودی عرب	38 ریال
یو اے ای	45 درہم
امریکا	12 ڈالر
برطانیہ	8 پاؤنڈ

سر ورق

استاد شفیق الزماں

خطاط مسجد نبوی شریف

ناشر

اقلیم نعت

CONTACT
E-201, Saima Avenue,
Sector-14B, Shadman Town-2,
North Karachi-75850
Pakistan
Tel : (92-21) 6901212
Fax : (92-21) 4941723
E-mail : naatrang@yahoo.com

مرتب و ناشر صبیح رحمانی نے فضلی سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ سے چھپوا کر مرکزی دفتر اقلیم نعت

۲۰۱ ۔ ای، صائمہ ایونیو، سیکٹر ۱۴ بی، شادمان ٹاؤن نمبر۲، شمالی کراچی ۷۵۸۵۰ سے شائع کیا۔

راجا رشید محمود

اور

ان کے خانوادے

کی نعتیہ خدمات کے نام

دھنک

حمد	عزیز احسن	۹
حمد	صبیح رحمانی	۱۰
ابتدائیہ	صبیح رحمانی	۱۱

مقالات و مضامین

نعت گوئی اور سیرت و نعت کی محافل کا مطالعہ اعلیٰ تعلیم میں	ڈاکٹر سید ابوالخیر کشفی	۱۳
نعت اور آداب نعت گوئی افادات کشفی کی روشنی میں	پروفیسر محمد اقبال	۳۲
نعتیہ شاعری خارج از نصاب کیوں؟	ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتح پوری	۷۸
کیا نعت ایک صنفِ سخن ہے؟	سید حسین احمد	۱۱۲
تقاضائے نعت	مولانا محمد ملک الظفر سہسرامی	۱۱۷
اشعار نعت۔ اعتراضات کی حقیقت	ڈاکٹر صابر سنبھلی	۱۳۷
اردو ادب میں محسن کاکوروی کا مقام	ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتح پوری	۱۳۹
مہاتما جیوتی باپھلے کی نعت رسول ﷺ	ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط	۱۶۲

منظوم تراجم

امام اعظم ابوحنیفہؒ نعمان بن ثابت کی عربی نعت کا منظوم ترجمہ — قیصر الجعفری — ۱۷۴
جگر مراد آبادی کی فارسی نعت کے منظوم تراجم — ایم اے تشنہ، ڈاکٹر امانت — ۱۷۶

مطالعۂ نعت

نعتیہ ادب میں تنقید اور مشکلاتِ تنقید — عزیز احسن — ۱۸۰
تیرا وجود الکتاب ... ایک مطالعہ — عزیز احسن — ۱۹۰
دلیل آفتاب ... نعتیہ سمت نما — غفور شاہ قاسم — ۲۰۵
تبصرے — عزیز احسن — ۲۱۰

مدحت

عنایت علی خاں، سحر انصاری، جعفر بلوچ، حاجی غلام علی، رشید وارثی، امیر الاسلام صدیقی، احمد صغیر صدیقی، حسن اکبر کمال، وجاہت حسین وجاہت — ۲۲۳

گوشۂ غالب

غالب حضور رسالت مآب ﷺ میں — پروفیسر شفقت رضوی — ۲۳۵
غالب کی نعتیہ شاعری — ڈاکٹر اسماعیل آزاد فتح پوری — ۲۵۸
غالب کے فارسی کلام میں نعت — ادیب رائے پوری — ۲۷۷
عظمت رسول ﷺ خطوط غالب میں — ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط — ۳۰۲
غزلیات غالب کی زمینوں میں نعت گوئی — ڈاکٹر عاصی کرنالی — ۳۱۵
غالب کی اردو شاعری میں نعت کا فقدان — عزیز احسن — ۳۲۵
قدسی کی غزل پر غالب کی تضمین — پروفیسر وزیر حسن — ۳۳۵

تضمین بر اشعار غالب

ناصر کاظمی، عبدالعزیز خالد، جعفر بلوچ، عبدالملک مضطر، بشیر حسین ناظم — ۳۳۹

غالب کی فارسی نعت کے منظوم تراجم

نعت — مرزا اسد اللہ خاں غالب — ۳۵۲

ترجمہ — اسلم انصاری — ۳۵۴

ترجمہ — افتخار احمد عدنی — ۳۵۶

غالب کی زمینوں میں

مولانا احمد رضا خاں بریلوی، رفیع عالم رفیع بدایونی، اشفاق انجم، ایاز صدیقی، اسرار احمد سہاوری، سلیم اختر فارانی، امانت، شوذب کاظمی، تنویر پھول، شاکر ادیبی، شمیم انجم وارثی، افضال احمد انور، عثمان ناعم — ۳۵۸

خطوط

مولانا محمد عبدالحکیم اشرف قادری (لاہور)، ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط (بھارت)، ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد (بھارت)، مولانا کوکب نورانی اوکاڑوی (کراچی)، امیر الاسلام صدیقی (کراچی)، مبارک حسین مصباحی (بھارت)، پیرزادہ اقبال احمد فاروقی (لاہور)، احمد صغیر صدیقی (کراچی)، تنویر پھول (کراچی)، حافظ عبدالغفار حافظ (کراچی) — ۳۷۷
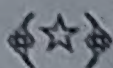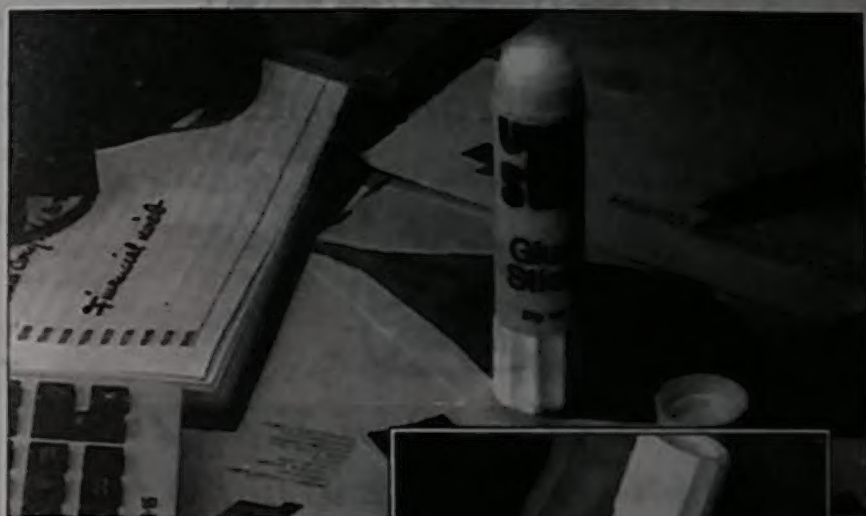
☆

عزیز احسن (کراچی)

دل پہ مرے احساس نے جو حرف لکھا ہے
ہے تیرے سوا کون کہ جس نے وہ پڑھا ہے

تصویر تری کثرتِ جلوہ سے ہے معدوم
آئینۂ حیرت ہے کہ آغوش کشا ہے

ہر آنکھ ہے رنگوں کی فراوانی سے خیرہ
وحدت کا تری بھید کھلا تھا نہ کھلا ہے

تو نے ہی تو ہر مرحلۂ شوق میں یارب!
اس چشمِ تماشا کو نیا عزم دیا ہے

جو تو نہیں چاہے وہ کبھی ہو نہیں سکتا
ہر کام فقط تیرے ارادے سے ہوا ہے

ہر جان کو تسلی کہ حفاظت میں ہے تیری
ہر زخم تری چشمِ عنایت سے بھرا ہے

ایماں ترے ہونے کا، مری جاں کا اثاثہ
ایماں ترے قرب کا اس دل کی جلا ہے

تو نے ہی مجھے نطق کی دولت سے نوازا
تو نے مرے احساس کو اظہار دیا ہے

احسنؔ پہ عنایات کے در باز ہوں یارب
یہ دشتِ تحیر میں تجھے ڈھونڈ رہا ہے

صبیح رحمانی

خوشا وہ دن حرم پاک کی فضاؤں میں تھا
زباں خموش تھی دل محو التجاؤں میں تھا

درِ کرم پہ صدا دے رہا تھا اشکوں سے
جو ملتزم پہ کھڑے تھے، میں ان گداؤں میں تھا

غلاف خانۂ کعبہ تھا میرے ہاتھوں میں
خدا سے عرض و گزارش کی انتہاؤں میں تھا

حطیم میں مرے سجدوں کی کیفیت تھی عجب
جبیں زمین پہ تھی ذہن کہکشاؤں میں تھا

طواف کرتا تھا پروانہ وار کعبے کا
جہان ارض و سما جیسے میرے پاؤں میں تھا

فضائے معرفت آثار میں تھا دل سرشار
مرا وجود خدا کے کرم کی چھاؤں میں تھا

دھڑک رہا ہے مرے سازِ روح پر اب بھی
وہ ایک نغمہ جو "لبیک" کی صداؤں میں تھا

مجھے یقین ہے میں پھر بلایا جاؤں گا
کہ یہ سوال بھی شامل مری دعاؤں میں تھا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابتدائیہ

نعت رنگ کی اشاعت کے آغاز میں کچھ لوگوں کی طرف سے یہ سوال سامنے آیا کہ "نعت رنگ" کتنا سفر طے کر سکتا ہے؟ آخر نعت کے پہلو ہی کتنے ہیں جن پر تواتر سے لکھا جاتا رہے؟

اس وقت اس سوال کا کوئی جواب میرے پاس نہ تھا لیکن آج "نعت رنگ" کے سلسلے کی بارھویں کتاب اہل ادب کے سامنے پیش کرتے ہوئے، میں ایک سرشاری اور اعتماد کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں کہ نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا جہانِ معنی اس درجے وسعتوں کا حامل ہے کہ یہ سلسلہ چودہ سو سالوں سے تا دمِ تحریر چلا آرہا ہے۔ یہ سفر جو صرف عقیدت اور محبت کی ایک کیفیت میں شروع کیا گیا تھا، آج معنویت کی کئی منزلوں کو اپنے جلو میں لیے ہوئے جاری و ساری ہے۔ میں نہایت عاجزی سے عرض کروں گا کہ "نعت رنگ" اسی محبت اور معنویت کے سفر کا ایک تابناک رُخ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کی زندگی کا ہر شعبہ، فکر کا ہر زاویہ اور دل کی ہر دھڑکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے وابستہ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا تذکرہ ہر شرفِ انسانی اور ہر سعادت کا تذکرہ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے کمالات تمام علوم کی انسانی تشریح ہیں۔

نعت کا مطالعہ ہماری نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے وابستگی اور آپ ﷺ سے

عقیدت ومحبت کے اظہار کا وسیلہ ہی نہیں اور نہ یہ محض ادبیات کا کوئی ایک پہلو ہے بلکہ یہ عمرانیات، بشریات، تاریخ اور مطالعہ ثقافت کو ایک ہی نکتے پر مرکوز کر کے ہمارے سامنے لاتا ہے۔

"نعت رنگ" کے زیرِ نظر شمارے میں جناب ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی کا مضمون مطالعۂ نعت کے ایک نئے زاویے کو ہمارے سامنے پیش کرتا ہے جو غور طلب بھی ہے اور فکر انگیز بھی۔

نعت ایک باقاعدہ صنفِ سخن ہے یا نہیں، اس مسئلے پر ہمارے گزشتہ شماروں میں بھی گفتگو ہو چکی ہے اس بار بھی جناب سیّد حسین احمد نے اسی مسئلے پر قلم اُٹھایا ہے۔ ہمیں اُمید ہے کہ ہمارے نعت نگار اور قارئین اس مسئلے پر کوئی مکالمہ روشن کریں گے۔

دُنیائے غزل میں غالبؔ کی فرماں روائی گزشتہ ڈیڑھ صدی سے قائم ہے اردو ادب میں جتنا غالبؔ پر لکھا گیا ہے، شاید ہی کسی اور پر لکھا گیا ہو لیکن ہم غالبیات کے ایک توجہ طلب مگر تشنہ موضوع کو اس مرتبہ "نعت رنگ" میں ایک خصوصی گوشے کی صورت اُجاگر کرنے کی سعی کر رہے ہیں۔

یہ گوشۂ غالبؔ کے عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، غالبؔ کی نعت گوئی اور غالبؔ کی شاعری کے نعتیہ ادب پر اثرات کے کئی پہلوؤں سے ہمیں متعارف کرواتا ہے اور یہ ثابت کرتا ہے کہ غالبؔ کے ہاں نعتیں تعداد میں کم ضرور ہیں لیکن معیارِ شعری اور معیارِ نقد و تحقیقِ غالبؔ میں اُن کی ایک خاص اہمیت ہے جسے اب تک نظرانداز کیا جاتا رہا ہے۔

گزشتہ دنوں ہم سے جدا ہونے والے نعت نگاروں میں ایک اہم نام جناب شوکت ہاشمی کا ہے۔ وہ اپنے منفرد اسلوب اور والہانہ پن کے باعث نعت نگاروں کے ہجوم میں علاحدہ دکھائی دیتے تھے۔ ادارہ اقلیمِ نعت مرحوم کے لیے دعائے مغفرت اور اُن کے لواحقین کے لیے صبرِ جمیل کی دعا کرتا ہے۔

مرتب

ڈاکٹر سیّد محمد ابوالخیر کشفی۔ کراچی

نعت گوئی اور سیرت و نعت کی محافل کا مطالعہ اعلیٰ تعلیم میں

"نعت رنگ" نے نعت کی توسیع، تفہیم اور تنقید میں رجحان ساز کردار ادا کیا ہے۔ پڑھنے والوں کا ایک حلقہ نعت کے ادبی معیار کے بارے میں سنجیدگی سے سوچنے لگا ہے۔ اس سے پہلے لوگ سمجھتے تھے کہ نعت کے مطالعے میں اچھی اور بری نعت کی تقسیم "گناہ" ہے۔

"نعت رنگ" میں چھپنے والے خطوط میں لوگ اب مضامین اور اور نعتوں کے بارے میں سنجیدہ اور گہری تنقیدی فکر کا اظہار کر رہے ہیں، لیکن بعض احباب عقائد اور فقہ کی بحثوں میں اُلجھ جاتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ لکھنے والا بھی مسلمان ہے اور حب نبی ﷺ کو اپنے ایمان کی کسوٹی جانتا ہے۔

اس کے علاوہ بعض قاری اور لکھنے والے بھی ادبی روایات اور تنقید کی وسعتوں سے بخوبی آگاہ نہیں ہوتے۔ اس کا اندازہ "غزل میں نعت کی جلوہ گری" پر لوگوں کی آرا سے ہوا۔ اس مضمون میں میلاد خوانی اور نعت کی محفلوں کے بارے میں جو کچھ عرض کیا گیا ہے، اس کا تعلق عمرانی سے ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ "دین" نہیں ہے مگر دینی تصورات کسی معاشرے میں ہی پروان چڑھتے ہیں اور سماجی زندگی کو متاثر کرتے ہیں اور متاثر ہوتے ہیں۔ احتیاطاً یہ بات کہہ دی گئی ہے۔ اب بھی اگر کوئی نہ سمجھے تو میں بحث کا سلسلہ شروع کرنے کی جگہ صرف یہ کہوں گا۔

سخن شناس نہ ای دلبرا! خطا ایں جاست
(کشفی)

ہماری جامعات میں اردو کا نصاب، اتنا فرسودہ ہوچکا ہے کہ نہ تو ادبی تقاضے پورے کرتا ہے اور نہ عصری اور ملی تقاضے۔ کلاسیکی ادب کی اہمیت تسلیم لیکن ہر شاعر اور نثرنگار کو شریک نصاب کرنے کے چکر میں ہمارے بڑے شاعروں پر ظلم کیا جاتا ہے اور ان کی تفہیم کا حق ادا نہیں ہوتا۔ پھر ہمارے نصاب میں پڑھانے والے کی افتادِ طبع، خاص میدان میں اس کے تخصص کا لحاظ نہیں کیا جاتا۔ نئے موضوعات اور بدلتے ہوئے ادبی تناظر کا بھی احترام مفقود ہے۔ میں نے جامعۂ کراچی کے شعبۂ اردو کی صدارت کے دور میں کئی نئے کورس شروع کیے، مثلاً ادب کا تعلق دوسرے سماجی اور عمرانی علوم سے، ادب اور ذرائع ابلاغ وغیرہ لیکن ہمارے اساتذہ ان موضوعات پر کتابیں اور مطالعاتی مواد لکھنے اور فراہم کرنے میں ناکام ہوگئے۔

دوسری بات یہ ہے کہ نصاب اتنا زیادہ اور اتنا پھیلا ہوا ہوتا ہے جسے ختم کرانا ممکن نہیں ہوتا اور ادب میں نصاب ختم کرنا اتنا ضروری نہیں جتنا ادب کی صحیح تفہیم میں طالب علم کی رہنمائی۔

ایک اور اہم بات یہ کہ اسلام سے طلبا کو ذہنی طور پر دور کرنے کی ہر کوشش کی گئی۔ کبھی بی اے میں ضربِ کلیم، داخلِ نصاب تھی اور اس کے حوالے سے طالب علم اقبال کی تازہ اور زندہ اپروچ (Approach) کے ذریعے اسلام کے تعلیمی نظریات، فنونِ لطیفہ کے بارے میں اسلام کے مؤقف، سیاسیاتِ مشرق و مغرب وغیرہ سے آشنا ہوجاتا ہے۔ شبلی کی الفاروق اردو میں سوانح نگاری کی اعلیٰ مثال ہے اور سیرۃ النبی کی پہلی جلد روایت و درایت، تاریخی مواد اور واقعات کے تجزیے و تحلیل کے اصول طالب علموں کے سامنے پیش کرتی تھی۔ ان کتابوں سے ''نجات'' حاصل کرلی گئی۔ بی اے آنرز میں محسن کاکوروی کی بے مثال مثنویاں ''چراغِ کعبہ'' اور ''صبحِ تجلّی'' داخلِ نصاب تھیں۔ یہ مثنویات تلمیحات اور صنائع و بدائع اور شعری تخیل و محاکات کی تدریس کا بہترین وسیلہ تھیں اور ان کے معیار کی کوئی چیز (ان اعتبارات سے) ہمارے شعری ادب میں نہیں ہے، مگر یار لوگوں نے مواقع پاتے ہیں انھیں خارجِ نصاب کردیا۔ اس کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ پڑھانے والے اس علمی پس منظر سے محروم ہوگئے جن کے بغیر یہ مثنویات پڑھائی نہیں جاسکتی تھیں۔ آپ اس بات کو مبالغہ نہ سمجھیں کہ محسن اور نظیر اکبرآبادی کی صحیح قرأت بھی آج کے استاد نہیں کرسکتے۔

اساتذہ کی اس علمی بے بضاعتی کے نتیجے میں قصائد عملی طور پر نصاب کا حصہ نہ رہے۔ اب یہ ہو رہا ہے کہ قصیدے کا متن نہیں پڑھایا جاتا۔ بس اس پر رہی تنقید سے طلبا کو مستفیض کر دیا جاتا ہے۔ قصیدے کی تدریس عہد شاہی کے ادب اور مزاج کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے۔ بادشاہوں کے قصیدوں کے ساتھ ساتھ نعتیہ قصائد کی بھی تدریس کی جانے اور بزرگان دین کی منقبت میں جو قصیدے لکھے گئے، وہ بھی پڑھائے جائیں تاکہ طلبا کو یہ اندازہ ہوسکے کہ متاع و دولت دنیا اور قرب شاہی کی تمنا میں جھوٹی مدح سے جب شاعروں کی روح بے زار ہوجاتی تھی تو وہ اپنے آپ کو پانے اور سچ سے رشتہ جوڑنے کے لیے حمد، نعت اور منقبت کو قصیدے کا موضوع بناتے تھے۔ سودا کا نعتیہ قصیدہ، حضرت صدیق اکبرؓ کی منقبت میں مومن کا قصیدہ اور حضرت علی مرتضیٰؓ کی منقبت میں غالب کا قصیدہ اردو قصیدے کی تصویر کی تکمیل کرتے ہیں۔ صداقت کی تلاش آدمی کو محمد عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے اصحاب کرام کی محفل میں پہنچا دیتی ہے۔

نثر میں بھی دینی ادب کو سرے سے نظرانداز کردیا گیا ہے، حالاں کہ اس کے بغیر بیانیہ، توضیحی اور استدلالی نثر کا مطالعہ مکمل نہیں ہوسکتا۔ سرسیّد اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے افکار میں زمین آسمان کا فرق ہے، لیکن سرسیّد کا انداز نگارش حالی، عبدالحق اور مودودی کے یہاں اپنے مختلف پہلوؤں کے ساتھ نظر آتا ہے۔ عبدالماجد دریابادی، مولانا ابوالحسن علی ندوی، پیرکرم شاہ، سیّد حامد حسن بلگرامی، حمید نسیم اور دینی موضوعات و سیرت پر کچھ اور لکھنے والوں کا مطالعہ اردو نثر کے ہر رجحان اور اسلوب کو سمجھنے کی کوشش کی ایک کڑی ہے، جس کے بغیر خلا رہے گا۔

مغرب کی جامعات میں ادب کے وسیلے سے معاشرے کے انداز فکر، اسلوب حیات اور ذہنی تحریکات کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ بیسویں صدی میں اردو تنقید نے بھی ادب کے آئینے میں سیاسی اور سماجی تحریکوں اور نظاموں کا مطالعہ کیا ہے۔ میرے خیال میں اٹھارویں صدی عیسوی سے بیسویں صدی عیسوی تک کے مذہبی ادب اور بالخصوص شاعری کا ایسا نصاب ترتیب کیا جائے جس میں دین کے زیراثر پرورش پانے والے، رجحانات کا مطالعہ کیا جائے۔ اس دور میں کی ایسی تحریکوں نے جنم لیا جن کا مقصد مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ اور ان کے عظیم ماضی کو حال کی حقیقت میں بدلنا تھا۔ مختصر الفاظ میں مسلمانوں کا احیا سیّد احمد شہید کی تحریک،

سرسیّد احمد خان کی تحریک، تحریک خلافت سے لے کر تحریک پاکستان تک۔ اسلامی تعلیم کے سلسلے میں بھی ہمہ جہت کاوشیں اسی دور میں نظر آئیں۔ دیوبند، مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلویؒ کی تحریک، ندوۃ العلما، جامعۂ ملیہ وغیرہ۔ ان تحریکوں کے ادب میں ہمیں نئے معاشرتی، تعلیمی اور سیاسی مطالعوں کے ساتھ ساتھ مذہبی تقریبات کا ذکر ملتا ہے اور نعتیہ شاعری کے نمونے نظر آتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی اصلاح حال کی ہر کوشش کا سلسلہ اسوۂ حسنۂ نبویﷺ سے جاملتا ہے۔ نعتیہ شاعری معاشرے کے مسائل اور مسلمانوں کی حالت کی عکاس رہی ہے۔ حالی کے استغاثہ سے یہ رنگ ابھر کر جدید ادب کا حصہ بن گیا۔

اے خاصۂ خاصان رسل وقت دعا ہے
امت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے

بیسویں صدی کے مجاہدین آزادی میں مولانا محمد علی جوہر اور مولانا حسرت موہانی کے نام بہت نمایاں ہیں۔ تحریک حریت میں محمد عربیﷺ کی یاد، ان کا ذکر، ان سے تخاطب ان مجاہدوں کا سب سے مؤثر حربہ رہا ہے۔ حسرت کو تو یقین ہے کہ سیّد والائے مدینہ کی مدد مجاہدین آزادی کو ضرور حاصل ہوگی۔

ڈر غلبۂ اعدا سے نہ حسرت کہ ہے نزدیک
فرمائیں مدد سیّد والائے مدینہ

لیکن نعت اور ذکر شہ ابرار کا یہ رنگ نیا نہیں ہے۔ سیّد احمد شہید کی فوج میں شاعر بھی تھے۔ ان کے فوجی جہاد کے وقت اردو کی رزمیہ نظمیں پڑھ پڑھ کر اپنا اور اپنے ساتھیوں کا لہو گرماتے تھے۔ مولوی خرم علی بلہوری کا منظوم جہادیہ، لشکر سیّد شہید کے فوجی ترانے کا درجہ رکھتا تھا۔ جنگ مایا کا ذکر کرتے ہوئے مولانا غلام رسول مہر نے "سیّد احمد شہید" حصہ دوم میں لکھا ہے:

> دو غازی رجز خوانی کر رہے تھے، ایک امان اللہ خاں ملیح آبادی اور دوسرے شیخ ریاست علی موہانی۔ امان اللہ اگرچہ خاصے سن رسیدہ تھے لیکن ہمت و شجاعت کا یہ عالم تھا کہ بزدل بھی ان کی باتیں سن کر شیردل بن جاتے۔ ان کی لے بڑی پر تاثیر تھی۔ شیخ ریاست علی بھی بڑے خوش گلو تھے۔

اس رزمیہ مثنوی میں نبی اکرم ﷺ اور آپ کی احادیث کے حوالے سے جہاد کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ ختم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات طیبہ، سیرت پاک اور احادیث مقدسہ کا ہر حوالہ نعت کے باب میں داخل ہے۔ یہ شعر ملاحظہ ہو، جس میں ایک حدیث پاک بہت خوب صورتی سے نظم ہو گئی ہے۔

اے برادر! تو حدیث نبوی تو سن لے
”باغ فردوس ہے تلواروں کے سائے کے تلے“

پرجوش رجزیہ اشعار کے بعد پھر نبیؐ غزوات ﷺ کا ذکر آتا ہے، اور اس طرح کہ مجاہدوں کے سامنے روز جزا کا تصور اپنے رسول اور نبی کے دیدار کے خیال کے ساتھ وابستہ ہو جاتا ہے۔

گر رہ حق میں نہ دی جان تو پچھتاؤ گے
اور پیمبر ﷺ کو یہ منھ کیا بھلا دکھلاؤ گے

اردو نعتیہ شاعری کا مطالعہ اس وسیع پس منظر میں نہیں کیا گیا ہے اور اسی لیے پوری طرح یہ احساس نہیں ہے کہ نعت رسول کے تار و پود سے برعظیم جنوبی ایشیا کے معاشرے کی بنت ہوتی ہے۔

اب تک جو عرض کیا گیا ہے وہ ادب کی اعلیٰ تعلیم کے حوالے سے نعت، میلاد کے جلسوں، سیرت کی محفلوں اور نعت خوانی کے اجتماعات کے مطالعے اور ذکر کے بغیر ہم اپنے معاشرے کا مطالعہ بھی نہیں کر سکتے۔ اس مضمون کے عنوان میں ”سیرت و نعت کی محافل“ کا ٹکڑا شامل ہے۔ یہ اس بحث میں پڑنے کا موقع نہیں کہ میلاد کی محفلیں بدعت ہیں یا نہیں۔ ان محفلوں میں قوالی کو بھی شامل کر لیجیے۔ میں اس بحث میں بھی پڑنا نہیں چاہتا کہ ساز اور مزامیر کے ساتھ قوالی جائز ہے یا حرام ہے اور موسیقی کے عام زمرے میں شامل ہو جاتی ہے۔ میرا موضوع تو یہ ہے کہ یہ ادارے ہمارے معاشرے کے ان عناصر میں شامل ہیں جن کے بغیر معاشرے کا مطالعہ نہیں کیا جا سکتا۔ معاشرے سے مراد یہاں برعظیم کا مسلم معاشرہ ہے۔ برعظیم کے مسلم معاشرے میں کئی ایسے عناصر موجود ہیں جن کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ مرنے کی رسوم کو لے لیجیے، سوم (تیجا یا پھول)، چہلم، شش ماہی، برسی۔ پیدائش کی رسوم کے سلسلے پر نظر ڈالیے، چھٹی، چلہ، دودھ پلائی، آسمان دکھائی کو عقیقہ اور ختنہ سے کم، اہمیت حاصل

نہیں۔ شادی میں مہندی اور ابٹن کی رسم کے سلسلے میں مجلس میلاد، آرسی مصحف۔ یہ محض سماجی رسوم تک محدود نہیں بلکہ انھیں مذہبی اہمیت عطا کردی گئی ہے۔ یہ سب عمرانیات (Sociology) کے مطالعے کے موضوع ہیں۔ عمرانیات کی اصطلاح ہمارے ہاں رائج ہوگئی ہے ورنہ علم الاجتماع کی اصطلاح سے اس کے دائرۂ مطالعہ اور نوعیت کا بہتر اندازہ ہوسکتا ہے۔ اسی طرح بشریات یا علم الانسان (Anthropology) میں عہد بہ عہد ان رسوم، ان کے پھیلاؤ اور ان میں تبدیلیوں کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ افسوس ان علوم میں بھی ہم مغرب ہی کی کتابیں پڑھ رہے ہیں۔ اگر کوئی بھولے بسرے کچھ لکھتا ہے تو مغربی مصنفوں کی نقالی کی جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ نقل کرنے والے اپنے سماجی اداروں کی نہ اہمیت کو سمجھتے ہیں اور نہ ان کے اثرات کو۔

میلاد کی محفلیں شادی بیاہ کی تقریبات میں بھی ہوتی ہیں۔ اسی طرح شادی کے موقع پر مجلس عزا بھی ہمارے شیعہ کلچر کا حصہ ہے۔ یوں عملی طور پر اس بات کا اظہار اور اعلان کیا جاتا ہے کہ ہم اپنی انتہائی خوشی میں بھی غم حسین کو عزیز جانتے ہیں۔ فرد کے اپنے ذاتی خیالات کچھ ہوں لیکن وہ ان اجتماعات میں اپنے آپ کو گم کردیتا ہے اور ہجوم کا حصہ بن جاتا ہے۔ میں پاک پتن کی اس سرد رات کو کبھی نہیں بھول سکتا جو سوئٹر، گرم جرابیں پہننے کے بعد اپنے میزبانوں کی طرح میں نے اپنے آپ کو گرم وزنی دُھسے میں لپیٹا اور اس محفل میں پہنچا جہاں محمد علی ظہوری نعتیں پڑھ رہے تھے۔ نعت خوانی کی یہ محفل میرے لیے ایک تجربہ تھی۔ سننے والے اس محفل میں اسی طرح ''فعال شریک'' تھے جیسے ظہوری۔

نعتوں کی ردیفیں ایسی تھی جو شاعر اور سامع دونوں کا احاطہ کررہی تھیں۔ ایسی نعتیں میلاد کی کتابوں میں بھی عام ہیں اور مقبول نعت گو شعرا مثلاً منور بدایونی، بہزاد لکھنوی اور سکندر لکھنوی، اعظم چشتی، اقبال عظیم، قمرالدین احمد انجم، ادیب رائے پوری، خالد محمود خالد اور صبیح رحمانی وغیرہ کے کلام میں بھی۔ میں نے کئی بار اس نکتے کو دہرایا ہے کہ نعتیہ شاعری ہمارے اجتماعی لاشعور (اور شعور) کی شاعری ہے۔

یہی بات قوالی کے لیے کہی جاسکتی ہے۔ قوالی اور نعت کی محفلوں میں شرکت کو میں عبادت نہیں سمجھتا۔ حدیث اور سیرت و نعت کی کتابوں کے مطالعے کو میں عبادت کے دائرے میں شامل سمجھتا ہوں، لیکن یہ حقیقت بھی میرے سامنے ہے کہ عام موسیقی سے جذبات میں

ہیجان اور شورش پیدا ہوتی ہے اور نعت خوانی و قوالی سے جذبات کی تہذیب ہوتی ہے اور ترفع کا احساس ہوتا ہے۔ اسی کے ساتھ ان اداروں کے ذریعے ایک مختلف سطح پر فرد، معاشرے سے ہم آہنگ ہوتا ہے۔ فرد اور معاشرے کے درمیان مطابقت افراد معاشرہ کو ایک دوسرے سے قریب لاتی ہے اور معاشرے میں گہرا ربط اور اتحاد پیدا ہوتا ہے۔

نعت خوانی کی روایت تو عہد نبیٔ کریم ﷺ کی یاد دلاتی ہے۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ منبر رسول ﷺ سے نعت پڑھتے۔ ان کی نعت خوانی جہاد بالقلم واللسان کی اعلیٰ مثال تھی۔ ہمارے معاشرے میں کئی صدیوں سے نعت خوانی کا سلسلہ جاری ہے۔ جس میں تقریباتی اور ثقافتی رنگ شامل ہوگیا اور عہد حاضر میں پیشہ ور نعت خوانوں کا ایک گروہ وجود میں آگیا۔ زمانے کے سنگین معاشی تقاضوں کے پیش نظر جب قرآن مجید کی تدریس اور امامت صلوٰۃ کے معاوضے کی فقہی اجازت تسلیم کرلی گئی ہے تو نعت خوانی کا معاوضہ لینے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ اگر قباحت ہے تو اس رویے اور جارحانہ انداز میں جو معاوضے کے تعین میں برتا جاتا ہے۔ بہرحال ایسے نعت خواں بھی ہیں جنھوں نے نعت خوانی کو محض ایک پیشہ نہیں بنا لیا ہے اور اس کے آداب کا احترام کرتے ہیں۔ یہ صورت حال عمرانیات کے عالموں کا ایک موضوع ہے۔ اس سے یہ بات تو واضح ہوجاتی ہے کہ آج جب موسیقی کے اجتماعات پر لاکھوں روپے خرچ کیے جاتے ہیں، اپنے اس فطری تقاضے کو بہت سے لوگ نعت کے ذریعے پورا کرتے ہیں۔

دکن کے قطب شاہی دور (۱۵۰۸ء سے ۱۶۸۷ء تک) میں میلاد خوانی، نعت نگاری اور نعت خوانی عوامی کلچر کا حصہ تھی۔ سلطان قلی قطب شاہ کے کلام سے اس عہد کی تصویر ہمارے سامنے آجاتی ہے۔ شاہی سال گرہ، شب برأت، بسنت، برسات کے تیوہار کے ساتھ ساتھ بادشاہ نے عید غدیر اور عید میلادالنبی ﷺ پر بھی نظمیں لکھی ہیں۔ قطب شاہی دور میں عید میلادالنبی ﷺ ایک بڑے جشن کی طرح منایا جاتا تھا، بارہ دن تک چراغاں ہوتا، دیگیں پکتیں، شیرینی تقسیم ہوتی۔ عبداللہ قطب شاہ کی نعتیہ شاعری میں میلاد نبی کا ذکر، رسول اکرم ﷺ کی حیات طیبہ کے دوسرے پہلوؤں کے مقابلے میں بار بار کیا گیا ہے۔

لکھ فیض سوں پھر آیا دن دین محمد ﷺ کا
آفاق صفا پایا دن دین محمد ﷺ کا

اینتھروپولوجی (Anthropology) کا کوئی طالب علم عید میلاد النبی ﷺ کی تقریبات کے ذکر اور تفصیلات کے بغیر برِعظیم کے مسلم معاشرے کی پانچ چھ صدیوں کا مطالعہ نہیں کرسکتا۔ یہ ہمارا عوامی کلچر ہے۔ اکثر کہا جاتا ہے کہ اردو بولنے والے مسلمانوں کا کوئی عوامی کلچر نہیں اور اردو میں لوک ادب نہیں۔ یہ دونوں باتیں درست نہیں۔ ہماری نعتوں کا ایک حصہ ''لوک ادب'' میں شامل کیا جاسکتا ہے۔ ان نعتوں کے شاعروں کا ہمیں نام نہیں معلوم اور اگر نام معلوم بھی ہو تو یہ صداقت برقرار رہتی ہے کہ یہ نعتیں لوگ گیتوں کی طرح مختلف صدیوں میں پڑھی جاتی ہیں اور عوامی سطح پر ان میں اضافے بھی ہوتے رہتے ہیں۔

''آمنہ کا لال حوروں کی گودی میں کھیلے''

''سرکار مری سن لو''

''یہ شہر مدینہ ہے

یہ دل کا نگینہ ہے''

''میلاد'' یا ''میلاد نامے'' کتب سیرت، مغازی سے الگ اپنی جداگانہ حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ ایک مستقل صنف ادب تھے۔ اردو ڈرامے کی طرح یہ بھی نثر اور نظم کا امتزاج ہوتے ہیں۔ ہر میلاد نویس شاعر ضرور ہوتا تھا اور اس کے میلادوں میں اس کا ہی کلام ہوتا تھا۔ یہ حضرات موسیقی میں خاصا درک رکھتے تھے۔ ان میلاد ناموں میں جو نعتیں شامل ہیں، ان کی موسیقی اور غنائیت کا اثر آج بھی محسوس کیا جاسکتا ہے۔

اس پر اضافہ کیجیے تھیٹر اور فلموں کی نعتوں کا۔ یہ نعتیں بھی بہت مقبول ہوئیں۔ اختصار کے ساتھ اب بلاتبصرہ چند ایسی نعتوں کے بول پیش کیے جاتے ہیں۔ ان میں گراموفون عہد کے نغماتِ نعت بھی شامل کر لیے گئے ہیں۔

بیچ بھنور میں

آن پھنسا ہے

دل کا سفینہ

شاہِ مدینہ

☆

ہے وقت مدد آیئے سرکار مدینہ

☆

میں سوجاؤں یا مصطفیٰ کہتے کہتے
کھلے آنکھ صل علیٰ کہتے کہتے

☆

محمد مصطفیٰ کے نام کو ورد زباں کرلوں

☆

بولو، بولو عبداللہ کے لعل

نعت اور میلادناموں کے مطالعے کو جامعات میں اردو اور دوسری پاکستانی زبانوں کے نصاب میں شامل کرنا بڑی اہم بات ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ مطالعۂ پاکستان اور عمرانیات کے نصاب میں بھی ان اداروں کی شمولیت کے ذریعے ہم اپنے کلچر کو بہتر طور پر سمجھ سکیں گے اور سمجھا سکیں گے۔

☆

اعتذار

''نعت رنگ'' میں شائع ہونے والی تحریریں مضمون نگاروں کے مسودوں کے مطابق کمپیوٹر سے کمپوز کروائی جاتی ہیں اور مسودہ بینی (پروف ریڈنگ) میں بھی بساط بھر احتیاط کی جاتی ہے۔ اس کے باوجود قرآنی آیات اور احادیث نبوی (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کی املائی کمپوزنگ میں یا پروف ریڈنگ میں نادانستہ کوئی سہو (بھول چوک) ہوئی، اس کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور ہم توبہ و استغفار کرتے ہیں اور قارئین سے بھی معذرت خواہ ہیں۔

مقالہ و مضمون نگار اہل علم و قلم سے گزارش ہے کہ وہ اپنی تحریر میں جہاں کہیں قرآنی آیات نقل کریں وہاں سورۂ قرآنی کا نام اور آیت نمبر بھی تحریر فرما دیں تاکہ اس بات کا مزید اہتمام کیا جاسکے کہ ان کی کمپوزنگ یا پروف ریڈنگ میں غلطی کی گنجائش نہ رہے اور دیگر عبارات عربی کے الفاظ بھی اتنے واضح لکھے جائیں کہ پڑھنے میں آسانی ہو۔ اس تعاون سے وہ بھی اور ہم بھی گناہ گار ہونے سے بچ سکیں گے۔ شکریہ

(ادارہ)

پروفیسر محمد اقبال جاوید۔ گوجرانوالہ

نعت اور آدابِ نعت گوئی

افاداتِ کشفی کی روشنی میں

جناب سید محمد ابوالخیر کشفی سے احقر ذاتی طور پر شناسا نہیں ہے۔ نام ضرور سن رکھا تھا مگر ان کی تحریروں سے تعارف "نعت رنگ" کی وساطت سے ہوا، جوں جوں انھیں پڑھتا گیا، توں توں روحانی طور پر ان کے قریب ہوتا چلا گیا اور ظاہری شناسائی بے معنی سی ہو کر رہ گئی کہ:

تصور خود بنا لیتا ہے "تحریروں" سے تصویریں
مری محفل میں نادیدہ بھی نادیدہ نہیں ہوتے

ان کی "نعت شناسی" سے متعلق یہ طویل مضمون ازخود چار حصوں میں بٹ گیا ہے۔

(الف) جناب کشفی کی تحریر کے آئینے میں ان کی اپنی شخصیت کے خال و خط کہ تحریر پر لکھنے والی شخصیت کی چھوٹ تو بہرکیف پڑا کرتی ہے:

(ب) ان کی عقیدت، رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم و جلیل شخصیت کا کس انداز سے طواف کرتی ہے؟

(ج) ان کے نقطۂ نظر سے 'نعت' کا حقیقی مفہوم کیا ہے؟

(د) آدابِ نعت گوئی کے بارے میں ان کے نظریات کیا ہیں؟

گو حوالے ساتھ ساتھ موجود ہیں مگر ان کے اقتباسات، احقر کی تحریر کے تسلسل میں ضم ہو گئے ہیں:

تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

گویا زیرِ نظر سطور میں پروفیسر محمد ابوالخیر کشفی کی تحریروں میں بکھرے موتیوں کو ایک انشائی رابطہ کے ساتھ یکجا کرنے کی امکانی سعی کی گئی ہے۔

(محمد اقبال جاوید)

جناب سید محمد ابوالخیر کشفی جیسی خود شناس اور خدا آگاہ شخصیات روز روز پیدا نہیں ہوتیں، ان کے لیے گردش لیل و نہار کو مدتوں منتظر رہنا پڑتا ہے۔ اس دورِ فتنۂ آخر زماں میں دل و نگاہ، آگہی کے اسی کیف کے لیے ترس رہے ہیں۔ یہ دن یادوں سے معطر ہیں نہ راتیں اشکوں سے منور، نہ چراغ رخ ہے نہ شمع وعدہ، گل ہیں کہ سرِ شاخ جل گئے ہیں اور دل ہیں کہ سرِ شام بجھ گئے ہیں... کوئی ویرانی سی ویرانی ہے، ساری دنیا ہماری حالت پر ہنس رہی ہے مگر ہمیں اپنی حالت پر رونا نہیں آتا:

هم وہ تھے جن کو خندۂ گل نے جگا دیا
ہم وہ ہیں جو خروشِ سلاسل میں سو گئے

ایسے میں اگر کوئی شخصیت ایسی ہے جس کے دل میں ایمان کی حلاوت، روح میں خشیت الٰہی کی جھلک، آنکھ میں حیا کی معصومیت اور تحریر میں عدل و خیر کی تعبیر ہے تو جہاں اس نعمت کے لیے بارگاہ خداوندی میں سجدہ ریز احسان ہوں وہاں اس شخصیت کے لیے بھی اپنے دل کی دعائیں اور قلم کی نوائیں وقف کردینا اپنا فرض انسانیت جانتا ہوں، ایسے خوش نصیب خال خال ہیں جو التجاؤں کے جلو قلم اٹھاتے، حرف حرف اجالتے، لفظ لفظ نکھارتے، خود نعت کہتے اور دوسروں کی لکھی ہوئی نعتیں پڑھتے پڑھتے دیار شب سے سواد فجر تک پہنچ جاتے ہیں تو بے ساختہ اپنی کیفیت کا اظہار یوں کرجاتے ہیں...''لیجیے فجر کی پہلی اذان فضا میں بلند ہو رہی ہے، مؤذن اللہ تعالیٰ کی وحدت اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی گواہی دے رہا ہے اور اب وہ کہنے ہی والا ہے کہ الصلوۃ خیر من النوم ۔ اذان فجر کے بارے میں اقبال نے کیا خوب کہا ہے:

وہ سحر جس سے لرزتا ہے شبستان وجود
ہوتی ہے بندۂ مومن کی اذاں سے پیدا

آج رات آپ کی شاعری نے مجھے غفلت سے دور رکھا اور میں آپ کے دل کی دھڑکنیں سنتا رہا اور میں نے اپنے آپ کو روحانی طور پر ادب و احترام اور دیدۂ نم کے ساتھ مواجہ شریف میں کھڑے ہوئے پایا۔''☆۱

اللہ تعالیٰ نے جناب کشفی کو بیدار دل اور تابندہ ذہن سے نواز رکھا ہے، ذہن و دل کی اس پاکیزہ ہم آہنگی کا فیض ہے کہ وہ جب بھی نعت کے موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں تو ان

کی اس منزہ فکری اور مطہر قلبی کے باعث قاری کو بھی بقدرِظرف گداز و تپش اور نیاز وناز کی دولت ملتی ہے اور اس کا تصور اس ستھرے اور نکھرے ماحول میں پہنچ جاتا ہے جس کے حسن و تاثر کو الفاظ کا کوئی سا پیرایہ، اظہار کا کوئی سا سلیقہ اور شاعری کا کوئی سا قرینہ بھی بیان نہیں کرسکتا۔ اسی سے ہلکا سا اندازہ ہوسکتا ہے کہ صاحب تحریر خود سرور وکیف کے کن جذبوں سے بہرہ ور ہے۔ انھوں نے محسن کاکوروی کے کلام میں مدتوں پہلے پڑھا تھا کہ رات کعبے میں برائے وضو داخل ہورہی ہے، سناٹا اور انفاس ہوا ہم آغوش ہیں اور غلاف کعبہ میں جذبات کی لرزش خفی، محسن چشم تصور سے دیکھتا ہے اور کشفی صاحب جب حرم کعبہ میں پہلی بار داخل ہوتے ہیں تو ان کا دل زندہ انہی اشعار کی اثر آفرینیاں وہاں محسوس کرتا ہے... میں نے دیکھا کہ غلاف کعبہ میں حرکت سی تھی۔ غلاف کعبہ کا طواف کررہا تھا رات نے غلاف کو اپنا پردہ بنا لیا تھا۔ انسانی آوازوں کے درمیان خاموشی کا ایک جزیرہ تھا اور رات خاموشی کے اس جزیرے میں انفاس ہوا سے پیام دوست سن رہی تھی، سنگ اسود ازلی اور ابدی خوشبوؤں کا گہوارہ بنا ہوا تھا۔ ☆[۲]

مدینہ شریف میں حاضری، ہمت کی بات ہے حق یہ ہے کہ احقر سے تو ڈھب سے سلام بھی پیش نہ ہوسکا تھا اور علامہ اقبال علیہ الرحمہ اقبال جاوید کے در دل پر بار بار دستک دیتا تھا کہ:-

چوں بنام مصطفیٰ ﷺ خوانم درود
از خجالت آب می گردد وجود
چوں نداری از محمد ﷺ رنگ و بو
از درود خود میا لانام او ﷺ

دل کی خباثتیں اور نظر کی حماقتیں ابل ابل کر اور ابھر ابھر کر روبرو آتی تھیں، نگاہ اُٹھتی نہ تھی، لب ہلتے نہ تھے اور قدم اٹھتے نہ تھے... اور... زبان بمشکل یہی کہہ پائی تھی:

نہ فکر بس میں، نہ قابو نظر پہ ہے آقا
دل و دماغ کی دنیا ہے تیرگی کے لیے
زمانے بھر میں تجلی بکھیرنے والے
کچھ اہتمام، مرے دل کی روشنی کے لیے

حق یہ ہے کہ ندامت کا یہ احساس جب اپنے نقطہ عروج کو چھوتا ہے تب لطف و کرم انسان کا احاطہ کرلیتا ہے اور کرب، آسودگی میں بدل جاتا ہے کہ وہ ذات پاک صلی اللہ علیہ وسلم رؤف و رحیم بھی حد سے زیادہ ہے اور اس کی دعا بھی وجہ سکون دل۔ جناب کشفی، مدینہ منورہ میں حاضری کی کیفیت یوں بیان کرتے ہیں... میں نے اپنے آپ کو مسجد نبوی کے روبرو پایا، اب میں آئینے کے سامنے کھڑا تھا اور اس آئینے میں میرے مقابل تمام عیوب برہنگی تھے، اپنی زندگی کی ہر شکن میرے سامنے تھی، میری نگاہیں جھک گئیں، ہمت کرکے پھر نگاہیں آئینے کی سمت اٹھائیں، اس آئینے میں میرے سارے داغ موجود تھے اور ان داغوں کے درمیان میرا دل تھا۔ سیاہ۔ ہوس لالہ رخاں سے داغ داغ... مگر ان داغوں کے درمیان ایک روشن عشق محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ نقش تھا جو ہر مسلمان کی طرح میرے دل میں بھی موجود تھا اور جسے مسجد نبوی کے آئینے نے مہر صفت بنا دیا اور آئینے نے مہر صفت دل بلکہ مہر درخشاں کو اپنی آغوش میں لے لیا۔☆[۲۳]

انسان جب دیار خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری دیتا ہے تو وہ سراپا التجا بن جاتا ہے، کائنات نوک مژہ پر تل جاتی ہے، ہر لمحہ دعاؤں سے مستنیر رہتا ہے وہاں درد چہکتا اور آنسو بولتے ہیں لرزشوں کو زبان مل جاتی ہے اور دھڑکنیں، داستان دل کہتی ہیں :

مرے درد نہاں کا حال محتاج بیاں کیوں ہو
جو لفظوں کا ہو مجموعہ وہ میری داستاں کیوں ہو

جناب کشفی کو جب بھی اللہ تعالیٰ نے وہاں حاضری کی توفیق دی تو انھوں نے غزل کے اشعار میں حضوری کا جو کیف محسوس کیا وہ ان کی حیات مستعار کی متاع عزیز بن گیا اور ان اشعار کو آج بھی جب ان کی تنہائی دہراتی ہے تو نظر میں پھول کھل کر اور دل میں شمعیں جل کر تصور کی دنیا کو رعنا بنا جاتی ہیں کہ :

بچھڑ کے بھی تری یادوں کی رہگذر میں رہے
سفر کے بعد بھی ہم حالت سفر میں رہے

ایک مقام پر وہ اپنی کیفیت کا اظہار یوں کرتے ہیں... راقم الحروف کو قیام ارض مقدس کے دوران میں اردو کا کوئی اور شاعر اتنا یاد نہیں آتا جتنا مولانا حسرت موہانی (اور ان کے اشعار) یاد آتے ہیں، غالباً یہ دل بیدار حسرت کے نغموں کی جزا ہے اکثر میں نے اپنی کیفیت مولانا

کے شعروں کے ذریعے بیان کی ہے یا مولانا میری دید میں شامل ہوگئے ہیں۔ 'گنبد' اور 'دریا' کے درمیان کوئی ذہنی اور شعری تلازمہ نہیں ہے مگر دور سے جب گنبد خضریٰ پر نظر پڑتی ہے تو مولانا یاد آجاتے ہیں:

جب دور سے وہ گنبد خضریٰ نظر آیا
بہتا ہوا اک نور کا دریا نظر آیا

مولانا کی آنکھوں میں جھلملاتے آنسوؤں نے اس تلازمہ کو جنم دیا ہے۔ ایک بار میں نے غار ثور تک پہنچنے کا تصور کیا۔ لیکن اپنی صحت اور غار کے راستے کی دشواریوں کے خیال اور اندیشے نے اس قصد کو فسق کیا۔ اس مجبوری اور بے قراری کی ملی جلی کیفیت اور فضا میں مولانا یاد آئے:

غم آرزو کا حسرت سبب اور کیا بتاؤں
مرے شوق کی بلندی، مرے حوصلے کی پستی

غزل کے اشعار نے ان کی تحریروں ہی کو نہیں، ان کی تمناؤں کو بھی رنگ و آہنگ کی ایک دنیا دی ہے۔ حضرت ثاقب کانپوری نے ایک مقام پر لکھا تھا کہ ''غزل کی علامتوں اور اشاروں کی معنویت ہر دور میں بدل جاتی ہے۔'' مگر جناب کشفی کے ہاں یہ معنویت ہر موقع اور ہر ساعت بدل جاتی ہے:

نیا ہے لیجیے جب نام اس کا
بہت وسعت ہے میری داستاں میں

گو ہر دور نعت ہی کا دور رہا ہے کہ یہ صنف سخن ازل انوار بھی ہے اور ابد آثار بھی مگر دور حاضر میں نعتوں کی بارش ہورہی ہے۔ ہر نوع کی نعتیں لکھی جارہی ہیں، دل سے بھی اٹھ رہی ہیں۔ زبان سے بھی اور محض قلم سے بھی... جو نعت قاری کے دل کی دھڑکن کو تیز نہیں کرتی، چاہت کو کیف اور انتظار کو اضطراب عطا نہیں کرتی وہ فکری گداز سے تہی، صرف خوبصورت الفاظ کا مجموعہ ہے، رنگینی حسن بیان اپنی جگہ، مگر سوز دروں کی آنچ کا مقام اپنا ہے اور ہردور کا حسین امتزاج ہی نگاہ کو مائل، ذہن کو قائل اور دل کو گھائل کیا کرتا ہے آج بفضلہٖ تعالیٰ قابل قدر نعتیں بھی لکھی جارہی ہیں اور یہ نعتیں فی الواقع حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تازہ تر کررہی ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس محبت کے طفیل، ہمارے ایمان پر نکھار آرہا

ہے، ہمارا تشخص واضح ہورہا ہے، ہمارا حوالہ ایک حقیقت بن رہا ہے اور یہی نسبت، یہی تشخص اور یہی حوالہ ہماری نشاۃ ثانیہ کا ایک خوبصورت ذریعہ ہے سچی بات یہ ہے کہ... اگر ذکر محمد عربی ﷺ یوں نہ ہورہا ہوتا تو ہمارے معاشرے کی صورت کیا ہوتی؟ ہم اپنا تشخص کھو بیٹھتے، اقدار حیات سے محروم ہوتے، کسی جبر کے خلاف کوئی آواز نہ اٹھتی، غیروں کی تقلید ہماری اجتماعیت کو مٹا دیتی۔ آج ہمیں احساس زیاں ہے تو اسی ذکر گرامی سے اور یہی ذکر ہماری بازآفرینی کے تمام امکانات اپنے دامن میں رکھتا ہے کہ در مصطفیٰ ﷺ سے وابستگی ہی ہمارے ایمان کی کسوٹی اور دکھ درد کا علاج ہے۔ ☆۵

انسان کے دل میں حقیقت، حسن اور خیر کی طلب کا جو والہانہ جذبہ ہے اس کے بے ساختہ اظہار کا نام شعر ہے۔ حرف تمنا جو روبرو نہ کہا جاسکے وہ شعر کے پردے میں بے اختیار ادا ہوجاتا ہے۔ عبدالرحمٰن بجنوری کے الفاظ میں ''شعر کو تصویر پر یہ ترجیح ہے کہ تصویر ساکن ہے اور شعر متحرک، تصویر اپنے قائم کردہ انداز کو نہیں بدل سکتی، شعر ایک کیفیت کی مختلف حرکات کو ظاہر کرنے کی قدرت رکھتا ہے، تصویر رقبہ حیات پر ایک نقطہ ہے، شعر ایک دائرہ ہے'' اب درج ذیل اشعار میں جناب کشفی کی چلتی پھرتی، بولتی چالتی اور سمجھتی سمجھاتی شخصیت کے مختلف پہلو دیکھیے اور پھر اپنے دل کے آئینے میں جھانکیے اور سوچیے کہ یہ متحرک تصویر، تصور کا حسن ہے یا نہیں:

قرآن کے اوراق میں پڑھتا ہوں انھی کو
اس مصحف ناطق کی تلاوت پہ نظر ہے

☆

غیب بھی ان کے کرم سے مری نظروں پہ کھلا
میں نے دیکھی ہے مدینے میں بہشت صد رنگ

☆

خاموش سی اک طرز فغاں لے کے چلا ہوں
آنکھوں سے نہاں اشک رواں لے کے چلا ہوں
سرکار ﷺ کے قدموں سے جبیں، عرش معلی
محراب کے، سجدوں میں نشاں لے کے چلا ہوں

اب گنبد خضری کے سوا عکس، نہ منظر
آنکھوں میں محبت کا بیاں لے کے چلا ہوں
ہر قید زماں اور مکاں ہے مری زنجیر
جو زندہ رہے اب وہ سماں لے کے چلا ہوں
طیبہ کی ہر اک راہ مری راہ نما ہے
سرکارﷺ کے قدموں کے نشاں لے کے چلا ہوں

☆

اسم محمد سے اندھیروں میں جلائی قندیل
برق تابندہ ہے کشفی کی زباں کو دیکھو

☆

میرے اشکوں سے بنے گنبد خضری کی شبیہ
تیری رحمت ہو عطا دیدۂ نم کی صورت

☆

اوراق شمائل کا یہ اعجاز تو دیکھو
آنکھوں میں بسی صورت سلطان مدینہ

☆

روضۂ پاک کا ہر نقش بصیرت کا نشاں
پھر مجھے ساعت بیدار کی یاد آتی ہے
وادیٔ خواب میں دیدار کا لمحہ چمکا
پھر اسی لذت دیدار کی یاد آتی ہے
کشفی کی نگاہوں میں اب نقش نہیں کوئی
محراب تہجد میں سرکارﷺ نظر آئے

جناب کشفی کے قلم پر جہاں بھی اور جب بھی حضورﷺ کا ذکر آتا ہے تو ان کی نگاہوں کی تمنائیں، قلم کی نوک پر لو دیتی محسوس ہوتی ہیں۔ ان کی سوچ ایک ہی محور کے گرد گردش کرتی ہے یہی وجہ ہے کہ کوئی توصیفی شعر ہو یا جملہ، جہاں بھی وہ بشری خصوصیات سے

بلند تر کوئی نکتہ دیکھتے ہیں تو ان کا ذہن فوراً بشر سے خیر البشر اور محمد سے ''احمد'' کی طرف منتقل ہوجاتا ہے خواہ کہنے والے کے ذہن میں وہ نکتہ ہو یا نہ ہو، ان کی ذہنی اور قلبی وابستگی دیارِ ناز ہی کے طواف میں مصروف رہتی ہے کہ :

وہ تمام ایک جلوہ، میں تمام ایک سجدہ
مری بندگی میں حائل نہ جبیں نہ آستانہ

اللہ تعالیٰ کا ذکر بہر نوع بلند ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پاک ﷺ کے ذکر کو بھی رفعت عطا فرمائی ہے اور اس رفعت کی عظمت یہ ہے کہ اوقات عالم کا ایک ثانیہ بھی ایسا نہیں گزرتا جو اس ذکر سے معمور نہیں ہوتا، یہ ایک سائنسی حقیقت ہے کہ طلوع و غروب آفتاب کے ضابطے ہر مقام پر مختلف ہیں۔ کہیں دن کہیں رات، اوقات بھی مختلف یوں کہیں نہ کہیں نماز کا وقت ہوتا ہے گویا درود و سلام کے نغمے ہر لحظہ گونجتے رہتے ہیں اور نعت درود و سلام ہی کی ایک نغماتی شکل ہے... انسانیت کی پوری تاریخ میں کسی نبی کا نام معجزہ الٰہی کے درجے پر فائز نظر نہیں آتا۔ ''محمد'' ﷺ یہ لفظ کامل ترین ثنا اور نعت ہے۔ محمد ﷺ وہ ہے جو موجب توصیف ہو، مجموعہ خوبی ہو'' جس سے زیادہ تکمیل و کمال آدمیت و اخلاق کا کوئی اور نمونہ اور نمائندہ نہ ہو اور جس کا حق پورا کر دیا گیا ہو۔ ذات و شخصیت اور نام کی کامل ہم آہنگی پہلی اور آخری بار حضور ﷺ کی صورت میں ظاہر ہوئی۔ یہی نام فکر کا سرچشمہ اور جذبہ کے طلوع ہونے کا مطلع ہے اور یہی نام ''نعت کے الفاظ'' کی ٹکسال ہے یہی نام کارگہ فکر ہے اور اس میں ڈھلنے والا ہر ستارہ ہمارے مقدر کی سمت کا اشارہ ہے محمد ﷺ اور اسم محمد ﷺ کے کمالات چودہ صدیوں میں وقت کے انقلابات کے ساتھ ساتھ آہستہ آہستہ ہمارے سامنے آرہے ہیں یہ وہ پھول ہے جس کا کھلنا جاری ہے ہر پنکھڑی کے کھلنے کے ساتھ صل اللہ کی آواز چنگ کا اعلان بن کر کانوں سے قلب تک کا سفر کرتی ہے۔ اس ذات کی مدح و ثنا کا سلسلہ جاری ہے۔ اپنوں کے دل اور غیروں کے ذہن اور فکر، اعتراف عظمت سرور کائنات ﷺ میں مصروف ہیں۔☆[٦]

حضور ﷺ کا مبارک سینہ انوار الٰہی سے مستنیر اور علوم الٰہی سے معمور تھا۔ اس میں کونین کی وسعتیں سمٹ گئی تھیں۔ وہ قرآن پاک کی کیفیات و برکات کا خزینہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کے متن کو ہزارہا سینوں میں محفوظ کر دیا اور نبی پاک ﷺ کی سیرت کو ابدالآباد تک کے لیے مشعل ہدایت بنا دیا کہ وہ اس متن کی ایک بڑی تشریح اور عملی توضیح تھی اور نعت

ربِّ کریم کے وعدہ بشارت رفع ذکر کے سلسلہ گراں ارز کی ایک کڑی ہے۔

'رفعنالك ذكرك' اس میں 'لکَ' کا ٹکڑا ملاحظہ ہو۔ تمھاری خاطر تمھارے ذ
کا آوازہ بلند کیا گیا۔ یہ تسلی اس وقت دی گئی تھی جب باطل کی تہ در تہ اندھیریوں ..
رسالت کی لو نے چند ہی قلوب کی فضاؤں میں چراغاں کیا تھا۔ اور اس لمحے سے آ
ذکر لبوں پر آواز کے دائروں میں دلوں کی دھڑکنوں میں پلکوں کیجگنو میں اور شہ
وادیوں میں جاری ہے۔ اس رفع ذکر کا سلسلہ تو نور محمدی ﷺ کی تخلیق کے ساتھ
ہوگیا اور اس لمحہ سے جب لوح محفوظ پر آپ ﷺ کے اسمائے گرامی محمد ﷺ اور احمد ﷺ ثبت
گئے۔ حضور سرور دیں علیہ الصلوٰۃ والسلام نے توحید کو دین کی اساس قرار دیا ہے اور ا
کا جگر دیکھیے کہ انھیں کیا کچھ نہ کہنے کے جذبہ کے باوجود اس توحید کی پاسداری کرتی ہے۔
ویسے میں یہ کیسے بھول جاؤں کہ محمد ﷺ اور احمد ﷺ کا مادہ ح۔م۔د ہے۔ یہ وہ ذات گرامی
ہے کہ جس کے افعال محمودہ اور صفات محمودہ نے اسے مقام محمود کی بلند ترین مسند پر بٹھا دیا
چودہ صدیوں کی دوری کے باوصف حضور ﷺ ہمارے دلوں کی دھڑکنوں میں شامل ہی نہیں بلکہ
ان دھڑکنوں کا آہنگ ہیں۔ حضور ﷺ کی تعریف کے لیے آپ ﷺ کی صفات اور مقام بلند سے
آگہی لازم ہے آپ ﷺ کے حسن و رعنائی کے چشمہ تک پہنچنا واجب ہے اور یہ جاننا ناگزیر
ہے کہ مقام محمود وہ مقام ہے جہاں آدمی حزن اور خوف سے بالاتر ہوجاتا ہے حضور ﷺ تو اس
مقام پر فائز تھے ہی۔ ان ﷺ کا ذکر بھی ان کے مدح خوانوں کو حزن و خوف سے بے نیاز
کردیتا ہے۔☆۷

نبی کریم ﷺ ہماری پہچان اور ہماری آبرو ہیں کاش ہم بھی محبت اور اطاعت کے
ذریعے ان کی پہچان بننے کی کوشش کریں کہ حضور ﷺ کی سچی اطاعت ہی تعلق خاطر کے پاکیزہ
سلسلوں کو شگفتہ رکھ سکتی ہے یہ تعلق مرجھا جائے تو ہماری زندگی دھندلا جائے گی، پہچان ماند پڑ
جائے گی اور رسوائی مقدر ہوجائے گی:

تجھ سے مل کر زندگی مقصود مہر و ماہ تھی
تجھ سے کٹ کر در بدر بے آبرو ہونے لگی

راغب مراد آبادی نے غالب کے ایک مصرع کی تضمین یوں کی تھی:

جو سب سے محترم بعد خدا ہے
ہم اس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا ہے

اور جناب کشفی اس پر اس انداز ے سے تبصرہ کرتے ہیں کہ توحید کی رفعتیں اور رسالت ﷺ کی عظمتیں اپنی تہیں کھولتی چلی جاتی ہیں وہ لکھتے ہیں... غالب کا یہ شعر بہت خوب صورت ہے لیکن راغب صاحب کی تضمین پڑھ کر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے غالب کا دوسرا مصرع سوسال سے زیادہ عرصے سے اس مصرع کا منتظر تھا۔ غالب نے وحدت الوجود کی بات کی تھی۔ ذات رب میں فنا ہوکر مقام بقا پر پہنچنا، مقصود حیات ہوسکتا ہے۔ لیکن جہاں تک ہماری پہچان اور تشخص کا سوال ہے اس کا رشتہ حضور ﷺ سے ہے۔☆۱۰

اور حضور ﷺ خدا کے بھیجے ہوئے وہ آخری آدمی تھے جن پر تمام دنیاوی اور اخروی نعمتیں تمام ہوگئیں تھیں اور ان ﷺ جیسا نہ ہماری بزم خیال میں نہ دکان آئینہ ساز میں... اور وہ آخری آدمی، انسان کی تقدیر ہی نہ تھا بلکہ فرش نشیں ہوتے ہوئے، عرش کی توقیر بھی تھا اور... اب خدا کے اس آخری آدمی ﷺ کا عہد ہے جس کا دامن روز حشر سے بندھا ہوا ہے۔ وہ آخری آدمی ﷺ جو برزخ کبریٰ ہے۔ انسان اور خدا کے درمیان۔ وہ جو عرش و فرش کے درمیان وسیلہ ہے۔ محمد ﷺ انسان کی تقدیر کا دوسرا نام ہے اور ان کا لایا ہوا دین۔ تقدیر کائنات ہے وہ جو انسان کی تقدیر ہے، جس ﷺ کی رسالت پایان وقت تک پھیلی ہوئی ہے، اس کے معجزے بھی ماضی کا حصہ نہیں ہوسکتے۔ حضور ﷺ کے دو جاوداں معجزے ہیں۔ قرآن حکیم اور اسوۂ حسنہ ﷺ۔

لیکن ارباب نظر کے نزدیک حضور ﷺ کے دوسرے معجزات بھی ابدیت آثار ہیں نبی اکرم ﷺ کا کوئی معجزہ اور زندگی کا کوئی لمحہ ایسا نہیں ہوسکتا جس کا رشتہ اور علاقہ عالم انسانیت سے نہ ہو۔☆۹

جناب کشفی صاحب نے مقام رسالت مآب ﷺ کو اپنی تحریروں میں، جابجا سمجھانے کی کوشش کی ہے آپ ﷺ کی تشریف آوری ایک عظیم ترین ہستی کے جمیل ترین خواب کی تعبیر، تصور کی تجسیم اور فکر کی تکمیل ہے:

مشیت حسن کی تکمیل فرماتی ہوئی ابھری
تصور آخری تصویر بن جاتا ہوا آیا

جناب کشفی بالکل درست فرماتے ہیں کہ اسی نام اور اسی ذکر نے ازل کو ابد سے ملا رکھا ہے۔ ہر دنیاوی سعادت اور ہر اخروی سرخروئی اسی چوکھٹ سے وابستہ ہے، جہاں بھی

اُجالا ہے وہ اسی چراغِ منیر کا فیض ہے اور جہاں بھی اندھیرا ہے وہ اسی نور کو آواز دے رہا ہے... دین و دنیا۔ یہ بھی تو دو کرے ہیں آپ کسی بھی انتہا پر پہنچ جائیں۔ ازل سے ابد تک کا سفر کرلیں، دونوں انتہاؤں کا توازن وجودِ عربی ﷺ کا صدقہ نظر آئے گا۔ قرآن حضور ﷺ کی صداقت کا ابدی معجزہ ہے۔ لیکن ذاتِ رسولِ عربی ﷺ خدا کی بے نشانی کا نشاں اور اس کے ہونے کی دلیل ہے۔☆[10]

اقبالؒ کے درج ذیل خوب صورت اشعار کے اثرات جناب کشفی کی تحریروں میں جابجا ملتے ہیں:

هر کجا بینی جهان رنگ و بو
آنکه از خاکش بروید آرزو
یاز نور مصطفیٰ او را بهاست
یا هنوز اندر تلاش مصطفیٰ ست

اور ان کا یہ جملہ نثری نعت ہی تو ہے کہ ''کائنات کی ہر بہار سامانی نورِ مصطفیٰ ﷺ کا پرتوِ جمیل ہے اور بہار سامانی کے ہر امکان کے پیچھے اسی نام کا عکس ہے''☆[11] اقبالؒ دورِ حاضر کا ایک عظیم مسلمان تھا۔ حضور ﷺ کے تعلق خاطر نے اسے بالا بلند کردیا تھا اور اسی محبت نے اسے بلالِ مشرق اور کلیمِ ایشیا بنا دیا تھا۔ جناب کشفی کے الفاظ میں ''حضور ﷺ کی ذات اقبالؒ کے لیے سب سے بڑا حوالہ، نقطۂ تناظر اور محلِ تناظر ہے۔ وہ ختمی مرتبت ﷺ کے حوالے سے زندگی کو دیکھتے ہیں اور زندگی کے احوال اطراف و جوانب کا جائزہ لیتے ہوئے انھیں اس ذاتِ اقدس و اکمل کی گیرائی و وسعت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس دنیا میں جہاں کہیں جہانِ رنگ و بو نظر آئے جس کی زمین سے آرزو اور تمناؤں کے ہزار رنگ پھول اگ رہے ہوں۔ اس جہانِ رنگ و بو میں حضور ﷺ کا نور نظر آتا ہے۔ جہاں کہیں نور ہے، آرزو ہے، رنگ و بو ہے۔ وہاں ہر شے، ہر وجود تلاشِ مصطفیٰ ﷺ میں مصروف نظر آتا ہے۔''☆[12]

اب ان کے مجموعہ نعت ''نسبت'' کے آئینے میں اسی خیال کو شعری پیرہن میں دیکھیے:

دیارِ شر سے لے کر دیارِ مغرب تک
یہ مشتِ خاک تری جستجو میں زندہ ہے

ظلمت نے چراغ اپنے بجھائے تو ہیں لیکن
اک اسم محمدﷺ تو اجالے کے لیے ہے

☆

رحمۃ اللعالمینﷺ کے نور سے رخشندہ ہو
ایسا انداز نظر سب جدا ہم کو ملے

☆

غبار تشنہ لبی میں نگاہ امت کو
اسی کی ذات کا دریا دکھائی دیتا ہے
جہاں میں ذات محمدﷺ میں سینکڑوں جلوے
نگاہ شوق کو کیا کیا دکھائی دیتا ہے
لولاک لما ایک حقیقت کا ہے اظہار
ہے نقش جہاں پرتو تابان محمدﷺ

☆

فصل خزاں میں احمد مختارﷺ سے بہار
وہ رنگ اور نمود کا اک دائرہ بھی ہے
کردار جس کا حشر کے دن تک مثال ہے
قائم رہے فضا میں وہ ایسی صدا بھی ہے
معراج جس کی آدم خاکی کا ہو عروج
اس کے سوا جہاں میں کوئی دوسرا بھی ہے؟
نام اس کا لب کے واسطے اک موج سلسبیل
پیشانی نظر کے لیے نقش پا بھی ہے

حضورﷺ کی رسالت خود شناسی سے لے کر خدا شناسی تک کا ایک ایسا ذریعہ ہے کہ ویسا کامل ذریعہ کسی بھی فکری، مذہبی اور دنیاوی نظام کے پاس نہیں ہے۔ آپﷺ کے نقوش پا تک پہنچ جانے کا نام ہی انسانی معراج ہے... انسان کے لفظ کا مادہ ا۔ ن۔ س ہے اور اس مادہ کے مفاہیم میں مشاہدہ دیکھنا اور احساس کرنا شامل ہے۔ انسان نے اس خاکداں میں آکر

آنکھ کھولی اور زمین و آسمان کے مشاہدے کو تعمیر حیات و ذات کا وسیلہ بنا لیا۔اس نے زمین کو دیکھا، فلک کو دیکھا، مشرق کے ابھرتے ہوئے سورج کو دیکھا اور یوں پہلے آپ کو پہچانا، اپنے خالق کو پہچانا، اس مادہ کے معنی میں یقین، ادراک اور معرفت کے مفاہیم بھی شامل ہیں۔ ان مفاہیم کو سامنے رکھیے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ختم المرسلین، ﷺ فخر دو عالم ﷺ کے ظہور کے واسطے اور وسیلے سے آدمی نے اپنے آپ کو پہچانا، وہی اس کارگہ شیشہ گری کی تخلیق اور ایجاد کا سبب تھے۔ وہ انسانیت کا نقطہ معراج اور عبد و معبود کے درمیان وصل کی علامت تھے، مشاہدہ النفس و آفاق، احساس کی انتہائی نزاکت اور دیکھنے کا کمال ان ﷺ کی ذات میں مجتمع ہوگیا تھا اور اسی لیے آدمی، انسان اور اس کے کمالات اور امکانات پر غور کرنے والا ہر شخص اسی بارگہ مصطفوی ﷺ میں پہنچ جاتا ہے۔☆[۱۳] حق یہ ہے کہ سرور کائنات ﷺ کی نظر کیمیا اثر سے آدمی کردار اور اعمال کے اعتبار سے یکسر بدل جاتا ہے رات، دن کی چادر اوڑھ لیتی، وحشت، انس اور شائستگی میں بدل جاتی ہے۔ سیرت سازی قرآن حکیم کا موضوع اور نبی اکرم ﷺ کے راستے اور سنت کا حاصل ہے اور یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ آج بھی تذکار محمد ﷺ سے آدمی کی زندگی نئے سانچے میں ڈھل جاتی ہے۔☆[۱۴] اب حضور ﷺ کی اعجاز آفرین شخصیت اور انقلاب آفرین سیرت کی ایک جھلک جناب کشفی کی نعتوں کے آئینے میں دیکھئے کہ بعض اوقات جو بات نثر کے کئی صفحے واضح نہیں کرپاتے اسے کسی شعر کے دو مصرعے آئینہ کرجاتے ہیں، بقول ورڈز ورتھ ''شاعری تمام علم انسانی کی جان اور اس کی لطیف ترین روح ہے۔''

امکان مرے تیری نبوت کی گواہی
تو مطلع امکان بشر، سیّد عالم ﷺ

☆

نام سے ان کے بدل جاتا ہے انسان کا وجود
رب کعبہ کا کرم ان کی عطا میں شامل

☆

تاریخ کے ایواں میں اُجالا ہوا جس سے
وہ زندہ و پائندہ نور سب کے لیے ہے

☆

اک اسم محمد ﷺ کے سوا لوح ابد پر
دیوار و دربام حرم کچھ نہیں لکھتے

☆

کس نام سے ملتی ہے شفا اہل جہاں کو
کونین کو یہ حرف دعا کس سے ملا ہے

☆

انسان کی وحدت ہے محمد ﷺ کا کرشمہ
اس بزم میں تفریق عرب ہے نہ عجم ہے
آپ کے نام میں ہر لفظ کا مفہوم ملے
میرے سرکار ﷺ ہیں ہر دور کی زندہ فرہنگ

☆

ہر ایک لفظ کے معنی سے اک جہاں پیدا
تری نوا سے ہوا حرف جاوداں پیدا
یہ اہل سیف و قلم، صاحبان جود و عطا
نقوش پا سے ہوئے کتنے کارواں پیدا

☆

ہر مطلع انوار اسی نام سے روشن
خورشید کو خیرات ملی اس کی جبیں سے
ہاں اسم محمد ﷺ ہے مرے نطق کی توقیر
الفاظ کو مفہوم ملا سرور دیں سے

☆

سرکار ﷺ دو عالم کی بصیرت کا ہے صدقہ
ہر سلسلہ فکر و نظر زندہ ہے ہم سے
تاریخ، محمد ﷺ کا نشان کف پا ہے
انسان کو معراج ملی ان کے قدم سے

دُنیا و آخرت کی ہر معراج، ہر حسن اور ہر توقیر، نام مصطفیٰ ﷺ کو لبوں پر سجانے اور مقام مصطفیٰ ﷺ کو دلوں میں بسانے سے عبارت ہے۔ تعلق کی استواری ہی سے محبت، شاداب رہ کر، غنچہ سے گل اور گل سے گلزار بنتی ہے۔ ہم سب شجر محمدی ﷺ کے برگ و بار ہیں اور اسی شجر سے وابستگی ہمارے قیام و بقا کی تدبیر ہے۔[۱۵] ہم حضور ﷺ پر درود بھیجتے ہیں، یہ درود بھی دراصل دعا ہے جو ہم فی الحقیقت اپنے لیے کرتے ہیں کہ اس خزانہ رحمت پر جتنی زیادہ رحمت نازل ہوگی ہم ''عالمین'' پر اتنی ہی زیادہ تقسیم ہوگی کہ وہ (ﷺ) کل بھی رحمت تھے اور آج بھی ہیں اور آنے والے ہر دور کے لیے بھی ان ﷺ کی رحمۃ للعالمینی ہم عاصیوں کی واحد آس ہے حضور ﷺ کی محبت آدمی کے مرتبوں کو بلند کرتی ہے۔ ان کے لیے مقام محمود کی دعا (بھی) ہمارے لیے اس بلندی سے قربت کا سبب بنے گی کیوں کہ مقام محمود تو ان کے رب کی طرف سے ان کے لیے ہے۔ یہ دعا تو ہمارے لیے ترفع کا ایک وسیلہ ہے۔[۱۶]

اب بغیر کسی ترتیب کے مقام رسالت مآب ﷺ کے بارے میں جناب کشفی کے قلم سے نکلے ہوئے کچھ نثر پارے دیکھتے جایئے کہ موتی بکھرے بھی بھلے معلوم ہوتے ہیں۔

حضور ﷺ کو بنی آدم کے بہترین طبقوں میں اور خیرالقرون میں پیدا کیا گیا اور آپ کا قرن، آپ کا قرن ہے اور یہ قرن ہمیشہ ہمیشہ قرن محمد ﷺ کے طور پر تاریخ انسانی کے سر پر درخشاں تاج کی طرح چمکتا رہے گا۔ احمد ﷺ اور محمد ﷺ یہ دونوں نام ایک دوسرے کا ضمیمہ ہیں۔ یہ کائنات اور اہل ایمان محمد ﷺ کی ستائش میں مصروف ہیں اور حضور ﷺ کا وجود پاک اللہ تعالیٰ کی حمد میں مصروف تھا۔ محمد ﷺ کے معانی میں یہ مفہوم بھی شامل ہے کہ جس کی بے شمار فضیلتیں حمد و ستائش کی سزاوار ہوں۔ آپ ﷺ نبیٔ توبہ تھے آپ ﷺ کو جنھوں نے دیکھا جنھیں قربت کی سعادت نصیب ہوئی وہ ان راستوں سے پلٹ آئے جو گمراہی کے راستے تھے۔ ہمارے برے اعمال کا خسران آپ ﷺ کے بتائے ہوئے راستے پر لوٹ آنے سے سعادت و توفیق میں بدل جاتا ہے۔ مومن تو آپ ﷺ کے لیے سب کچھ تھے ہی، آپ ﷺ تو کفار کی بھلائی اور ہدایت کی دعاؤں اور تمنا میں اپنی راتیں یوں کاٹ دیتے کہ کائنات کے دل کی دھڑکنوں میں بھی اضطراب پیدا ہوجاتا۔ حضور ﷺ محض اپنی جماعت کی کثرت کی وجہ سے ''سیّد'' نہیں ہیں بلکہ آپ ﷺ کی ذات توقیر و سعادت اور جلالت و سیادت کا منبع ہے اور انھی عناصر سے آپ ﷺ کا خمیر گوندھا گیا۔ پھر ''سیّد ولد آدم'' میں تمام زمانوں کے انسان سمٹ

آئے ہیں اور ہر دور کے انسانوں کا سردار وہی ہوسکتا ہے جو وجہ تخلیق عالم ہو۔ آپ ﷺ تو انسان کی قبائے ذات کو اپنے رب کی صفات کے رنگوں میں رنگنے کے لیے تشریف لائے تھے۔ آپ ﷺ کی تعلیمات کا مقصد ہی زمین کو توازن، اعتدال، امن و امان، نور اور عدل کا گہوارہ بنا دینا تھا اور جو فساد بر و بحر پر پھیل گیا تھا۔ اس سے نجات دلاتا تھا۔ حضور ﷺ کی نبوت وحدت آدم کی دلیل بھی ہے اور اعلان بھی۔ نبی آخر الزماں ﷺ کے مواجہ شریف میں آج بھی بے حد پست آواز میں سلام پیش کرنا چاہیے۔ یہاں جنبش لب کا آہنگ بھی برقرار رکھنا ایمان کی علامت ہے۔ یہی وہ مقام فلک رفعت ہے جس کے بارے میں کہا گیا:

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنیدؒ و بایزیدؒ ایں جا

یہاں اہل ایمان کو فضا میں اڑتے ہوئے پرندوں کے انداز پرواز میں بھی ادب کے قرینے نظر آتے ہیں اور فضا بھی سانس روکے ہوئے دست بستہ کھڑی دکھائی دیتی ہے۔ جو صاحبان عقل ہیں وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں مؤجہ صبا کے لہجے میں لب کشا ہوتے ہیں۔ حضور ﷺ کا احترام آدمی کے تقویٰ کا پیمانہ ہے۔ حضور ﷺ کی تعظیم و محبت میں وہ نقطہ ہے جس پر قوم مسلم کی تمام پراگندہ قوتیں اور منتشر جذبات جمع ہوجاتے ہیں اور یہی وہ ایمانی رشتہ ہے جس پر اسلامی اخوت کا نظام قائم ہے۔ آپ ﷺ کی صفات کی تکرار ہمیں البقرہ سے قرآن حکیم کے آخر تک ملتی ہے اور سیاق و سباق بدلنے سے یہ تکرار نئے نئے پہلوؤں اور مطالب کو سمیٹ کر ایک جہان نو کی تخلیق کرتی۔ اللہ کے احکام کی تقلید اور نبی ﷺ کی اتباع سے یہی دنیا جنت کا دیباچہ بن جاتی ہے۔ نذیر میں بشیر کا پہلو بھی موجود ہے۔ نذیر اپنی محبت و شفقت کی بنیاد پر لوگوں کو ان کے غلط طرز حیات سے ڈراتا ہے۔ ان ﷺ کی زندگی کے ہر لمحے اور پہلو کو ایک معجزہ بنا دیا گیا، ایسا معجزہ جو رواں دواں ہے اور ایک عہد سے دوسرے عہد تک پہنچتا ہے۔ زیادہ درخشاں اور تابناک ہوکر جنت ہی دنیا کا تسلسل اور اسی زندگی کا تکملہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ عادل ترین انسان تھے اس لیے وہ شہادت کے مثالی پیکر ہیں۔ قرآن مجید کتاب عدل ہے جو انسانی معاشرے کو ہر فساد، ہر ناہمواری، ہر ظلم سے بچاتی ہے مسلمان اگر عدل اور اعتدال کی روش کو چھوڑ دے تو وہ انسانوں پر شاہد نہیں رہے گا اور نبی اکرم ﷺ کے قلب اطہر کے لیے غم، دکھ اور جراحت کا سبب بنے گا۔ جس کا قلب حضور ﷺ

کے اسوہ حسنہ کی روشنی سے جتنا روشن ہوگا۔ اسی درجہ وہ معتبر ہوگا۔☆۱۷

دورِ حاضر کے ''باتخلص نعت ساز'' اگر قرآن و حدیث اور کتب سیرت کے غائر مطالعے سے بے توفیق ہیں۔ اگر صحابہ کرام کا نعتیہ آہنگ بھی ان کے سامنے نہیں اور اگر صلحائے امت کے رنگ نعت گوئی تک بھی ان کی رسائی نہیں تو وہ کم از کم درج بالا اقتباسات پر غور فرمائیں بلکہ بار بار غور فرمائیں، روئے رسول ﷺ اور خوئے رسول ﷺ کی روشنی میں اپنے ظاہر و باطن کو سنوارنے اور نکھارنے کی طرف مخلصانہ توجہ فرمائیں اور اللہ پاک سے توصیف و مدحت خیرالبشر ﷺ کی دعا مانگیں، توفیق ارزانی ہو اور روح القدس کی تائید شریک خامہ محسوس ہو تو قلم اٹھائیں، ورنہ سکوت ہی کو تکلم بلیغ سمجھیں:

ڈوبا ہوا سکوت میں ہے جوشِ آرزو
اب تو یہی زبان مرے مدعا کی ہے

آخر آج کتنے ہیں جن کے دل کی دھڑکنیں، روح کی لرزشیں اور نگاہوں کی تمنائیں، نعت سرائی سے پہلے، یوں قلم کی نوک پر لو دیتی ہیں کہ:

ذکر اس نورِ مجسم ﷺ کا ہے کرنا مقصود
مالکِ لوح و قلم تو مرے لفظوں کو اجال

☆

قلم خوشبو کا ہو اور اس سے دل پر روشنی لکھوں
مجھے توفیق دے یارب کہ میں نعتِ نبی لکھوں

اب ثنائے رسول ﷺ کے بارے میں جناب کشفی کے بکھرے ہوئے خیالات کو اور جابجا دی گئی ہدایات کو ایک انشائی ترتیب کے ساتھ یکجا کرنے کی سعی کر رہا ہوں ان کی بکھری ہوئی عالمانہ اور عارفانہ تحریروں میں، بارگاہ ناز کے راز بھی ہیں اور نوائے سوز و ساز بھی، تمناؤں کے خاکے بھی ہیں اور شعر و ادب کے سلسلے بھی، الغرض:

کچھ حقائق، کچھ معارف، کچھ لطائف، کچھ نکات
اس طرح بکھرے پڑے ہیں جیسے تاروں کی برات

ان ایسا ذوقِ نگارش اور طرزِ بدیع، اس دورِ کم سواد میں نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے۔ ان کا قلم ندرتِ افکار کے جوہر دکھاتا اور دانش و حکمت کی راہوں کو سجاتا چلا جاتا ہے۔

ان کی تحریریں پڑھ کر فی الواقع روح مہکتی اور درد چھکتا ہے۔ ان کے الفاظ کا جمال اور مطالب کا جلال انسان کو پرستش کی طرف لے جاتا ہے اور یہ تاثر نتیجہ ہے کے بجائے اطاعت رسول ﷺ کے گرد گھومتی ہوئی محبت کا جناب حفیظ تائب کا یہ شعر میرے خیال کا مؤید ہے:

تعجب کیا جو میرے لفظ لو دینے لگیں
خیالوں میں ہمیشہ گنبد خضرا چمکتا ہے

حسن کہیں بھی ہو، کسی رنگ اور آہنگ میں ہو وہ تحسین کا مستحق ہے اور یہ تحسین بہرنوع حسن آفرین تک پہنچتی ہے۔ رسول پاک ﷺ کی ذات اقدس و اجمل اللہ تعالی کا عظیم ترین اور حسین ترین شاہکار ہے۔ ایک بہترین نمونہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بعد تفضیل و مبالغ کا ہر صیغہ انھی ﷺ کے لیے ہے، انھی ﷺ کی اطاعت، اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور انھی ﷺ کی محبت، اللہ تعالیٰ کی محبت ہے، وہ اٹھتے تھے تو پہاڑ سربلندی پاتے تھے، وہ بیٹھتے تھے تو ستارے، فرش بن جاتے تھے، وہ مسکراتے تھے تو چمنستان کونین کی کلیاں چٹک اُٹھتی تھیں، وہ بولتے تھے تو فضائیں عنبریں ہوجاتی تھیں، وہ پرواز کرتے تھے تو کائنات تھم جاتی تھی، وہ چلتے تھے تو خوشبو بکھر جاتی، راستے جھوم اٹھتے اور تاریخ انسانی مرتب ہوتی چلی جاتی تھی، نتیجہ معلوم کہ وہ ذات بلند و برتر بھی اس کی توصیف میں مصروف رہتی ہے۔ جس تک خود ہر تعریف پہنچتی ہے کسی جمیل و جلیل شاہکار کو دیکھ کر بے ساختہ حرف تحسین کا زبان پر آجانا اور جذبہ تحسین کا دل میں اُبھرنا، حمد ہے، جب کہ حضور محمد ﷺ اور احمد ﷺ ہیں اور مقام محمود پر فائز، اس اعتبار سے آپ ﷺ کا مقام بھی وجہ حمد و ستائش ہے اور آپ ﷺ کی ذات بھی وجہ حمد اور مستحق ستائش گویا آپ ﷺ نے اپنے خالق کی ستائش کا بھی حق ادا کر دیا اور آپ ﷺ کی ستائش بحکم خالق جاری و ساری ہے، یوں آپ ﷺ سزا وار حمد ہیں۔ لیکن اسی ذات پاک ﷺ نے ہمیں یہی پہلا سبق دیا کہ خالق کے برابر مخلوق کو کسی اعتبار سے بھی لے آنا، توہین کی وہ نوعیت ہے جسے شرک کہتے ہیں۔ اور یہی ظلم عظیم ہے۔ چناں چہ ہمیں مجبوراً اور احتراماً تعریف و توصیف کی درجہ بندی کرنا پڑی کہ حمد صرف اللہ تعالیٰ کی جو بے حد و بے حساب اور وسیع و بیکراں نوعیت کی ہوگی، نعت، صرف محمد ﷺ کی جس کی حد بندی ہے کہ کہیں یہ لامحدود ہوکر، حمد نہ بن جائے اور احد اور احمد کا فرق باقی نہ رہے۔ پھر منقبت ہر اس بابرکت وجود کے لیے جو علم و عمل، خبر و نظر اور گفتار و

رفتار کے اعتبار سے سنت رسول ﷺ کا عکس بننے کی مخلصانہ سعی کرتا ہو۔ نعت اور حمد کے باہمی تعلق کو جناب کشفی ایک مقام پر یوں واضح کرتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی معرفت تصوف اور تذکیہ نفس کا پہلا مرحلہ بھی ہے اور آخری بھی، مقام محمدی ﷺ کی طرف سفر کرنے والوں کو نفس مطمئنہ اور زبان حمد عطا کی جاتی ہے۔ حمد کی شایاں وہی ذات ہے جو حسن و تناسب کا آخری نقطہ ہو اور جس کی ذات کے ساتھ اس کی صفات بھی شاہکار جمال و توازن و تناسب ہوں۔ اللہ کی یہ صفات اس کارگر جمال و جلال میں ہر سو منعکس ہیں۔ یوں حمد کی سزاوار ذات اپنا اظہار اس سطح پر کرتی ہے کہ اس کے اختیاری محاسن کی جھلکیاں ہمیں بے ساختہ حمد کرنے پر مجبور کردیتی ہیں اور اس عمل میں ہمارا سارا وجود شامل ہوتا ہے۔ حمد کے لیے لازم ہے کہ جس ذات کی حمد کی جارہی ہو اس کی صفات اور کمالات کا پوری طرح ادراک اور علم ہو۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کا ادراک و علم حضرت رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات گرامی کے طفیل ہمیں نصیب ہوا وہ رسول جو ''احمد'' تھا اور بے حد حمد کرنے کا عمل جس کا اسم صفاتی ٹھہرا، وہ رسول ﷺ جو ''محمد'' ﷺ تھا۔ اس نے اس درجہ اپنے منبع و مصدر کی حمد کی کہ خود ''وجہ حمد و ستائش'' بن گیا۔ وہ رسول جو مقام محمود پر ابراً فائز ہے۔ یہ وہ مقام ہے کہ حزن و خوف اس کے جوار میں قدم نہیں رکھ سکتے اور یہی وہ مقام ہے جو دوسروں کے لیے باعث سکون و قرار بنتا ہے یہی وہ مقام ہے کہ جہاں پہنچ کر ذات رسالت مآب ﷺ ہمارے لیے حصار حفاظت بن گئی ہے۔☆[۱۸]

اب جناب کشفی کے دو شعر:

احمد ﷺ تھا اور خالق اکبر کا شاہکار
حامد ﷺ تھا اور حمد کو گہرائی دے گیا

☆

نغمۂ احمد ﷺ مرسل ہے مقدر اپنا
ہر صداقت ہے اسی ایک صدا میں شامل

جناب کشفی نے اپنے مختصر مگر انتہائی معتبر نعتیہ مجموعے ''نسبت'' کے حرف آغاز کے طور پر جو چند سطور لکھ دی ہیں۔ میرے خیال میں نعت کے بارے میں ان کی سوچ کا ہر زاویہ فکر کا ہر انداز اور وجود ان کا ہر رخ، ان میں سمٹ گیا ہے۔ یوں سمجھیے کہ وہ نثر میں تغزل

کے ایمائی انداز میں بہت کچھ کہہ گئے ہیں۔ ان کے خیال میں نعت، خدا کے بعد حضور ﷺ کو عزیز ترین سمجھ کر، ان ﷺ کے نقوش پا کی چاندنی سے قلب و نظر اور روز و شب کی ظلمتوں کو اجالنے کا نام ہے۔ ظاہر ہے کہ حضور ﷺ کو عزیز ترین کہہ دینا جتنا آسان ہے اتنا دشوار بھی ہے اور یہ دشواریاں نگہ ناز کے تلطف خاص ہی سے آسانیوں میں بدل سکتی ہیں۔ نعت قدمی حاضری کا نہیں بلکہ قلبی حضوری کا عکس جمیل ہے۔ اور حضوری دور رہ کر بھی قرب کے لمحے عطا کیا کرتی ہے اور غافل انسان نہ صاحب حضور ہوتے ہیں نہ صاحب سرور، وہ قریب رہ کر بھی دور ہوتے ہیں اور یاد رہے کہ سرور، حضوری ہی کا لازمی نتیجہ ہوتا ہے اور اگر ان لمحات سرور میں کائنات تھمی ہوئی سی گردش ایام رکی ہوئی سی اور دل کی دھڑکنیں، پلکوں کی نمی میں ڈھلی ہوئی سی محسوس ہوں تو یہ بے سجدہ و قیام نوعیت کی ایک ایسی ''نماز نیاز'' ہے جس پر کئی نعتیہ دیوان رشک کر سکتے ہیں۔ نعت گوئی کی توفیق سراسر عطائے محبوب ہے۔ اپنا کوئی سا فخر بھی نہیں ہے خیال کا گداز بھی، لفظوں کا حسن بھی، اظہار کا تقدس بھی، لرزتے لبوں کا سکوت بھی اور سر مژگان کانپتے ہوئے ستارے بھی، بڑے ہی نصیب کی باتیں ہیں اور بڑے ہی کرم کے فیصلے ہیں:

التفات سیّد سادات کب محدود ہے
وسعت دامن بھی دیتے ہیں عطا کرتے ہوئے

گویا نعت گوئی، اپنی جان کی قیمت پر سرور دنیا و دیں ﷺ کے جوار میں پہنچنے کا نام ہے... ہم ایسی سفر میں مصروف ہیں اور منزل بہت دور ہے۔ نعت گوئی اپنے وجود کی سچائیوں کے ساتھ ان علیہ السلام کی خدمت عالیہ میں حاضری کا نام ہے۔ شاید حضوری کا یہ لمحہ ہمیں حرف و صورت کی دنیا میں کبھی مل جائے، نعت گوئی مواجہ شریف میں قیام کے ان چند لمحوں کا نام ہے جو وقت گزراں کے تصور کو مٹا دیتے ہیں نعت گوئی اس انتظار کا نام ہے جس کا پورا مفہوم ہمیں نہیں معلوم، رحمت اور عطائے بے کراں کا انتظار، نعت دل زندہ کے ساتھ بیداری کی ساعت کا نام ہے:

نگاہے یارسول اللہ نگاہے[19]

قلب و نظر اور جسم و جاں کی ہم آہنگی کا یہی وہ قیمتی لمحہ ہے جب انسان خود کو بھول جاتا ہے اور ''کیا ہوں میں'' کی فرصت کاوش باقی نہیں رہتی۔ یوں حیات مستعار کا ہر

غم، ایک ہی غم میں ضم ہوجاتا ہے اور آسودگیِ خاطر کے لیے احوالِ شعری پیکر میں ڈھل کر شاعر کے ساتھ ساتھ قاری اور سامع کے لیے بھی نشاطِ روح کا سبب ہوجاتے ہیں۔ یوں نعت انفرادیت کے خول سے نکل کر اجتماعیت کے ایک وسیع تر دائرے میں آکر سوز و درد کی نعمت بانٹتی چلی جاتی ہے گویا... نعت فرد کا نغمہ تنہائی اور استغاثہ شخصی بھی ہے اور ایک مسلم معاشرہ میں ایک اجتماعی سرگرمی اور تقریبوں کی اساس بھی۔"[۲۰]

نعت، توصیفِ رسالت مآب ﷺ ہے، ضروری نہیں کہ یہ توصیف شعر ہی میں ہو۔ عربوں کے نزدیک تو شعر نام ہی کلام موزوں کا ہے۔ خوبصورت خیال کو دل آویز لفظوں میں ڈھلا ہوا ہونا چاہیے۔ یوں بھی ہوتا ہے کہ ایک ارفع خیال کو اجمل پیرائیہ اظہار فطری طور پر مل جاتا ہے۔ جناب انور جمال نے درست لکھا ہے کہ ''جذبے کی شدت لفظوں کو خود حسن ترتیب دے دیتی ہے۔ جذبہ فن کا پیش رو ہے، جذبے کی صداقت فن کی ارفعیت کو جنم دیتی ہے'' اور وہ یہ بات مدینہ کی بچیوں کے اس موزوں کلام سے اخذ کرتے ہیں جو ہجرت کے اختتام پر روئے رسول اکرم ﷺ کی اولین جھلک دیکھنے کی آرزو میں پڑھا جارہا تھا وہ حیران اس امر پر ہیں کہ ان معصوم بچیوں کو پہلے عروض و اوزان سکھائے گئے تھے، شعر رٹائے گئے تھے یا جذبے کی صداقت خود بخود موزونیت کی میزان میں تل گئی تھی۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ بات ہی کا حسن ہے جس کی بنا پر بعض موزوں نثری جملے سن کر شعر بھی شرما جاتے ہیں۔ بعض نثری تحریریں اس قدر سحر آفریں ہوتی ہیں کہ وہ قارئین کو ایسا شعری کیف دے جاتی ہیں کہ ذوقِ سلیم مدتوں مسحور لذت رہ سکتا ہے۔ چوہدری افضل حق کی محبوب خدا اور مولانا مناظر احسن گیلانی کی ''النبی الخاتم'' اور گئے گزرے دور میں مولانا ظفر علی خاں، آغا شورش کاشمیری اور جناب عامر عثمانی کی سیرت سے متعلق بعض تحریریں نثری نعتوں کی حیثیت رکھتی ہیں، گویا یہ جذبے ہی کی صداقت ہے جس کے سبب پیرائیہ اظہار کے یہ سبھی مناظر، احسن بن گئے ہیں، مولانا ابوالخیر کشفی نے ایک مقام پر شبلی نعمانی کے اس ایک صفحے کو جو ظہور قدسی سے متعلق ہے اور خواجہ حسن نظامی کی بعض تحریروں کو بہترین نعتیں قرار دیا ہے۔ گویا حضور ﷺ سے متعلق تحریر میں جب ''عشق خیال اور فن تینوں اجزا مل کر ایک وحدت کی صورت اختیار کرجائیں تو اسے ہم نعت ہی کے حسن سے تعبیر کریں گے۔ نعت ایک ایسی دل آویز اور دل نواز صنفِ سخن ہے جو خود خیال کو رعنائی، لفظ کو زیبائی اور انداز کو توانائی عطا کرتی ہے کیوں کہ اس کی اساس

فرضی نہیں بلکہ اس حقیقی محبت پر استوار ہے جس پر ایمان کا ایوان ایستادہ ہے اور یہی نسبت، لفظوں میں ایک کیمیاوی تغیر برپا کرتی ہے کہ محبت اپنی کیمیا آپ ہے۔" احسان دانش یہاں یاد آگئے، کہتے ہیں:

وفا کا سوز تو کندن بنا دیتا ہے انسان کو
محبت جس کو خاکستر کرے گی کیمیا ہوگا

'نعت سازی' آسان ہے کہ "باتخلص" حضرات تکوارع کی دھار پر "بے خوف و خطر" چلے جارہے ہیں، نعتیہ دیوانوں کے ڈھیر لگتے چلے جارہے ہیں کہ دورِ نعت کا ہے اس لیے نعتیں تو لکھنی چاہئیں مگر "نعت گوئی" کہیں مشکل امر ہے کہ اس میدان میں بڑے بڑے قادرالکلام عاجز نظر آتے ہیں، ماضی بعید میں بہت سے نفوسِ قدسیہ ایسے نظر آتے ہیں جو حبِ رسول ﷺ کے ساتھ ساتھ شعر گوئی کی صلاحیت سے بھی بہرہ ور تھے، مگر وہ چند ایک نعتوں سے آگے نہ جاسکے کہ کہیں کسی لفظ سے عمر بھر کی بنی بگڑ نہ جائے، آج کتنے ہیں کہ نعت کہنے کی کوشش میں جن کی جبینوں پر پسینہ چمکتا اور جن کے ہاتھوں میں قلم لرزتا ہے کون سمجھائے کہ "حسرتِ نعت" بھی ایک عظیم نعت ہوا کرتی ہے:

پہلے صلاحیت تو ہو پیدا مرے کردار میں!
نذرانہ لے کر نعت کا تب جاؤں اس دربار میں

نعت گوئی اگر شمشیر کی دھار پر سفر ہے تو حضور ﷺ سے خطاب، حرف و بیان کے اس پلِ صراط سے گزرنا ہے جس کے نتیجے میں آنے والے پلِ صراط کے سفر کی کیفیت کا تعین ہوگا۔☆۲۱

جب تک نعت گو، اطاعت و حبِ رسول ﷺ کے سلسلے میں خود سپردگی اور بیخودی کی دنیا میں نہ پہنچ جائے اس وقت تک اس کے فن میں تاثر نہیں آسکتا، مانیے کہ آج بیشتر نعتیں، نعت نمبروں میں محض شمولیت کی خاطر لکھی جارہی ہیں، بعض اوقات نعتیہ طرحی مشاعروں میں سنانے کے لیے مجبوراً نعت کہی جارہی ہے، بیشتر نعتیں، برائے بیت لکھی جا رہی ہیں، صرف دنیاوی محفلوں میں سنانے کے لیے اور دنیا ہی سے "واہ واہ" سننے کے لیے، ایسی نعت مدتوں کے بعد وجود میں آتی ہے جو انھیں سنائی جاتی ہے، جن کے لیے لکھی جاتی ہے، تب دُنیا کو سنانے کی حاجت رہتی ہے نہ آرزو بلکہ اہلِ دل، خود وہ نعت سننے کے لیے بے چین ہوا

کرتے ہیں۔ جب چاہنے والا خود کو محبوب کی چاہت میں گم کر دیتا ہے تو اس کی پکار اور فریاد کا مخاطب محبوب ہی ہوا کرتا ہے۔ نعت یقیناً حضور ﷺ ہی کے لیے لکھی جاتی ہے مگر انھیں سنائی بھی جاتی یا نہیں؟ افسوس کہ بیشتر نعتیہ مجموعے اور ان کی تقاریب رونمائی محض شوکت نفس اور اہتزاز ذات کے مظاہرے میں یاد رہے کہ ''میں'' کی دنیا ہمیشہ ''تو'' سے محروم رہا کرتی ہے، کیا یہ حقیقت نہیں کہ نعتیہ مشاعروں کی تصویر کشی ارادتاً کرائی جاتی اور چھپوائی جاتی ہے جب کہ تصویر کو حضور ﷺ کی پسندیدگی کی سند حاصل نہیں ہے کیا یہ سچ نہیں کہ 'حی علی الصلوۃ'' کے بلاوے پر لبیک صرف اس لیے نہیں کہی جاتی کہ اس سے مشاعروں کا تسلسل ٹوٹتا اور مجمع بکھرتا ہے (مستثنیات ہر مقام پر ہوتی ہیں مگر حکم ہمیشہ اکثریت پر لگا کرتا ہے) اس دور نعت گوئی میں کثرت نعت گوئی کی قباحتوں کو نقد و نظر کے کڑے پیمانوں کے ذریعے قابو میں رکھنے کی اشد ضرورت ہے۔ لازم ہے کہ... حضور ﷺ کی ذات کے مہر درخشاں کے حضور ﷺ میں نعت گو، اپنے آپ کو یوں رکھ دے کہ یہ قطرہ اپنا وجود کھو بیٹھے کہ یہی عشرت قطرہ ہے۔ اپنی ذات کو گم کیے بغیر نعت نہیں کہی جاسکتی۔ نعت کے سلسلے میں جن شعراء کے ہاں تعلی نظر آتی ہے اپنے شاعرانہ مرتبہ کا اظہار نظر آتا ہے وہ میرے نزدیک کچھ ایسا محمود وقت نہیں ہوتا، زندگی جاوید اسی ہنگام اور لمحہ سے عبارت ہے جس لمحہ شاعر اور حضور ﷺ کے درمیان عبد اور آقا کا رشتہ ہو بلکہ غلام غلامان محمد ﷺ کا حلقہ غلامی اپنی گردن میں ڈالنے کو جی چاہے۔☆[۲۲]

نعت گوئی ارادت و محبت ہی کا نہیں، شکر و سپاس کا بھی ایک شعری اظہار ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ اور ان کی تعلیمات کی شکل میں ہمیں دنیاوی اور اخروی زندگی کی سرخروئی کے سلیقے اور قرینے عطا فرمائے۔ اگر نبی اکرم ﷺ کی بعثت نہ ہوتی تو ہمارے جسم و جاں کا ہر لمحہ دھواں دھواں ہوتا۔ کیوں کہ وہی ایک مخمل، تجلی کی روشن سحر ہے اور وہیں سے نور و حضور کی کرنیں پھوٹتی ہیں، اس طرح نعت گوئی درود و سلام کی ایک نغماتی شکل بھی ہے اور ''نماز نیاز'' کی ایک دل آویز صورت بھی۔ صوری طور پر نعت ایک شعری سانچا ہے مگر معنوی اعتبار سے عبادت کا ہم آہنگ لیے ہوئے ہے۔ اس کے لیے سچے ادراک اور گہرے عرفان کی ضرورت ہے۔ جناب محسن احسان کے الفاظ میں ''نعت میں نہ عبارت آرائی کام آتی ہے نہ مضمون آفرینی اور نہ ہی نری عقیدت اور تنہا وفور محبت، اس صنف میں کامیابی کی اوّلین شرط یہ ہے کہ محمد ﷺ کی ذات و صفات کا صحیح عرفان حاصل ہو۔ اس کی عظمت و رفعت کا گہرا

نقش لوح دل پر ثبت ہو اور جو کچھ وہ کہے وہ کسی لمحے کی ترنگ یا خیال کی امنگ میں نہ کہے بلکہ اپنے تمام تر فکری سرمائے اور قلبی جذبات کے رنگ میں ڈوب کر، اعتراف عظمت اور شکرانہ نعمت کے طور پر علم و عمل کی گواہی کے ساتھ کہے'' گویا... رسول پاک مومنوں پر اللہ کا سب سے بڑا احسان ہیں۔ اس کے سوا کسی اور احسان کا قرآن حکیم میں تذکرہ نہیں ملتا۔ یوں نعت گوئی میں دراصل بندگی کا پہلو بھی ہے اور اظہار بھی۔ مومن اللہ کا شکر ادا کرتا ہے کہ اس نے نبی کریم کی صورت میں ہمیں سلیقہ زیست اور زندگی گزارنے کا سہارا عطا کردیا۔☆[۲۳]

نعت گوئی کی صلاحیت، اللہ تعالیٰ کی عطا اور گنبد خضریٰ کی رضا پر منحصر ہے اور حق یہ ہے کہ یہ عطا اور یہ رضا فیض اور فیضان کے بیکراں سلسلے میں فیض میں لباب ہو کر بہہ نکلنے کا مفہوم پایا جاتا ہے اور فیض مستحق تک بخوبی پہنچ جائے تو اسے ''فیضان'' کہتے ہیں جب کہ فیاضی سے مراد یہ ہے کہ دینے والا اتنا دے دے کہ دامن کی کوتاہی کا احساس شدید تر ہوجائے، گویا لطف جمال کے فتہائے کمال پر پہنچ کر نوازنے کا دوسرا نام فیض اور فیضان ہے۔ حب رسول اور توصیف رسول اسی توفیق و نوازش کا دل آویز ثمر ہیں:

شعر و ادب بھی، آہ و فغاں بھی ہے ان کا فیض
پیش حضور، انھی متاع ہنر کریں

اگر قدح خوار کم ظرف ہے تو جام اس تک آیا ہی نہیں کرتا اور ساقی کا تلطف جسے نوازتا ہے وہ فی الواقع خاصان بارگاہ میں سے ہوتا ہے:

دہد حق عشق احمد بندگان چیدہ خود را
بہ خاصان می دہد شہ، بادہ نوشیدہ خود را

نعت گوئی، فن شعر کی معراج ہے ذوق شعر کو درست سمت کا مل جانا اور فکری صلاحیت کو صالحیت کا نصیب ہوجانا، خوبی قسمت کی بات ہے اور جس دربار سے لطف و کرم کے یہ فیصلے ہوتے ہیں۔ اس کے بارے میں ''غلط بخشی'' کا تصور بھی آدمی کو ایمان سے محروم کردیتا ہے۔

ہم نے اللہ تعالیٰ کو حضور کی وساطت سے جانا، مانا اور پہچانا، ہم نے نہ طور پر تجلیوں کی بارش دیکھی، نہ نخل طور کو دمکتا پایا اور نہ کوہ سینا کو جھکتے اور گرتے دیکھا۔ بس ایک

زبان صدق اظہار نے اس سب سے بڑی صداقت کا پتہ دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ ان ﷺ کے حوالے کے بغیر انؐ کے رب کی حمد، ایک بے روح لفظ ہی کی حیثیت رکھتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے حوالے بغیر نعت، جناب کشفی کے نزدیک ''سیکولر نوعیت کی نعت'' ہے وہ ایک مقام پر اس اجمال کی تفصیل یوں بیان کرتے ہیں... ہمارے عہد میں رسمی نعتوں کے علاوہ سیکولر نعتوں کا بھی فیشن ہے۔ اللہ تعالیٰ سے منہ موڑ کر رسول کریم ﷺ کی عظمتوں کی ''دریافت'' اور تذکرہ یہ ویسی ہی کوشش ہے جیسے مصوتہ VOWFI کے بغیر گفتگو کرنے کی کوشش، ایسے نعت گو، رسول پاک ﷺ کا ذکر بھی اسی طرح کرتے ہیں جیسے دوسرے رہنماؤں اور مصلحوں کا ذکر، یہ اس پیمانے اور اسکیل سے بے خبر ہیں جس سے ہم رسول پاک ﷺ کی عظمت کا کسی قدر اندازہ کرسکتے ہیں کوئی بھی رسول ﷺ بالعموم اور نبی کریم علی الصلوۃ والسلام بالخصوص رب کائنات کا سب سے بڑا شاہکار ہیں۔ یہ نظام شمسی، یہ کائنات کی پہنائیاں، یہ فضاؤں کی بے کرانیاں، یہ سب ہمارے رسول ﷺ کی عظمت ذات کے ایک گوشے میں سمٹ کر گم ہوجاتی ہیں۔ یہ وہ ذات ہے جو ہمارے لیے خالق نما بن جاتی ہے اور حمد میں نعت بھی سمٹ آتی ہے۔ سلسلہ تخلیق کو تو دور بینوں اور سائنسی تجربوں سے سمجھا جاسکتا ہے۔ مگر خالق تک رسول ﷺ کے بغیر رسائی ممکن نہیں۔ حالاں کہ یہ خالق اپنی ہر تخلیق کے آئینے میں موجود ہے۔ حمد ان جذبات ستائش کا نام ہے جو کسی ایسے حسن اور تناسب کے ناپنے کا حوالہ بن سکے۔ ہم خدا کی ذات کا نظارہ تو نہیں کرسکتے کیوں کہ کوئی آنکھ اس حسن کو نہیں دیکھ سکتی مگر یہ ذات ہر حسن کا حوالہ بن جاتی ہے اور ایسا سب سے بڑا حوالہ محمد عربی ﷺ ہیں۔ یہی وہ تصویر ہے جو ہمیں اس کے مصور کے بارے میں سب سے زیادہ علم عطا کرتی ہے حالاں کہ وہی مصور کائنات کے کینوس پر بے شمار رنگوں کی صورت میں موجود ہے مگر اس کی صفات کے رنگ جتنے اور جس حد تک سرکار ختمی مرتبت ﷺ میں موجود ہیں کہیں اور میں نظر نہیں آتے۔ پھر حمد کے لیے یہ شرط بھی ہے کہ 'حسن' کی جو تعریف بیان کی جائے وہ تخمینی اور ظنی نہ ہو، بلکہ ہمیں اس کی صحت پر اعتماد اور یقین ہو، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تعریف ہم ایمان، یقین، اپنے وجدان اور بصیرت کی استوار بنیادوں پر کرتے ہیں، ہمیں جس طرح اللہ کے خالق کائنات ہونے پر یقین ہے اسی طرح اس بات پر بھی ہے کہ ہمارے اور اللہ کے درمیان سب سے مضبوط وسیلہ اور رشتہ ذات محمد عربی ﷺ ہے اور ان کی صفات میں کمال بھی ہے اور جامعیت بھی۔ وہ ذات حمد کے

دائرے کے اندر آجاتی ہے جو حامد بھی ہے احمد بھی اور مقام محمود پر فائز بھی۔ سیکولر نعتوں سے یاد آیا کہ گزشتہ دنوں ایک ایسا نعت نمبر بھی نظر سے گزرا جس میں نعت گو حضرات کی ۱۵۰ کے لگ بھگ ایسی تصاویر ہیں جن کے چہروں سے واضح نظر آرہا ہے کہ انھیں مدوح عظیم و جلیل کے چہرہ مبارک سے کوئی سی نسبت بھی نہیں ہے اور ۱۳ بے پردہ خواتین و مستورات کی تصاویر بھی ہیں، تصویر کو کسی نوع سے بھی خوشنودی رسول ﷺ کی سند حاصل نہیں ہے۔ بے پردگی کے بارے میں احکامات واضح ہیں، تاریخی حقیقت ہے کہ ایک جنگ میں طے قبیلے کی ایک لڑکی اسیر ہو کر آئی تھی، وہ بے پردہ تھی، اس غیر مسلم بیٹی کو بے پردہ دیکھ کر حضور ﷺ نے اپنی وہ مبارک ردا جس کا ایک ایک تار ہزاروں رحمتوں اور برکتوں کا خزینہ تھا اس بے پردہ بیٹی کے چہرے پر تان دی تھی۔ علامہ اقبالؒ نے یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد یہ خوب صورت شعر لکھا تھا:

ما ازاں خاتون طے عریاں تریم
پیش اقوام جہاں بے چادر یم

غور فرمایئے کہ ''نعت کے اس دور میں'' نعت نمبر کیا ہے کیا رخ اختیار کر رہے ہیں؟ واضح رہے کہ جسے حضور ﷺ کے حسین چہرے سے محبت ہوگی وہ اپنے چہرے کو بھی اسی انداز سے آراستہ کرنے کی سعی کرے گا۔ سنت رسول ﷺ کا آئینہ سامنے رکھ کر، ہر صبح ذبح کرنا اور خود کو خوبصورت سمجھنا، کسی نوع کی توصیف رسول ﷺ ہے۔ اس ضمن میں نہ کوئی عذر ہے نہ کوئی دلیل، سوائے احساس ندامت اور اعتراف محرومی کے، اسلامی صورت بنا لینے سے عین ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ دل کی دنیا بھی اجال دیں۔ کہتے ہیں کہ چہرہ، دل کا آئینہ ہوتا ہے۔ مولانا مودودیؒ کے الفاظ میں ''حضور ﷺ ہم سے محض خراج عقیدت نہیں، بلکہ خراج اطاعت لینے کے لیے تشریف لائے تھے'' اطاعت ہی عقیدت ہے یہ ان جملہ ہائے معترضہ کے لیے معذرت خواہ ہوں مگر کیا کیا جائے کہ ''عصری حقائق کی چھوٹ تو افکار و تحریر پر پڑا ہی کرتی ہے۔''

جناب کشفی کے نزدیک مقام عبدیت اور مقام رسالت مآب ﷺ سے عدم آگہی کا نتیجہ ہے کہ اکثر نعتوں میں مجازی محبوب کے کوچے کی طرح مدینہ منورہ کے پرنور گلی کوچوں کا ذکر کیا جاتا ہے لازم ہے کہ مدینہ منورہ کے وہ فضائل پیش نظر رہیں جنھیں خود حضور ﷺ نے

بیان فرمایا ہے۔ نعت گو حضرات مدینہ اور جنت کا تقابل بھی اس انداز سے کرتے ہیں جس سے جنت کی تحقیر کا پہلو نکلتا ہے اور ''جنت کا یہ استخفاف قرآن ناشناسی کا نتیجہ اور سستی جذباتیت ہے''

چوں کہ جناب کشفی حسن اتفاق سے خود نعت گو بھی ہیں اس لیے مبصر اور تذکرہ نگار کو ایک نظریہ بھی دیکھنا ہوگا کہ وہ خود اپنی نعتوں میں، مدینہ طیبہ کا ذکر کس پیرائے میں کرتے ہیں، آپ بھی ملاحظہ کیجیے:

درکار نہیں مجھ کو کوئی سایہ دیوار
طیبہ کی ہوا غم کے ازالے کے لیے ہے

☆

طیبہ کا سفر مرحلۂ خوف و رجا ہے
ہونٹوں پہ تبسم ہے مگر آنکھ تو نم ہے

☆

ہے کشادِ درِ دل سیّد والا ﷺ کی عطا
درد و احساس مدینے کی ہوا میں شامل
ماہ دو ہفتہ کئی رنگ لیے آیا ہے
رنگ فردوس مدینے کی ضیا میں شامل

☆

جادہ عشق محمد ﷺ کا تسلسل دیکھو
نہیں اس راہ میں یارو کوئی منزل، کوئی سنگ
آسماں گنبد خضریٰ سے فرو تر نکلا
یہ حقیقت ہے نہیں کوئی نظر کا نیرنگ

☆

ہم مدینے کی زمین میں اس طرح مدفون ہوں
خاک پائے مصطفیٰ ﷺ بس یہ صلہ ہم کو ملے

☆

وجود حضرت انساں کے ارتقا کے لیے
ہوا مدینے میں اک تازہ آسماں پیدا

☆

روشن ہے مرے خواب کی دنیا مرے آگے
تعبیر بنا گنبد خضریٰ مرے آگے
افلاک کو جھکتے ہوئے دیکھا ہے نظر نے
ہے خواب کہ شاہ ﷺ مدینہ مرے آگے

☆

ہے ماہ دو ہفتہ ترے کاشانے کی قندیل
ہے خاک بسر اوج ثریا ترے آگے
تھا درد کے دریا میں تلاطم ترے پیچھے
سمٹا ہے مرے درد کا دریا ترے آگے

☆

مدینہ شہر نہیں ہے مری تمنا ہے
مدینہ ایک اشارہ ہے روشنی کی طرف
مدینہ ایک کنایہ ہے زندگی کے لیے
مدینہ صوت و صدا کے بغیر حسن کلام
مدینہ حسن سماعت کو اک پیام بھی ہے
مدینہ خستہ دلوں کے لیے سلام بھی ہے
مدینہ خستہ دلوں کے لیے سلام بھی ہے
مدینہ دولت بیدار آدمی کے لیے
مدینہ تابش و انوار، زندگی کے لیے
مدینہ ہوش کا پیغام بے خودی کے لیے
مدینہ راہ تمنا پہ نقش آخر ہے
مدینہ فرش کی عظمت کا استعارہ ہے

مدینہ صاحب کوثر کا مستقر ٹھہرا
مدینہ مطلعِ امکان آدمی ٹھہرا
آسماں خاک مدینہ کی سلامی کے لیے
مہ و خورشید کی کرنوں کو لیے آتا ہے
آسماں حد نظر، حد نظر

☆

میں ریاضِ نبی ﷺ میں بیٹھا ہوں
نقشِ جنت نما ہے آنکھوں میں
میرے چہرے پہ عکس ہے ان ﷺ کا
انؐ کا چہرہ چھپا ہے آنکھوں میں
یہ میں عثمان دیکھ لو ان کو
کیسا رنگِ حیا ہے آنکھوں میں
چشمِ کیفی میں گنبدِ خضریٰ
"دولتِ بے بہا ہے آنکھوں میں"
ان کے روضے کی جالیاں دل میں
ایسا نقشہ کھچا ہے آنکھوں میں
ان کی امت کا فرد ہے کشفی
ایک اذنِ عطا ہے آنکھوں میں

(مدینۃ النبی ﷺ دیباچہ، نشاط ابد اس کی ہر گلی)

علمی آگہی کے فقدان کا نتیجہ یہ بھی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے معنی آفریں اسمائے مبارک کا ذکر بھی محض لفظی اور سطحی انداز سے کیا جا رہا ہے اور بعض اوقات شعری اوزان کی مجبوریوں کے تحت، یہ بھی یاد رہے کہ آخری اور کامل ترین پیغمبر ﷺ کا گزشتہ انبیاء سے صفاتی تقابل، خود نبی کریم ﷺ کا استخفاف ہے اللہ تعالیٰ کی حقیقی رفعتوں اور حضور ﷺ کی حقیقی عظمتوں سے شناسا نہ ہونے کا نتیجہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بجائے حضور ﷺ ہی کو روز جزا کا مالک و

آقا قرار دیا جا رہا ہے اور دلیل یہ ہے کہ مالک کا حبیب، مالک ہی ہوا کرتا ہے حضرت جبریل علیہ السلام کی تحقیر بھی اکثر نعتوں میں نظر آتی ہے... ان امور سے بچنا ہی تلوار کی دھار پر چلنا ہے۔ حد سے تجاوز ہی عقیدت کو بدعت اور توصیف کو تنقیص بنا دیتا ہے۔ اگر ایک نعت گو، واقعیت کی انگلی تھام کر نہیں چلے گا، اور شاعری کی رو میں بہہ کر مبالغے کو عقیدت سمجھتا رہے گا تو اس کی حیثیت قرآن پاک میں مذکورہ شعراء کی سی ہوگی جو خود بھی گمراہ ہیں اور جن کے متبعین بھی گم کردہ منزل، آج کے نعت گو حضرات کو ان شاعروں کے طرز فکر کو سامنے رکھنا چاہیے، جن کو قرآن پاک نے بنظر تحسین دیکھا ہے۔

نشتریت اور ایمانیت شعر کی خصوصیات میں لہجے کی کاٹ اور انداز کی شگفتگی کے دل میں ترازو ہونے کا دوسرا نام "تغزل" ہے۔ جو نثر میں بھی ہوسکتا ہے۔ فنی اعتبار سے نعت میں "تغزل" لازم ہے۔ جبکہ معنوی لحاظ سے سوز دروں کی آنچ ضروری ہے۔ یہ سوز دروں سنت رسول ﷺ کی پیروی اور مقام رسالت مآب ﷺ کی علمی آگہی سے عبارت ہے اسی اطاعت اور اسی آگہی سے علم ونظر کی دنیا جگمگا سکتی ہے اور یہی اُجالا جب قلم کی نوک پر لو دیتا ہے تو حرف حرف روشنی برساتا نظر آتا ہے... آپ ﷺ کے مقام کو قرآن عظیم اور احادیث نبوی ﷺ کے مطالعے سے سمجھا جاسکتا ہے اس کے بغیر افراط وتفریط کا وہی عالم رہے گا جو آج ہے۔[☆۲۱]

جناب کشفی لکھتے لکھتے نعت کے بارے میں بعض ایسے خوبصورت جملے اور بلیغ تراکیب لکھ گئے ہیں جو بظاہر بے ساختہ ہیں مگر اپنے اندر مفہوم ومطالب کی ایک دنیا لیے ہوئے ہیں، ایک نظر دیکھنے سے قبل اقبال ساجد کا یہ شعر بھی گنگنا لیجیے کہ:

ترے عکسوں پہ گویا آج بھی ہے دسترس میری
یہ جب شیشے میں آتے ہیں مری تحریر بنتے ہیں

☆۔ نعت، نغمہ نور ہے۔

☆۔ نعت، روح کا ترانہ ہے۔

☆۔ یہ روحانی تغزل ہے۔

☆۔ ایک ایسی جنبش لب ہے جس میں روح لفظوں میں ڈھل جاتی ہے اسی نسبت سے لفظ معتبر ہوجاتے ہیں۔

☆۔ شعر میں جذبے کی بیکرانی اور اس مرکز صدق وصفا سے شاعر کا تعلق ہی اس کی جہت

متعین کرتا ہے۔

☆۔ نعت میں الفاظ ''خود بخود'' خوشبو اور روشنی کے قالب میں ڈھل جاتے ہیں۔

☆۔ نعت، شعر عقیدت ہے کہ عقیدت کا ہر موضوع اور سلیقوں کا تقاضہ کرتا ہے، جو ذہن، فن اور زبان پر انسانی دسترس کی آخری حدوں پر نظر آتے ہیں۔

☆۔ نعت ایک سیارہ اور شرار معنوی ہے

☆۔ ضروری ہے کہ غزل کی شوریدہ بیانی، نعت میں آداب عبادت کے قالب میں ڈھل جائے۔

☆۔ نعت ایک مستقل صنف سخن ہے، ہیئت کی بنیاد پر نہیں، موضوع کی بنیاد پر

☆۔ لفظ جذبے کے بغیر شعر نہیں بنتا، ہم وزن ہم جنس اور ہم قافیہ لفظوں کے جوڑنے کو شاعری نہیں کہتے۔

☆۔ اب نعتوں میں یہ طرز عام نظر آتی ہے مگر ایسی نعتوں میں اس جذبہ کی جھلک نہیں ملتی جو حضوری اور محبت کی نشان دہی کرے۔

☆۔ نعت ایک تجلی مسلسل ہے۔

☆۔ لفظ، حضورﷺ کی خاک پا سے مس ہوکر آئینہ صفت اور قیمت میں روکش لعل و جواہر ہوجاتے ہیں۔

☆۔ نعت کو تو سرور کائناتﷺ اور شاعر کے رشتہ کی دستاویز ہونا چاہیے۔

ڈاکٹر سیّد محمد ابوالخیر کشفی اپنے ایک مضمون ''غزل میں نعت کی جلوہ گری'' (نعت رنگ ۹) میں لکھتے ہیں ''نعت پر اپنے مضامین میں میں نے اکثر یہ نکتہ پیش کیا ہے کہ جب بھی شاعر محدود سے لامحدود کی طرف سفر کرتا ہے تو وہ حمد و نعت کی دنیا میں پہنچ جاتا ہے۔ اکثر تو شاعر کو خود بھی اس سفر کی خبر نہیں ہوتی، ایک بار حضرت احسان دانش نے اپنا یہ شعر سنایا:

ہوائیں ماری ماری پھر رہی ہیں
ترا نقش کف پا ڈھونڈنے کو

شعر سن کر میں نے بے ساختہ کہا کہ ''نعت کا کیسا اچھا شعر ہے'' مرحوم نے فرمایا ''میں نے تو یہ شعر نعت میں نہیں کہا ہے'' میں نے عرض کیا کہ ''تخلیق ایک بے حد پیچیدہ اور

طلسماتی عمل ہے ضروری نہیں کہ فنکار کو تخلیق کے ہنگام اپنے عمل کے تمام محرکات وعوامل کا علم اور شعور ہو۔ تخلیق میں تو ہمارا پورا وجود شامل ہوتا ہے۔ شعور بھی، لاشعور بھی، یہی نہیں بلکہ ہمارا معاشرتی اور اجتماعی شعور بھی اس عمل میں شامل ہوتا ہے۔ پھر بات کا رخ کسی اور طرف مڑ گیا۔ خاصی دیر کے بعد احسان دانش مرحوم چونکے میری طرف مڑے اور کہنے لگے ''تم نے ٹھیک ہی کہا تھا۔''

☆☆

''اچھی غزل ایک اکائی اور وحدت ہوتی ہے آپ غالب کی کسی غزل کو لے لیجیے اور بات صرف غالب تک محدود نہیں ہے کسی بھی بڑے یا اچھے شاعر کی غزل کو لے لیجیے اور اس کے اشعار کی ترتیب بدل دیجیے یقیناً غزل کی وحدت متاثر ہوگی اور یہ اکائی ٹوٹ جائے گی یہ مجروح ہوگی۔ پھر غزل کی اس گہرائی اور گرفت کو کیا نام دیا جائے کہ اس کا ہر شعر ایک اکائی اور وحدت ہے۔ غزل کے ایک شعر میں بڑے تجربے یوں سمٹ جاتے ہیں جس طرح آسمان، آنکھ کی پتلی میں سما جاتا ہے۔''

☆☆

''ہم غزل کے ان اشعار کو بھی آپ کی خدمت میں پیش کریں گے جن کا موضوع ہمارے خیال میں حضرت رسالت مآب ﷺ کی مدح و ثنا ہے۔ خواہ شاعر کو شعر کہتے وقت یہ خیال بھی نہ آیا ہو ہم عرض کر چکے ہیں کہ تخلیق شعر ایک بے حد پیچیدہ اور طلسماتی عمل ہے۔''

☆☆

''فیض صاحب کی زندگی اور ان کی شاعرانہ نعت میں مذہب کے گہرے اثرات دیکھے جاسکتے ہیں۔ ان کے جیل کے ساتھیوں کی شہادت موجود ہے کہ وہ ایام اسیری میں درس قرآن حکیم دیتے تھے پھر یہ روایت کہ وہ اپنی وفات سے پہلے اپنے آبائی وطن گئے اور وہاں نماز کی امامت کی۔ ان کی شاعرانہ نعت اور امیجری میں بھی مذہب اور اس کی روایات بہت نمایاں ہیں۔ ''شورش زنجیر بسم اللہ'' ''آیئے ہاتھ اٹھائیں ہم بھی'' ترا حسن، دوست عیسیٰ تری یاد روئے مریم'' ایسے شاعر کے کلام میں مجھے کوئی نعت نظر نہ آئی اور پھر ہوا یوں کہ ٹیلی ویژن کے ایک مذاکرے میں میں نے کہا کہ اردو کے ہر بڑے شاعر کے کلام میں ہمیں نعت نظر آتی ہے۔ شعرا اپنے دیوان یا کلمات کا آغاز حمد و نعت کے اشعار سے کرتے تھے۔ آج بھی یہ

دستور قائم ہے لیکن عہد حاضر کے ایک بڑے اور اہم شاعر کے کلام میں ہمیں نعت کا جلوہ نظر نہیں آتا۔ شاید یہ بات اس سے زیادہ واضح الفاظ میں اس طرح کہی گئی تھی کہ سننے والوں کا ذہن فیض صاحب کی طرف منتقل ہوگیا۔ اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد بہن ہاجرہ سرور نے اپنے گھر آنے کی دعوت دی۔ میں وقت پر پہنچ گیا فیض صاحب پہلے سے موجود تھے۔ دوسرے مہمان ابھی نہیں آئے تھے۔ میں نے فیض صاحب کو سلام کیا۔ انھوں نے بے دلی سے جواب دیا یہ وہ فیض صاحب نہیں تھے جن سے میں واقف تھا کمرے میں ایک خاموشی طاری تھی۔ ذہن میں آیا کہ فیض صاحب ناراض ہیں دل کا چور زبان پر آگیا۔ میں نے کہا "فیض صاحب کیا بات ہے آپ کچھ ناراض سے معلوم ہوتے ہیں" فیض صاحب نے سگریٹ کا ایک کش لیا اور پھر اپنے مخصوص دھیمے لہجے میں کہنے لگے کہ جس ذات گرامی کے حوالے سے آپ نے ٹیلی ویژن پر اپنے غصے یا دوسروں کی کوتاہی کا جس طرح اظہار کیا تھا، اس انداز کا اس ذات سے کوئی علاقہ نہ تھا۔ کسی گنہ گار یا خطا کار کے کانوں میں جو بات کہنی چاہیے اس کو دُنیا میں یوں پھیلانے کا خلق عظیم محمدیﷺ سے کیا تعلق ہے اور آپ تو ادب کے استاد ہیں کیا آپ اپنے طالب علموں کو اس بت ہزار شیوہ سے متعارف نہیں کراتے جسے غزل کہتے ہیں۔ اگر آپ نے ہمدردی اور دل بیدار کے ساتھ میری غزلوں کا مطالعہ کیا ہوتا تو نعت کے اشعار مل جاتے اور اس مختصر گفتگو کے بعد فیض صاحب نے اپنا یہ شعر پڑھا:

شمع نظر، خیال کے انجم، جگر کے داغ
جتنے چراغ ہیں تری محفل سے آئے ہیں

اور شاید یہ فیض صاحب ہی کا فیضان نظر ہے کہ غزل کی ماہیت کا یہ پہلو مجھ پر روشن تر ہوگیا۔"

☆☆

"فیض صاحب کے نعتیہ شعر "ہر راہ پہنچتی ہے تری چاہ کے در تک" کے سلسلے میں ہم نے عرض کیا تھا کہ "لفظوں کو ایسی لسانی فضا عطا کی گئی ہے کہ وہ حدود اور تنگیوں کو توڑ کر وسعتوں کی طرف پرواز کرتے نظر آتے ہیں۔"

☆☆

فیض صاحب کے دو شعروں پر تو گفتگو آپ کے سامنے آچکی ہے اب چند اور شعر

ملاحظہ کیجیے:

رنگ و خوشبو کے حسن و خوبی کے
تم سے تھے جتنے استعارے تھے

☆

یہ جفائے غم کا چارہ وہ نجات دل کا عالم
ترا حسن دست عیسیٰ، تری یاد روئے مریم

☆

کبھی یہیں مرے دِل کافر نے بندگی
رب کریم ہے تو تری رہ گزر میں ہے

ارمان اکبر آبادی کے مجموعہ نعت سرودِ سدرہ کا پیش لفظ کشفی صاحب نے ''نسبت ارمان'' کے عنوان سے تحریر فرمایا ہے۔ اس میں لکھتے ہیں۔

''غزل کی اشارت اور ایمائیت تو ہر اس شعر کو نعت کے حدود میں شامل کر دیتی ہے جو محدود سے سفر کرتے ہوئے لامحدود کو چھو لیتا ہے خواہ اس کا موضوع کچھ بھی ہو۔ میں یہ نکتہ اس سے پہلے بھی دوسری تحریروں میں بیان کر چکا ہوں۔ مثال کے طور پر غالب کا یہ شعر لیجیے:

زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بو سے مری زباں کے لیے

آج اس شعر کو سن کر ہمارا ذہن صرف نبی ﷺ کی طرف منتقل ہوتا ہے تجمل حسین خاں کی طرف نہیں کیوں کہ یہ لباس شعر ان کی قامت سے کوئی نسبت نہیں رکھتا''

☆☆

جناب کشفی غزل کے تیور شناس ہیں اور جسے اس ہزار شیوہ نازنین کی نگاہ نے اپنا آشنائے راز بنالیا ہو وہ اپنی ''خوبیِ قسمت'' پر بجاطور پر ناز کرسکتا ہے۔ حضرت ثاقب کانپوریؒ بروقت یاد آگئے۔ وہ منزل ہی سے یوں مخاطب ہیں:

تیری ان رعنائیوں کا اے جمال پردہ دار
ایک ثاقب ہے جو کچھ کچھ محرم اسرار ہے

اس سلسلے میں احقر کو اپنی علمی لاعلمی اور ادبی بے مائیگی کا کماحقہ اعتراف ہے، مگر میں جناب کشفی کے درج بالا اقتباسات کو پڑھتا بھی رہا اور سوچتا بھی اس دوران میں غزل کے کئی شعر حاشیہ خیال پر ستاروں کی طرح ابھرتے رہے اور مطالبہ کرتے رہے کہ ہمارا کیا قصور ہے، ہمیں بھی نعت میں شامل کر لیجیے گا کہ ہم بھی لامحدود کو چھو رہے ہیں، غزلیات، قصائد اور مناقب میں بے شمار ایسے اشعار مل سکتے ہیں جو موضوع اور ممدوح دونوں سے کہیں رفیع و عظیم ہیں۔ بلکہ بعض تو لامحدود سے آگے جا کر، حمد بھی قرار دیے جاسکتے ہیں یوں عام تعریف و توصیف کا ہر مبالغہ آمیز شعر، نعت بن سکتا ہے، میرے ذہن میں یہ بات بھی آتی رہی کہ نعت وہی ہے جسے تصور کی وحدت، خیال کے تقدس اور قلم کی پاکیزگی کے ساتھ کہا یا لکھا گیا ہو، جسے خود شاعر نے نعت کا نام دیا ہو (یہ الگ بات کہ نعتوں میں بہت سے شعر ایسے ہیں جو فکر و خیال اور اسلوب و ادا کی رفعتوں سے یکسر محروم ہیں اور اگر ان اشعار کو نعت کے عنوان سے الگ کر دیا جائے تو وہ محض غزل کے چند شعر دکھائی دیتے ہیں)۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ غزل ایک ہمہ جہت اور جاندار صنف سخن ہے۔ اس کی خوبی ہے کہ وہ جذبات کی سہیلی اور واردات کی ہمجولی ہے۔ وہ ایک ایسی حقیقت ہے جو حسن میں بستی ہے وہ انسانی فطرت کی خلقی افتاد کا ابدی اظہار ہے۔ یہ کہنا بھی سچ ہے کہ غزل تخیل کی وہ معراج ہے جو دیوانگی میں قیس و فرہاد اور فرزانگی میں میر و غالب کو عطا ہوتی ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ غزل کے اشعار، ذوق اور ظرف کے مطابق ہر قلمکار کا ساتھ دیتے ہیں۔ ایک ناقد یا مضمون نگار نعت کے موضوع پر لکھتے لکھتے غزل کے کسی شعر کو محض تفہیم مطالب کے لیے سپرد قلم کر دے تو موضوع کی چاندنی میں وہ شعر جگمگا تو جائے گا مگر نعت کا شعر قرار نہیں دیا جائے گا۔ کتنے ہی غزل کے شعر ہیں جو ہم نعتیہ موضوعات پر لکھتے ہوئے استعمال کر جاتے ہیں اور لامحدود فضا میں پہنچے ہوئے کتنے ہی شعر ہیں جو دیار خدا و رسول ﷺ میں دل کو کیف اور روح کو سرخوشی کی ایک دنیا عطا کرتے ہیں۔ وہ ترجمان دل بے قرار تو یقیناً ہیں۔ مگر انھیں نعت کا شعر نہیں کہا جاسکتا۔ ایک طرف تو ہماری یہ آرزو ہے کہ نعت کو غزل کے مجازی رنگ ڈھنگ سے ہر قیمت پر بچایا جائے اور دوسری جانب یہ اصرار کہ ''تجمل حسین خاں'' نامی کسی دنیاوی شخصیت کی شان میں لکھے گئے ایک توصیفی شعر کو محض اس لیے نعت کا شعر سمجھ لیا جائے کہ دوسرے مصرعے میں نطق، زبان کے بوسے لے رہا ہے اگر یہی خیال دامن دل کھینچ رہا ہے تو کیوں نہ اسی خیال

کے حامل، غالب ہی کے درج ذیل شعر کو اپنا لیا جائے کہ وہ کلیتاً نعت کا ہے:

تا نام مے وساقی کوثرؐ بہ زباں رفت
صدرہ لبم از مہر ببوسید زباں را

گو یہ خیال خاقانی سے مستعار ہے اور خاقانی کا متعلق شعر، آسی کی شرحِ کلامِ غالب میں، غالباً موجود ہے اور ''نطق'' کے مقابلے میں ''لب'' کا لفظ کہیں واضح اور معنی آفرین ہے جبکہ لفظ ''مے'' بھی قابلِ غور ہے... کہاں ''الفقر فخری'' کی عظمت و صولت اور کہاں فرخ آباد کا نواب کہ بنا ہے عیش تجمل حسین خاں کے لیے:

ہشدار کہ نتواں بیک آہنگ سرودن
نعت شہ کونینؐ و مدیح کے وجم را

اگر محدود سے لامحدود فضا میں داخل ہونے والے مبالغہ آمیز اشعار کو ہمارا ذوق، نعتیہ قرار دینا شروع کر دے گا تو بہت سے شاعروں کو اپنی عاقبت کی خاطر کہنا پڑے گا کہ ''ہم نے اسے نعت کے لیے نہیں کہا، یہ محض آپ کے تصور کی رعنائی اور یکتائی ہے کہ خاک سے افلاک کی طرف پرواز کرنے والا ہر شعر، آپ کو گنبدِ خضریٰ کا طواف کرتا دکھائی دیتا ہے۔'' احقر کے خیال میں نعت کا وہ شعر جو محدود سے لامحدود کی جانب مصروفِ سفر نہیں، وہ نعت سے منسوب ہوتے ہوئے بھی نعت کا شعر نہیں ہے جبکہ غزل اور قصیدے کا وہ شعر جو عام نوعیت کی بڑی خصوصیات سے بالاتر اور پاکیزہ تر ہے، جو عقیدت آمیز مبالغے کی بنا پر لامحدود کی جانب مائلِ پرواز ہے۔ وہ بالیقین نعت کا شعر نہیں ہے، مگر اس پر نعت کا گماں سا گزرتا ہے اور حسرت ہوتی ہے کہ کاش شاعر اسے نعت کا بنا جاتا تو یہ شعر اس کے لیے توشۂ آخرت بن جاتا۔ دیکھنا پڑے گا کہ لکھنے والے نے کس ماحول میں کس قلم سے کس زبان سے اور کس کے لیے اپنے خیال کو مبالغہ آفرینی سے حسن و تاثر دینے کی سعی کی ہے۔ اس مبالغہ آفرینی کو حضورؐ پر کیسے منطبق کریں گے جن کی توصیف کے لیے شرائط و حدود ہیں، زبان و قلم کو سوبار عطر و گلاب سے وضو کرانا پڑتا ہے۔ نگاہوں کو حیا اور دل کو ضیا عطا کرنے کی سچی سعی کرنا پڑتی ہے۔ پلکوں پر ستاروں کو سجانا اور آنکھ کی پتلیوں میں گنبدِ خضریٰ کا عکس ابھارنا پڑتا ہے۔ تب نعت ہوتی ہے ورنہ تو شخصی قصائد کے دفتر موجود ہیں اور ان کا ہر مبالغہ آفرین شعر، نعت ہو سکتا ہے، محدود سے لامحدود میں داخل ہونے والے اشعار میرے خیال میں آفاقی تو

قرار دیے جا سکتے ہیں، نعت گوئی کے ضمن میں خود جناب کشفی اپنی ایک نعت میں کچھ شرائط یوں عائد کر رہے ہیں:

ذہن کو اپنے سجالوں تو ترا نام لکھوں
اپنے لمحوں کو اجالوں تو ترا نام لکھوں
شہر طیبہ میں گزاری ہوئی ہر ساعت کی
یاد کو دل میں بسالوں تو ترا نام لکھوں
گنبد سبز کے سائے میں وہ صدیوں کا خرام
اس کی تصویر بنالوں تو ترا نام لکھوں
روضۂ پاک کے نظارے کو نغمے کی طرح
روح کے ساز پہ گا لوں تو ترا نام لکھوں
میرے مولاؐ، تری کملی سے ابھرتا سورج
اس کو آئینہ بنا لوں تو ترا نام لکھوں
تیری برکت سے منور ہوئیں، جن کی آنکھیں
ان کے لہجے کو نبھالوں تو ترا نام لکھوں
خواجۂ وسعت افلاک وزمیں تجھ پہ سلام
تیری لو دل میں بڑھا لوں تو ترا نام لکھوں

احقر نے اس ضمن میں اپنے ایک فاضل دوست (پروفیسر میاں محمد یعقوب) سے استفسار کیا، ان کا جواب درج ذیل ہے۔

جناب ابوالخیر کشفی کی علمیت اور نبی رحمت ﷺ سے ان کی محبت اور عقیدت ہر شک و ریب سے بالا ہے لیکن جب وہ فرماتے ہیں کہ ''شعر جب محدود سے لامحدود میں داخل ہوتا ہے تو نعت کا شعر ہو جاتا ہے'' تو تمام تر ادب و احترام اور تمام ممکنہ پہلوؤں پر غور کرنے کے باوجود اختلاف کیے بغیر رہا نہیں جاتا۔

ہر وہ شعر جو محدود سے لامحدود میں داخل ہوتا ہے ''سحر'' تو ہوتا ہے نعت نہیں یا ہم اسے زماں و مکاں سے ماورئ آفاقی شاعری کہہ سکتے ہیں۔ اردو، فارسی، عربی، ہندی اور دُنیا کی ہر زبان میں ایسے اشعار موجود ہوتے ہیں (اگرچہ کم کم) جو رنگ و نسل، حدود و ثغور، ملک

وقوم اور زمانہ کی دست برد سے ماورٰی ہوں۔ ہم ان اشعار کو ہرگز نعت کے اشعار نہیں کہہ سکتے۔ نعت کے اشعار صرف وہی ہوں گے جو عمداً ارادتاً اور ختمی مرتبت ﷺ پر ایمان اور محبت و عقیدت میں وارفتہ ہو کر کہے گئے ہوں۔

ہاں، اس بات کو اگر یوں کہا جائے کہ پست اور حضور ﷺ کی شان سے فروتر اشعار اگرچہ وہ ارادتاً نعت ہی میں کہے گئے ہوں انھیں ''نعت'' کے اشعار کے طور پر شمار نہیں کرنا چاہیے بلکہ نعت کے صرف انھی اشعار کو ''نعت کے اشعار'' کہنا چاہیے جو ''محدود سے لامحدود'' میں داخل ہوتے ہوئے دکھائی دیں۔ عامیانہ، سوقیانہ، متبذل اور فرومایہ اشعار کو یہ شرف نہیں دیا جا سکتا تو بات زیادہ درست ہوگی۔''

میں سمجھتا ہوں کہ یہ جناب سیّد ابوالخیر کشفی کے اپنے احساس کی طہارت، فکر کی صالحیت اور سوچ کی عظمت ہے کہ انھیں ''میں'' نہیں، ''تو ہی تو'' دکھائی دیتا ہے، اور ہر آفاقی خیال، ان کے تصور کی رعنائی کو اسی ہالے میں لے جاتا ہے جہاں ظاہری اور باطنی حسن کے معیار کا ہر ضابطہ اپنے منتہائے کمال پر پہنچ کر ہم آہنگ ہوگیا ہے۔ وہ خود ایک مقام پر اپنے بارے میں لکھتے ہیں... جہاں تک شاعری کا تعلق ہے، اچھے شعر اور مصرعے مجھے نہ جانے کن دنیاؤں اور فضاؤں میں پہنچا دیتے ہیں۔ اچھی شاعری ایک چہار سمتی مکالمہ ہوتی ہے۔ شاعر کا مکالمہ اپنی ذات کے ساتھ، اس کائنات کے ساتھ اور دوسرے انسانوں کے ساتھ☆[۲۶] مسلمان اعر کے سلسلے میں یوں کہنا چاہیے کہ اپنے رب اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ۔ جس طرح اقامت صلوٰۃ مہ کا کر اکثر مقامات پر ایتائے زکواۃ کے ساتھ آیا ہے۔ اسی طرح اطاعت اللہ اور اطاعت رسولؐ ہم ردیف ہیں۔ آدمی جب بھی محدود سے لامحدود کی طرف سفر کرتا ہے۔ اللہ کے تصور اور خیال سے ہم کنار ہوجاتا ہے، اسی سفر میں وہ جوار رحمۃ اللعالمین میں بھی پہنچ جاتا ہے۔

نگاہے یارسول اللہ ﷺ نگاہے

اس کے سینے میں آہ اور آرزو ہے۔ یہ آواز اور یہ تمنا بے ساختہ پیدا ہوتی ہے اور لامحدود کی طرف سفر، لامحدود میں اپنے محدود وجود کو گم کرنے کی آرزو اور یوں خود لامحدود ہونے کی تمنا، ہر حقیقی فنکار کی تمنا ہوتی ہے فکر اور فن کی دنیا میں عالم حقیقی اور عالم مجازی کی سرحدیں مل جاتی ہیں۔ وہ شعر جسے بہت سے صاحبان ''بازاری'' شعر قرار دیتے آئے ہیں،

ذرا اس کے امکانات پر غور کیجیے:

خوب پردہ ہے کہ چلمن سے لگے بیٹھے ہیں
صاف چھپتے بھی نہیں، سامنے آتے بھی نہیں

ہمارے اساتذہ یا بالخصوص ہائی اسکول کے اساتذہ تقریباً ہر شعر کے حقیقی اور مجازی معانی بتاتے تھے اور ہم لوگ زیر لب مسکراتے تھے۔ لیکن زندگی کا بڑا حصہ شعر و ادب کے ایوانوں میں گزارنے کے بعد ان کی حکمت اور نظر کا قائل ہونا پڑا ہے۔"[۲۷]

جہاں تک نعت گوئی کا تعلق ہے ہم سب لکھتے بھی ہیں اور کہتے بھی کہ یہ تلوار کی دھار پر چلنا ہے مگر (الا ماشاء اللہ) سمجھتے بہت کم ہیں کہ تلوار کی دھار پر چلنا ہے کیا؟ اگر تیز دھار پر فی الواقع چلنا پڑے تو رہرو کئی بار سوچے گا، خود کو جانچے گا، دھار کی تیزی کو دیکھے گا، تصور ہی تصور میں لڑکھڑائے گا کہ ایک واضح خوف اور ایک عیاں خطرہ پیش نظر ہے۔ یہی صورت نعت گوئی کی ہے۔ اگر نعت گو، توصیف کو حد سے بڑھا دے گا تو توہین ہوگی، شایان شان مدحت نہ کرسکے گا تو اعمال کا حسن مٹی ہوجائے گا اور مقام رسالت مآب ﷺ کیا ہے؟ کون سمجھے اور کون سمجھائے، ایک ذرہ، خورشید عالم تاب کی تابانیوں کے احاطے کا دعویٰ کیسے کر سکتا ہے؟ لاہور کا مست الست شاعر ساغر صدیقی عالم مدہوشی میں کس درجہ ہوش کی بات کر گیا ہے۔

"نعت میرے نزدیک تعریف رسالتؐ کا وہ طریقہ ہے جس میں الفاظ زبان سے نہیں، پلکوں سے چنے جاتے ہیں۔ منصور و شمس سے مجھ تک یہ نعمت عظمیٰ کیسے پہنچی؟ چشم عقیدت کے لیے اس کا جواب سرمد کے قطرہ ہائے خون اور شہباز کا نعرہ مستانہ ہی دے سکتے ہیں۔ میں نعت کہتے ہوئے اپنے جسم اور روح کو جہنم کے شعلوں سے ڈرا لیتا ہوں"

بیدل تو مجھ ایسے غیر شاعر کو بھی حمد و نعت کا اندازہ یوں سکھا گیا ہے:

زلاف حمد و نعت اولیٰ ست برخاک ادب خفتن
سجودے می تواں کردن، درودے می تواں گفتن

نماز، حمد کا شرعی انداز ہے، عبد مجبور کا واحد سہارا اور عبد شکور کا واحد فخر ہے اور جب جبینوں سے سجدوں کا نور چھن جائے گا تب نظام کائنات بھی تلپٹ ہوجائے گا۔ درود، نعت کی بہترین شکل اور عقیدت کا خوب صورت اظہار ہے اور یہی وہ پیمانہ ہے جو حضور ﷺ

سے ہمارے تعلق خاطر کا پتا دیتا ہے۔ درود مصور حقیقی کے اس اجمل، احسن اور اکمل شاہکار کی توصیف ہے جو رسالت مآب ﷺ کی شکل میں ہمیں عطا ہوا، چاہنے والا کسی شہکار فن کی قیمت ادا نہ کرسکتا ہو تو اسے داد دینے کا فن سیکھ لینا چاہیے۔ داد کا فن آجائے تو انمول سے انمول شاہکار بغیر قیمت کے بھی مل جایا کرتا ہے۔

اور جناب ڈاکٹر خورشید رضوی نعت گوئی کے بارے میں کیسی عارفانہ بات کہہ گئے ہیں:

شان ان ﷺ کی سوچئے اور سوچ میں کھو جایئے
نعت کا دل میں خیال آئے تو چپ ہو جایئے

''تلوار کی اس دھار پر چلنے'' کے لیے توحید و رسالت کا سچا شعور مطلوب ہے گویا... ''قدموں کو توحید کی قوت اور جذبہ عشق رسول ﷺ اس تلوار پر مستقیم اور سلامت رکھتا ہے''... انسان ''صادق'' ﷺ کے نقوش پا کی چاندنی تک پہنچ جائے تو تمام صداقتیں، اس کی ذات اور اس کے کلمات کا نشان امتیاز بن جائیں گی اور سب سے بڑی صداقت کی معرفت بھی وہیں سے ملے گی، یہی عرفان مقصود سفر بھی ہے اور مقصود نظر بھی۔ یقین کا محور بھی اور ایمان کی منزل بھی۔ حضور ﷺ کی سچی عقیدت سے عقیدے کو بال و پر ملتے ہیں اور خاکی انسان کو زمین پر ہی معراج نصیب ہوجاتی ہے۔ تب انسان آیت الٰہی بن جاتا ہے اور اس کے ''علم کو جذبے کی زبان مل جاتی ہے'' اور یہ ادبی علمی اور فکری فتح بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم عطا بھی جب کہ نعت اس عطا کا شاعرانہ اظہار اور تحدیث نعمت کی ایک نغماتی شکل۔ المیہ یہ ہے کہ آج عقیدت کے دعوے تو ہیں مگر غیرت سے تہی ہیں۔ محبت کا ادعا تو ہے مگر اطاعت سے بے نیاز ہے۔ نہ سوئے گردوں، نالہ شبگیر بھیجنے کا شعور، نہ رات کے تاروں میں اپنے راز داں پیدا کرنے کا شعار، نہ نشاط آہ سحر، نہ وقار دست دعا اور 'ہجوم عاشقاں' ہے کہ دور نعت گوئی کی شاعرانہ دوڑ میں شریک ہے۔ جگر ایسے ہی با تخلص حضرات کو ''کاریگران شعر'' سے تعبیر کرتے ہیں۔ نعت کہنے سے پہلے اپنا محاسبہ ضروری ہے لازم ہے کہ... مالک حرف و نوا سے تاب گویائی کی دعا کی جائے اور سرور اعظم ﷺ سے ہنر اور جمال فن کی بھیک مانگی جائے، یوں کشکول گدائی خزینہ اسلوب بن سکتا ہے۔☆۲۸

پروفیسر جعفر بلوچ کے الفاظ میں:

ادب شرط ہے، یہ سخن عامیانہ نہیں ہے
یہ ہے نعت کوئی غزل یا فسانہ نہیں ہے
قلم سر جھکاتا ہے اپنا در مصطفیٰ ﷺ پر
یہاں بات کوئی سخن گسترانہ نہیں ہے

المیہ یہ ہے کہ آج کے نعت گو احباب کی اکثریت غزل کے زور پر شعر کہہ رہی ہے۔ قرآن و حدیث سے نعت گوئی کے لیے نہ روشنی لے رہی ہے نہ رہنمائی، صحابہ کرامؓ کی نعت گوئی کے تیور بھی ان کے سامنے نہیں۔ شمائل ترمذی کے مطالعے تک سے بھی وہ محروم ہیں اور خاصان بارگاہ کے اسلوب توصیف سے بھی وہ کم کم شناسا ہیں۔ مجھے یہ لکھنے کی اجازت دیجیے کہ صرف غزل کے مرجع کو بدل کر اور فقط ''دور نعت'' کے نعت گووں میں شامل ہونے کے لیے نعت کہی جارہی ہے۔ نتیجہ معلوم کہ بیشتر نعتیں، شعری اعتبار سے قدما سے بلند مگر گداز فکر کے لحاظ سے فروتر ہیں۔ حضور ﷺ کے عہد مبارک میں صحابہؓ کی شاعری کا عام انداز یہی ہے کہ وہ اسلام کی برکات اور عقائد کے فیوض کا رشتہ ذکر رسول ﷺ سے جوڑتے ہیں۔ میں آج بھی اس بات کا قائل ہوں کہ ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی مداح ان کے پیغام سے سرسری نہیں گزر سکتا۔ ہاں پیغام کے ساتھ پیغام بر کی ذات و صفات کو مرکز خیال بنانا لازم ہے، عالم انسانیت پر حضور ﷺ کے احسانات کا تذکرہ بھی اور اس جمال حیات افروز تک پہنچنے کی تمنا بھی ضروری ہے۔[29]

بقول فیض:

ہر راہ پہنچتی ہے تری چاہ کے در تک
ہر حرف تمنا ترے قدموں کی صدا ہے

آج کل نعت گوئی زیادہ تر غزل کی ہیئت میں ہورہی ہے۔ نظم گو شعراء کے مقابلے میں غزل کہنے والوں کی کثرت بھی ہے دوسرے یہ ہیئت بوجوہ موزوں بھی ہے کہ غزل ایک جاندار صنف سخن ہے۔ وہ ققنس کی طرح اپنی ہی خاکستر سے بال و پر پیدا کرتی رہی ہے۔ اس کا حسن ہمیشہ ہی شاداب و شگفتہ رہا ہے اور حوادث زمانہ اسے کجلانے اور دُھندلانے میں ناکام رہے ہیں کہ یہ ادب کی حیات مستقلہ ہے، یہ ایک نغماتی فکر ہے یہ اردو کی آبرو ہے۔

یہ کائنات کی وسعتوں کو ناپ سکتی ہے۔ دل گداختہ اسے جنم دیتا، ذہن کی چمک اسے سنوارتی اور تخیل کی رفعت تاثر عطا کرتی ہے، اس کا ہر شعر آہ کی طرح اُٹھتا، آنسو کی طرح گرتا اور تیر کی طرح دل میں ترازو ہوجاتا ہے۔ یہ ان رموز و اسرار کی یکی عکاس ہے جو ذرے سے خورشید تک اور درمان باغباں سے کف گلفروش تک پھیلے ہوئے ہیں۔ شیر افضل جعفری کے الفاظ میں:

نطق پلکوں پہ شرر ہو تو غزل ہوتی ہے
آستیں آگ سے تر ہو تو غزل ہوتی ہے
داغ سلگے تو مہک اُٹھتا ہے بستانِ گداز
آہ میں بوئے اگر ہو تو غزل ہوتی ہے
ہر طرف زیست کی راہوں میں بچھے ہوں کانٹے
اور پھر عزمِ سفر ہو تو غزل ہوتی ہے
مدتِ عمر ہے مطلوب ریاضت کے لیے
زندگی بار دگر ہو تو غزل ہوتی ہے
ہاتھ لگتے ہیں فلک ہی سے مضامیں اکثر
دل میں جبریل کا پر ہو تو غزل ہوتی ہے
قابَ قوسین کی، ارمانِ پیمبر ﷺ کی قسم
حسن چلمن کے ادھر ہو تو غزل ہوتی ہے

قبل ازیں کشفی کا ''تغزل آشنا'' قلم چلمن سے متعلق کلیتاً غزل کے ایک شعر کے لامحدود امکانات کا جائزہ لے چکا ہے۔ شیر افضل جعفری کے آخری شعر پر غور کیجیے، بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی، حق یہ ہے کہ خیال ذکر کا تقدس غزل کے علائم و رموز کو حسن، رنگ اور نور کی ایک دنیا عطا کرجاتا ہے اور آج کے بہترین نعت گو وہی شاعر ہیں جنھوں نے غزل کی صنف کو مسخر کیا اور اس میں اپنے ہنر کو تسلیم کرایا۔[☆۳۰] یہ ایک حقیقت ہے کہ... فارسی اور اردو کی مقبول ترین صنف غزل ہے، غزل اپنے اختصار کے ساتھ ساتھ اس وجہ سے بھی مقبول ہوئی کہ اس کا ہر شعر اپنی جگہ ایک اکائی ہے اور یہ اکائیاں مل کر اس وحدت کی تعمیر کرتی ہیں جسے ہم غزل کہتے ہیں پھر ایک شعر میں جہان معنی آباد نظر آتا ہے۔ غزل کا ہر شعر ہمارے

ذہن کی وادیوں میں اپنا مسکن بنالیتا ہے اور اس کے مفہوم میں نت نئے پہلو پیدا ہوتے رہتے ہیں... غزل کے سلسلے میں یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ صورت میں یہ قصیدہ کا نقش ثانی ہے۔☆[۳۱]

...غزل بڑی کافر صنف سخن ہے جو کسی مصلحت کے در پر اپنے مزاج اور اداؤں کو قربان نہیں کرتی، لیکن در خیرالوری پر آکر سجدہ تسلیم و رضا بجا لاتی ہے کہ اس کی گل بدنی کو وہ گل فضائل جاتی ہے جس کے بغیر وہ مکمل نہ تھی۔☆[۳۲]

اس لیے یہ ضروری ہے کہ غزل کے علائم و رموز، فنی اعتبار سے یوں برتے جائیں کہ ان میں رنگ و نور کی ایک قوس و قزح جھلکے اور معنوی نقطہ نظر سے محبت ابھرے، اطاعت سنورے اور تقدس نکھرے، کہیں بھی غزل کے روایتی انداز کا شائبہ نہ آئے۔ غزل کو باوضو بنانے کے لیے شاعر کو اپنی زندگی کا صالح ہونا ضروری ہے اگر یہ صالحیت نصیب نہ ہو تو نعت کہنے کے بجائے مبدٔ فیض کے حضور میں سراپا دعا بن جانا چاہیے۔ اس عطا کے بغیر نعت، غزل ہی کی صدائے بازگشت ہوگی جو گنبد خضریٰ کی ناراضگی کا سبب بن کر حسن اعمال کو غارت کردے گی اور یہ شاعر کی فکری عظمت اور شعری ندرت ہوگی اگر وہ غزل کی علامتوں کو نعت میں یوں استعمال کرے کہ ان میں انوار کی ایک دنیا سمٹ جائے اور یہ علامتیں ''نئی معنویت'' حاصل کرلیں۔ غزل کے ڈھنگ اور آہنگ کو اپنانے سے نعت ایک ''سیارۂ نور'' اور ''شرار معنوی'' بن جاتی ہو اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ غزل کے نظام علائم و رموز پر تصوف کا سایہ ہے اور یوں محدود سے لامحدود کی طرف سفر ان علامتوں کے ذریعے سہل ہوجاتا ہے لامحدود کی طرف شاعر کا سفر اس کی تقدیر بھی ہے اور شعر کا مقدر بھی۔☆[۳۳] حق یہ ہے کہ شعور فن سے خلوص فن تک کے مرحلے انتہائی جاں گداز ہوتے ہیں۔ غزل گو عموماً فکر و خیال کی بے نام وادیوں میں بے مقصد گھومتا رہتا ہے۔ محبوب بھی فرضی سا ہوتا ہے اور آداب محبت بھی تصوراتی اور اظہار محبت بھی مبالغہ آمیز مگر نعت میں محبوب ﷺ متعین ہے اس کا حسن، رخ جمال الٰہی کا آئینہ اس کا عمل، ہر دور کے ہر تقاضے کے لیے ہدایت کی ابدی مشعل، اس سے ہماری ہر زندگی کی ہر آبرو وابستہ، اس کی رحمت، دل کی ہر افسردگی کی شگفتگی کا سبب، اس لیے یہاں قدم قدم احترام اور قلم قلم احتیاط کی ضرورت ہے یہاں نہ اشہب فکر بے لگام ہوسکتا ہے اور نہ راہوار قلم، بگٹٹ۔ یہ ایک فنی اور فکری پلصراط ہے اور یہاں سے وہی سلامتی سے گزر سکتا

ہے جسے حق نے قلب سلیم سے نواز رکھا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ہر قادرالکلام شاعر نعت گوئی پر قادر نہیں ہوا کرتا... غزل اور دوسرے اصناف سخن کا انتخاب خالص ادبی بنیادوں پر ممکن ہے۔ زبان کی برجستگی، مضمون کی صفائی، ندرت خیال، کسی نئے گوشے، کسی نئے اظہار کی بنا پر اشعار کا انتخاب کیا جاسکتا ہے۔ لیکن نعت کے ساتھ یہ معاملہ نہیں کیوں کہ نعت محض صنف سخن نہیں، بلکہ اپنے رسول ﷺ سے ہم امتیوں کے تعلق کا اظہار ہے اور اس اظہار کی سطحیں، تہیں اور پہلو بے شمار ہیں۔"[۳۴] غزل ایک حرف شیریں اور استعارہ رقصاں ہے۔ غزل کے پہلے اہم شاعر شیخ سعدی نے یہ نکتہ سمجھ لیا تھا اور انھوں نے غزل میں "رقیق، نازک، شیریں اور پردرد الفاظ استعمال کیے ہیں" (شبلی) اردو کے نعت گو شعراء کی اکثریت نے نعت کے لیے غزل کی ہیئت کا انتخاب اسی بنا پر کیا ہے کہ ان کی نعت حدیث دل بن جائے شاید بلکہ یقیناً کسی بھی مذہب کے ماننے والوں میں سے انفرادی طور پر ہر ایک فرد کا رشتہ اپنے رسول کے ساتھ وہ نہیں ہے جو ہر مسلمان کا رشتہ ہادی ﷺ برحق اور انیس بے کساں حضرت محمد ﷺ سے ہے، غزل کے آہنگ میں لکھی ہوئی نعتیں اس ذاتی اور شخصی رشتہ کو بڑی حد تک پیش کرتی ہیں، غزل کا عشقیہ لہجہ بڑا امتحان ہے اور یہ تلوار کی دھار پر سفر ہے، مبارک ہیں وہ لفظ شناس جو اپنے سلیقہ و ادب کی بنا پر سلامتی سے اس راہ سے گزر جاتے ہیں۔[۳۵]

جناب کشفی کے خیال میں غزل کی ہیئت، علامات اور اشارات کو جب ایک نعت گو، گداز فکر سے ہم آہنگ کرتا ہے تو وہ "غزل کے پیکر کو قبائے نور عطا کرتا ہے" گویا نعت لفظوں کو ویسے ہی جگمگا دیتی ہے جس طرح حضور ﷺ کی ایک نگہ لطیف، مس خام کو کندن بنا دیتی ہے... نعت میں غزل کی علامتوں کا سیاق و سباق ہی بلکہ منظر و پیش منظر اور معنوی سطح تک... ہر چیز بدل جاتی ہے جس طرح حضور ﷺ کی نظر دلوں کی دنیا بدل دیتی تھی۔ اس طرح انؐ کا ذکر لفظوں کی سطح اور معانی کو بدل کر نئی بلندیاں عطا کر دیتا ہے۔[۳۶]

زندگی کے ہر مرحلے، وقت کی ہر گردش، فیصلے کی ہر گھڑی، قلم کی ہر حرکت اور دل کی ہر دھڑکن میں اللہ تعالیٰ کی برتری مسلم رہنی چاہیے، وہی کارساز، وہی کارکشا، وہی غالب، وہی کار آفرین اور اللہ تعالیٰ کے بعد حضور ﷺ کی عظمت پیش نظر رہے اس غالب و کارآفرین تک پہنچنے اور اسے پانے کے لیے حضور ﷺ کی اطاعت لازم ہے جوش عقیدت میں حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات اور اختیارات میں شریک کر لینا، کسی طور بھی انسب نہیں ہے۔

اس لیے نعت کے لیے جب بھی قلم اٹھے تو توحید و رسالت کا فرق واضح انداز میں سامنے رہنا چاہیے اور نعت کو حمد نہیں بنا چاہیے۔ جس طرح ایک عام بشر کی تعریف اگر مبالغے کو چھو جائے تو بقول جناب کشفی وہ خیرالبشر ﷺ کی تعریف بن جاتی ہے۔ یا دوسرے لفظوں میں خود بخود نعت ہو جاتی ہے کہ ''موضوع بدل جائے تو قدیم و مستعمل علائم و رموز بھی ایک نئی فضا تخلیق کر دیا کرتے ہیں'' اسی طرح اگر حضور ﷺ کی مدحت مقرر حد سے بڑھ جائے تو وہ خود بخود حمد کے دائرے میں پہنچ جائے گی، جسے شرعی اور ادبی اعتبار سے تعریف نہیں، تنقیص کہا جائے گا اور قلم شرک کا مرتکب ہو جائے گا، صرف نعت ہی کے لیے نہیں بلکہ ایمان کی تکمیل کے لیے بھی حضور ﷺ سے والہانہ نوعیت کی قلبی وابستگی ضروری ہے اور... یہ وابستگی ایسی صراط مستقیم ہونی چاہیے کہ نعت گو ایک طرف تو توحید کے باب میں غیرت مند ہو اور اپنے رب کی احدیت پر کسی کا سایہ نہ پڑنے دے تو دوسری طرف مقام رسالت ﷺ کا ایسا شناسا ہو کہ ہر تصور، ہر عقیدہ اور ہر دوسری ذات کو اسی ذات اقدس و اعظم ﷺ کے حوالے سے دیکھے۔☆۳۷

فیض پھر یاد آگئے:

ہر صبح گلستاں ہے ترا روئے بہاریں
ہر پھول تری یاد کا نقش کف پا ہے

رسول اکرم ﷺ ہر اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے انوار و فیوض کا مظہر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں احسن گفتار، اجمل رفتار اور اکمل کردار سے یوں نواز رکھا ہے کہ جتنا غور کرتے چلے جائیں ''خیر کثیر'' کی نوازشیں اور وسعتیں کھل کر اور کھل کر سامنے آتی چلی جاتی ہیں۔ دست فطرت کے اس عظیم و جلیل شاہکار کو دیکھنے کا یارا کسی کسی کو ملتا ہے حسن نظر اور توفیق نظر بھی حسن آفرین ہی کی دین ہے ورنہ ہر آنکھ سزاوار نظارہ نہیں ہوتی، جناب کشفی قرآن پاک کی اس آیت قدجاء کم من اللّٰہ نور و کتاب مبین (المائدہ) کی روشنی میں جب اقبال کے ان اشعار:

ہر کجا بینی جہان رنگ و بو
آنکہ از خاکش بروید آرزو
یاز نور مصطفیٰ ﷺ اور ابہا ست
یا ہنوز اندر تلاش مصطفیٰ ﷺ ست☆۳۸

تک پہنچتے ہیں تو ان کا قلم ایک صدرنگ کہکشاں ابھارتا، سنوارتا اور نکھارتا چلا جاتا ہے کہ ان کی سوچ کی سچائی اور شعور کی زیبائی پر ایک رشک سا آتا ہے لکھتے ہیں... حضور نبی کریم ﷺ کے حسن جاوداں اور حسن ہمہ جہت کو دیکھنے والوں نے اپنے ظرف کے مطابق دیکھا، جمال یار پر نظر کا ٹھہرنا ہی کیا آسان ہے...؟ معاملہ یہ ہوتا ہے کہ کبھی وہ جمال پھول بن جاتا ہے اور کبھی رخسار اور رخساروں میں سورج تیرتے نظر آتے ہیں، حسن، حجاب نظر بن جاتا ہے مگر یوں کہ حسن کا ایک نیا پہلو سامنے آجاتا ہے۔ کبھی ''ہجوم لالہ و گل'' کبھی ''خندہ برق و شرر'' آپ شمائل مصطفوی ﷺ کا مطالعہ فرمائیں تو یہی عالم نظر آئے گا، اپنے اپنے ذوق، آرزو اور احوال وظرف کے مطابق۔ قرآن مجید نے حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کو ''نور'' قرار دیا ہے۔ نور اپنے وجود پر آپ دلالت کرتا ہے۔ اسی لیے حضور ﷺ کی زندگی ایک معجزہ اور دلالت نبوت تھی۔ اس زندگی کا ہر لمحہ ایسا روشن اور واضح تھا کہ اس کی روشنی کی طرف توجہ مبذول کرانے کے لیے کسی اور روشنی اور دلیل کی ضرورت نہیں۔ حضور ﷺ ہماری زندگی کا ایک ایسا مرکزی نکتہ ہیں کہ ہم اشیا کو ان ﷺ کے نور میں دیکھتے ہیں اور دوسری طرف اشیاء ہمیں ان ﷺ کے حضور لے جاتی ہیں۔ چیزوں کو یا اسی نور سے بہا حاصل ہے یا پھر چیزیں اسی کی تلاش میں مصروف ہیں، حضور ﷺ کا نور ہر شے کے مقام کا تعین کرتا ہے:

فروغ حسن سے تیرے چمک گئی ہر شے
ادائے رسم بلالیؓ و طرز بولہبی

سروری صرف اس ذات بے ہمتا کو زیبا ہے اور ہر سجدہ بندہ مومن اسی کے لیے مخصوص ہے لیکن حضور ﷺ کے قرب و جوار میں جیسے سر میں ایک سجدہ مچلنے لگتا ہے اور الحمدللہ کو فرزانگی، توحید اور شریعت کے آداب، اس سجدہ، بے تاب کو روک کر اس جذبے کو ہماری ذات کی شناخت بنا دیتے ہیں:

نہ سر سے جدا ہو، نہ کھل کر ادا ہو
اک ایسا بھی بے تاب سجدہ ہے سر میں

نعت، اسی سجدہ بے تاب کی شعری ادائی ہے، یہ ایک عبادت ہے بے سجدہ و قیام، نعت کہتے ہوئے شاعر خود کو انوار کے ایک دلنواز ہالے میں محسوس کرتا ہے اور فی الواقع اسے کائنات حضور ﷺ ہی کے فروغ حسن سے جگمگاتی نظر آتی ہے اور ذات و کائنات کی حقیقتیں

اور شناختیں اسی روشنی میں واضح ہوتی محسوس ہوتی ہیں۔ درج بالا آیت میں لفظ ''نور'' سے جناب کشفی، حضورﷺ کی ذات پرنور مراد لیتے ہیں۔ بعض مفسرین نے قرآن پاک مراد لیا ہے۔ بہرکیف قرآن ہو یا صاحبِ قرآن، دونوں ایسے اجالے ہیں جن سے جہل و تعصب، شرک و کفر کے اندھیرے اور قلب و نظر کی تاریکیاں یوں کافور ہوجاتی ہیں جیسے سورج کی پہلی کرن، شب کی ظلمتوں کو نگل جاتی ہے۔ یہی نور بھٹکے ہوئے ذہنوں اور سرگرداں عقل کو راستہ ہی نہیں دکھاتا بلکہ ایک روشن منزل کی نشاندہی بھی کرتا ہے۔ یہ دونوں اجالوں، روشنیوں اور لحانیوں کا ایک ایسا سلسلہ ہیں جو روز بروز روشن تر ہوتا چلا جارہا ہے اور اس خوش نصیب کے کیا کہنے جو ''حضورﷺ کے وسیلے سے کائنات سے رشتہ قائم کرتا اور کائنات کے واسطے سے حضورﷺ سے یہ تعلق پیدا کرتا ہے۔''[☆۳۹]

ہم جس میں بس رہے ہیں وہ دنیا تمہیﷺ تو ہو

جہاں تک نعت میں رسولﷺ کے ظاہری حسن و جمال کے تذکرے کا تعلق ہے۔ اس کا انحصار زیادہ تر تصور و وجدان پر ہے یا سراپائے اقدس کے تذکروں کو اپنے خیال میں سجا لینے سے ہے، یا پھر غزل کی تشبیہات کو مبالغہ عطا کرکے لامحدود فضاؤں میں داخل کرنے کی سعی سے ہے۔ ہاں اگر کسی کو زیارت حضورﷺ خواب میں نصیب ہوجائے مگر وہ بھی ہزار کوشش کے باوجود، کچھ بھی نہ کہہ سکے گا بلکہ اسے آئینہ سامنے رکھ کر اپنی ہی آنکھوں کو چومنے کے پاکیزہ شغل سے فرصت ہی نہیں ملے گی اور تمام عمر سپاس و شکر کے انہی سجدوں میں تمام ہوجائے گی، تب ثابت ہوجائے گا کہ اس حسن جہانتاب کے کسی بھی رخ کا احاطہ کوئی سا لفظی پیرایہ بھی نہیں کرسکتا، وہ نطق کو سکتے میں پائے گا اور ادراک و خرد کو کلیتاً مجبور کہ.... سرکارﷺ جس خواب میں آئیں، وہ خواب بیداریوں کی بیداری ہوتا ہے۔ وسواس و گمان سے بالاتر[☆۴۰]

حسن سے اس کے ہیں روشن گل و لالہ کے ایاغ
ویسی خوشبو تو نہیں، رنگ ذرا ملتا ہے

صحابہ کرامؓ کی آنکھیں ہر لحظہ چہرہ رسالت مآبﷺ پر مرکوز رہتی تھیں مقصود نظر وہی ایک چہرہ مبارک ہوتا تھا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ انﷺ کے وصال کی خبر سے ایک صحابیؓ نے اپنی بینائی کے چھن جانے کی دعا کی تھی کہ اب وہ رعنائی روپوش ہوگئی ہے جس سے بصارت کو

بصیرت کے اُجالے ملتے تھے۔ ان صحابہ کرامؓ نے بھی اپنی نعتیہ شاعری میں صوری جمال سے زیادہ کمال سیرت پر زور دیا ہے، کیوں کہ نعت کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ سیرت کا جو کمال ہمارے پاس ہے، وہ منکرین مکہ کے پاس نہیں ہے، انکسار کا جو افتخار ادھر ہے اس سے عمائدین مکہ کی رعونتیں محروم ہیں۔ جو انوار مدینہ میں ہیں ان سے کفار مکہ کے گرد و پیش بے نصیب ہیں اور توصیف رسالت ﷺ میں جو رعنائیاں ہیں ان سے اہل مکہ کی تعلیانہ خود نمائیاں بے بہرہ ہیں کہ نعت، کفار کی لسانی گستاخیوں کے جواب کے لیے وجود میں آئی تھی۔ اس میں خود ممدوح بے مثال ﷺ کی رضا اور دعا شامل تھی جبکہ روح القدس کی تائید کو احتراماً اور اصولاً شامل ہونا پڑا تھا۔ نعت کے اسلوب اور اصول بھی اس زبان صدق اظہار نے متعین فرمائے تھے جس کی صداقت میں نہ ماضی شبہ کرسکتا تھا نہ حال اور نہ مستقبل کرسکے گا۔ عربی قصائد کا آغاز، فرضی یا کسی حد تک حقیقی محبوب کی ظاہری ستائش سے ہوتا تھا جسے تشبیب کہتے ہیں اور شاعر گریز کے بعد اصل مقصد کی طرف آیا کرتا تھا۔ اس قدیم شعری روش کے باوصف اس دور کی نعتیہ شاعری میں سیرت کا ذکر زیادہ ہے اور حق یہ ہے کہ وہی چہرہ نظر افروز ہوتا ہے جو غازہ بجاں کی بدولت گلگوں اور شفق رنگ ہوتا ہے۔ گویا نعت گوئی کا مقصد اولیٰ سیرت کے تذکرے کو عام کرکے، اس سامعین و قارئین کی سیرت کا رخ بدلنا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہی انداز آج کے شاعر کے لیے آسان بھی ہے اور قابل عمل بھی۔ اگر وہ حسن ظاہر کے تذکروں میں پڑ جائے گا تو لازماً کہیں نہ کہیں غزل کا مجازی رنگ راہ پاکر بات کو یوں بے کیف کردے گا کہ:

ذکر احمد ﷺ سے ہو یوں کرنوں کی بارش روح پر
جیسے کوئی ماہ پیکر جھانکتا ہو بام سے

اور یہ ایک عام بات ہے کہ مشبہ بہ کو مشبہ کے مقابلے میں کامل تر ہونا چاہیے۔ اس نوع کی بازاری تشبیہات سے نعت کا جمال مجروح ہوتا ہے اور یہ ایک واضح صداقت ہے کہ شعر و ادب کے خزینوں میں کون سی تشبیہ ایسی ہے جو اس وجود ناز کی رعنائیوں کے لیے لائی جاسکتی ہے جس پر خود حسن آفرین کو ناز ہو اور جس کی ایک جھلک دیکھنے والا یہ کہنے میں حق بجانب ہو کہ:۔

جو حسن میرے پیش نظر ہے اگر اسے
جلوے بھی دیکھ لیں تو طواف نظر کریں

دور حاضر کی نعتوں میں بہت سے ایسے اشعار ہیں جو معنوی لحاظ سے قابلِ گرفت ہیں۔ اہلِ نظر کا اولین فرض ہے کہ وہ اس نوع کے اشعار پر کڑی اور بے لاگ تنقید کریں اور اس نقد و نظر پر شاعر برانہ مانے اور نہ اسے ادبی، شخصی اور شعری انا کا مسئلہ بنائے کیوں کہ مخاطب وہ ذات والا صفات ﷺ ہے جس کے حضور میں سانس بھی ہولے سے لینا چاہیے، بہتر ہے کہ وہاں دل کے دھڑکنے کی بھی آواز نہ آئے اور صرف آنسو ترجمان دلِ بے قرار بن جائیں، چہ جائیکہ کوئی کہے کہ ''آمیں تجھے آئینہ دکھاؤں'' کوئی انھیں ''عظیم تر'' کہہ کر ''عظیم ترین'' کے انتظار کے بارے میں مجبور کررہا ہو۔ کوئی مدینے کی گلیوں میں ''ناچنے'' کو فخر گردانتا ہو۔ یاد رہے کہ ''آئینہ دکھانا'' محاورہ ہے، برائی یا بھلائی کے سلسلے میں کسی کی حقیقت اس پر ظاہر کرنا اور ''ناچنا'' وہاں جہاں جنیدؒ و بایزیدؒ بھی نفس گم کردہ آتے ہیں، نعت میں لفظ اور مفہوم ہر دو واضح ہونے چاہئیں، وضاحت کی ضرورت پیش نہیں آنی چاہیے، یہاں نہ لفظی ابہام چلتا ہے نہ معنوی ایہام اس نوع کی نشاندہی ضروری ہے۔ ورنہ کسی نہ کسی حالی کو دورِ حاضر کی نعتیہ شاعری کی تطہیر کے لیے اٹھنا پڑے گا۔ بصورت دیگر ستائش باہمی کی انجمنوں کو گنبد خضریٰ کی ناراضگی کا یہاں بھی سامنا کرنا پڑے گا اور وہاں بھی جہاں ان ﷺ کی رحمتہ اللعالمین ہی ہر ایک کا واحد سہارا ہوگی... نعت، برائے بیت کہنے سے بہتر ہے کہ سکوت ہی کو تکلم بلیغ سمجھا جائے اور یہ مان لیا جائے کہ نہ ہر باتخلص شاعر ہوسکتا ہے اور نہ ہر شاعر، نعت گو۔ یہ تو کرم کے فیصلے اور نصیب کی باتیں ہیں۔ جناب کشفی نے اپنی تحریروں میں جابجا اس امر پر زور دیا ہے کہ دور حاضر کے نعت گو شعراء کو محاسن سیرت اور صحابہ کرامؓ کی عملی محبت کے تذکرہ جمیل کو موضوع سخن بنانا چاہیے کہ ''اللہ تعالیٰ کا شاہکار محمد عربی ﷺ ہیں تو ابوبکرؓ و عمرؓ، عثمانؓ و علیؓ شاہکار رسالت ﷺ ہیں[☆۴۱] اور یہ بھی ضروری ہے کہ... اپنے آپ کو حسانؓ اور کعبؓ قرار دینے والے شاعروں کو بلند بانگ دعوے کرنے کی جگہ، ان کے قدموں میں بیٹھ کر نعت کے آداب دیکھ لینا چاہیے۔ صحابہ کرامؓ کے انداز کی شاعری اسی وقت ممکن ہے جب ہماری زندگی اور فکر کے تضادات ختم ہوجائیں۔ صحابہ کرامؓ سے نعت گوئی کے آداب جس طرح بوصیری، سعدی، جامی و قدسی اور اقبال و ظفر علی خاں نے سیکھے، اسے سامنے رکھ کر ہی سفینہ نعت آگے اور آگے گہرے پانیوں میں سفر کرسکتا ہے۔[☆۴۲] یاد رہے کہ دور صحابہؓ کی شاعری میں واقعات کے ذکر کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی مدح ملتی ہے، صحابہ کرام زندگی کو حضور ﷺ کے حوالے سے دیکھتے تھے اور

حضور ﷺ کو زندگی کے حوالے سے یاد کرتے تھے۔[43] الغرض خوئے رسالت ﷺ اور خوشبوئے رسالت ﷺ ہی اس دور کی نعتیہ شاعری کی امتیازی خصوصیت تھی۔ حضور ﷺ ہر اعتبار سے کامل اور ان کے سچے متبعین بہر نوع عظیم کہ ان کی محراب عظمت میں تاریخ کا ہر شرف دو زانو دکھائی دیتا ہے۔ انسانی سازی ہی پیغمبرانہ مشن ہے اور نعت گوئی کا بنیادی مقصد بھی یہی ہونا چاہیے کہ دور حاضر سیرت کی خوشبو سے مہک اٹھے اور انسان فرش خاک پر رہتے ہوئے ''فلک مرتبت'' قرار پائے اور زمانے کی گردشیں اس کی دہلیز پر پہنچ کر رک جائیں اور ہوا کی موجیں اس کے آستانے کو بوسہ دے کر گزریں کہ:

جس سے ملی ہے منزل عرفان و آگہی
وہ ایک موج نور اسی رہ گزر میں ہے
ایسا بلند کردیا انسان کا مقام
چرخ بریں بھی حلقۂ دام بشر میں ہے
تابندہ جس نے کردیا بخت سیاہ کو
وہ گوہر کرم مرے داماں تر میں ہے

نعت میں بعض شاعر عالم محبت یا عالم محویت میں اور بعض ارادتاً ''یا'' کا ندائیہ لفظ استعمال کرتے ہیں جس سے بعض جبینوں پر شکنیں ابھر آتی ہیں۔ انھیں فی الواقع توحید کے آبگینے کی نزاکت اور استعانت کے حقیقی مرکز و محور کا خیال ہوتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ عالم کیف میں جن خاصان بارگاہ کی ''فغان زیرلب'' بے ساختہ پکار کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ ان پر نقد و نظر کرنے سے پہلے ناقد کو اپنے دل کی کیفیتوں کو ٹٹولنا ہوگا۔ کیوں کہ جب تک ایک ناقد خود کو شاعر کی دنیائے احساس میں نہ لے جائے وہ صحیح انداز میں نقد نہیں کرسکتا۔ اگر کسی خوش نصیب کے دل کے آئینے میں اس عظیم الشان انسان ﷺ کے حسن عالمتاب کی جھلک ہو اور اس پر تو پرنور نے اسے ذات و کائنات سے بے نیاز کر رکھا ہو اور اس کا پورا وجود ہی ایک ''سرگوشی'' بن گیا ہو تو تنقید سے کہیں بہتر ہے کہ اس کیف نشاط کی آرزو کی جائے۔ ایک اللہ والے (حضرت مولانا عبدالہادی دین پوریؒ) کی بارگاہ میں کچھ علمائے کرام بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک نے حضور ﷺ کے حاضر و ناظر ہونے کے بارے میں استفسار کیا۔ آپ نے بات ٹالی۔ ادھر سے اصرار بڑھا تو آپ کے منہ سے یہ جملہ نکلا کہ ''حضور ﷺ سے جسے جتنا تعلق

خاطر ہے حضور ﷺ اس کے لیے اتنے ہی حاضر و ناظر ہیں" اللہ والوں کی باتوں کے پس پردہ بصیرت افروز بصارت لو دیا کرتی ہے۔ ہمارے بیشتر مذہبی جھگڑے، قلبی تعلق کے فقدان کی دلیل ہیں۔ سوئی، مقناطیس کے قریب ہونا ہی نہ چاہے تو یہ اس کی کم نصیبی ہے۔ ذرے، تابشِ خورشید ٹکرائیں گے تو خود چاند بن کر طباشیری کرنیں بکھیریں گے۔ جناب کشفی ہشام علی حافظ کے نعتیہ کلام "یا حبیبی ﷺ یارسول اللہ" ﷺ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"یہ نام محض کتاب کا نام نہیں بلکہ ایک سرگوشی ہے... سارے وجود کی سرگوشی... ایک فغان زیرِ لب ہے جو ہونٹوں کے دائرے سے باہر نہیں نکلتی یہاں "یا" کے استعمال میں استمداد اور استعانت نہیں بلکہ ایک امتی کا تخاطب ہے جو دل کی گہرائیوں میں اس ذاتِ گرامی ﷺ کو موجود پاتا ہے، وہ ذات جو اساسِ ایمان ہے اور آج بھی ہر امتی کے لیے حاضر بھی ہے اور غائب بھی۔ نظروں سے غائب مگر فکر و شعور و آگاہی میں تو اناقوت کی طرح موجود"☆۴۳

نعت میں "تو" اور "تم" کے لفظی استعمال کو بعض لوگ سوئے ادب سمجھتے ہیں ان کی نیت راست ہے۔ جب کہ "آپ" کہیں بہتر لفظ ہے۔ بعض فنی مجبوریاں بھی ہو سکتی ہیں۔ اسی طرح "یثرب" کے لفظ کا استعمال ہے جسے خود حضور ﷺ نے پسند نہیں فرمایا مگر یہ لفظ استعمال ہو رہا ہے۔ ماضی میں بعض ثقہ اور معتبر شخصیات نے بھی اسے استعمال کیا ہے۔ حالاں کہ اس کی جگہ "طیبہ" کا لفظ استعمال کرنے میں کوئی عروضی روک نہیں ہے۔ حضور ﷺ کو خطاب کرنے کے سلسلے میں خود قرآن مجید میں واضح ہدایات موجود ہیں۔ اس ضمن میں جناب کشفی کا تعلق خاطر "تو" کے لفظ میں کہیں زیادہ قربت اور انس محسوس کرتا ہے۔ یہ لفظ انھیں "ادب اور شاعری کی دنیا میں ایک زندہ اور توانا لفظ نظر آتا ہے ایسا لفظ جو روایات اور معانی کی ایک دنیا ہے"☆۴۴ اسی نکتے کو وہ ایک اور مقام پر یوں واضح کرتے ہیں... پاکستان کے ایک نہایت اچھے نعت گو اپنے اس نظریہ کا خاصے تشدد سے پرچار کرتے ہیں کہ امام الانبیاء ﷺ کے لیے "تو" اور "تم" کی ضمیریں استعمال کرنا گستاخی ہے۔ اس رائے کو قبول کرنا بہت مشکل ہے "تو" کا لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے کہ اس کی وحدت کا اشارہ ہے اور حضور ﷺ کے لیے بھی نبیوں میں ان کی یکتائی کے پیش نظر مستعمل ہے۔ پھر اس لفظ میں جو قربت اور محبت ہے وہ کسی اور خطابیہ لفظ میں نہیں۔ ہاں جسے گستاخی کا پرتو نظر آئے اس

کے لیے ''تو'' اور ''تم'' سے مکمل اجتناب لازم ہے۔[۴۵] یاد رہے کہ کوئی لفظ خود بے قدر یا کم قدر نہیں ہوتا۔ اسے اعتبار نسبت سے حاصل ہوتا ہے۔ ابوبکرؓ کو صدیقؓ، عمرؓ کو فاروقؓ، عثمانؓ کو غنی اور علیؓ کو باب العلم کس نے بنایا؟ اسی نسبت نے اور یہی نسبت ''تو'' کو ہماری زبان کا سب سے معتبر لفظ بنا دیتی ہے۔ حضور ﷺ سے ہمارا تعلق محض ضابطہ کا نہیں یہ تعلق تو نغمہ روح اور حدیث شہ رگ ہے۔ اس قربت کے بار کو ''تو'' کا لفظ ہی سہار سکتا ہے یہی لفظ اس رب جلیل سے ہمارے تعلق کے اظہار کی اساس بنتا ہے جو رگ جاں سے بھی قریب تر ہے۔[۴۶]

ایک اور مقام پر کشفی لکھتے ہیں کہ... یہ لفظ صرف اللہ اور رسول ﷺ کی نسبت سے ہماری زبان کا سب سے زیادہ محترم لفظ ہے۔ عشقیہ شاعری میں بھی یہ اپنا فریضہ انجام دے رہا ہے۔ خاصان محمد ﷺ نے اپنے رسول ﷺ، اپنے آرام جاں ﷺ اور اپنے محبوب ﷺ کے لیے مسلسل یہ لفظ استعمال کیا ہے۔ لفظوں کے معنی محض نعت یا اپنے وہم اور مذاق میں تلاش نہ کیجیے زندگی اور زبان کے عام اور زندہ استعمال میں تلاش کیجیے لفظ ''تو'' دانہ گوہر یکتا ہے۔ بات یہ ہے کہ رسول عربی ﷺ کی نسبت سے جس نے بھی ''تو'' کی یکتائی کو سمجھا، اسے عشق یکتا سے نواز دیا گیا۔ محض وعظ ہو یا سیرت کی کتاب، ہم نبی کریم ﷺ کی ذات فلک مرتبت کے لیے ''آپ'' کا لفظ اور بہت سے القاب و آداب استعمال کرتے ہیں۔ سرور کونین، ختمی مرتبت، سیّد کل، خیرالبشر، رسول اعظم، ہادی برحق، صاحب کوثر ﷺ وغیرہ وغیرہ لیکن جب تخلیقی لمحوں میں ہمارا جذب دروں ہمیں عشق کے پر لگا کر اڑاتا ہے اور جب یہ بزم کائنات ہمارے لیے بدل جاتی ہے تو یہ سارے القاب، یہ آداب، یہ سارے لفظ، ایک لفظ میں بدل جاتے ہیں ''تو'' میں۔ یہ چھوٹا سا یک رکنی لفظ کائنات کا سب سے محترم اور مقدس لفظ بن جاتا ہے۔ یہ ہمارے دل کی دھڑکن بن جاتا ہے۔ یہ ہماری خلوتوں کا آئینہ بن جاتا ہے۔ وہ خلوت جس میں جمال مصطفیٰ (ﷺ) ہوتا ہے اور ہماری حیرانی ۔ یہ ہمارے اختیار کی نہیں، سپردگی کی منزل ہوتی ہے۔[۴۷]

الغرض نعت گوئی، اللہ تعالیٰ کا خاص کرم اور حضور ﷺ کے التفات کا ایک دل آویز نتیجہ ہے اور اس عطا پر شاعر جس قدر بھی شکر ادا کرے کم ہے۔ مگر اس اظہار سپاس میں کسی پہلو سے بھی فخر کا شائبہ نہیں ہونا چاہیے۔ کیوں کہ فخر ہی سے کبر و عجب کو غذا ملتی ہے۔ جب کہ نعت گوئی بنیادی طور پر ''عطا'' کی بات ہے اس لیے کہ بڑائی معطی ہی کو زیب دیتی ہے

اور ایسے شاعر خوش نصیب میں جنھیں نعت گوئی کی توفیق نیلے آسمان اور سبز گنبد سے عطا ہوئی ہو۔ حمد و ثناء نیلے آسمان والے پر اور درود و سلام سبز گنبد میں سونے والے (ﷺ) پر اور سلامتی کی دعا، ان ﷺ کی توصیف و ثناء کو شعری پیرہن دینے والے پر... سلام ان گلیوں پر جو آج بھی حضور ﷺ کے نقش کفِ پا کے سورج اپنے ذروں میں چھپائے ہوئے ہیں اور سلام اس دنیا پر کہ ان ﷺ سے پہلے تیرہ خاکدان تھی اور جب وہ آئے تو عالمِ امکان بن گئی۔☆۴۸

اور اب آخر میں جناب کشفی کے نعتیہ مجموعہ ''نسبت'' کے بارے میں احقر کا اوّلین تأثر دیکھیے جو مدیر ''نعت رنگ'' کو ایک مکتوب کے ذریعے ۱۳ر فروری ۲۰۰۰ء کو ارسال کیا گیا تھا کہ یہ کتاب انھی کی وساطت سے ملی تھی۔

حافظ شیرازیؒ کے کم و بیش تمام مطبوعہ دواوین میں ایک شعر یوں ہے:

خوشا نماز و نیاز کسے کہ از سر درد
بآب دیدہ و خونِ جگر طہارت کرد

میرے پاس ایک قلمی دیوانِ حافظ تھا اس میں یہ شعر یوں نظر پڑا:

خوشا نماز نیاز کسے کہ از سرِ صدق
بآب دیدہ و خونِ جگر طہارت کرد

غور کیجیے کہ محض ایک حرفِ عطف کے اُٹھ جانے اور ایک لفظ کے بدل جانے سے بات کیا سے کیا ہوگئی۔ اسی ساعت ذہن میں یہ نکتہ ابھرا کر نعت ہی وہ ''نماز نیاز'' ہے جو ادا نہیں ہوسکتی جب تک صدقِ دل کے ساتھ خونِ جگر سے کشید ہونے والے آنسوؤں سے وضو نہ کیا جائے کہ یہ درود و سلام ہی کی ایک نغماتی شکل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی پسندیدگی کو رسولِ پاک ﷺ کے اتباع سے وابستہ کر رکھا ہے اتباع، قلبی محبت ہی کا ایک عملی اظہار ہے۔ گویا حضور ﷺ کا محب، خدا کے محبوب اور حضور ﷺ کا مدح خواں، خدا کی پسندیدہ شخصیت ہے اور یہ وہ شرف ہے جس کے حصول کے لیے ہر آرزو قربان ہوسکتی ہے:

نعت نبی ﷺ درود ہے، نعت نبی ﷺ سلام
نعت نبی ﷺ نماز ہے بے سجدہ و قیام

اور جناب سیّد ابوالخیر کشفی نے یہ ''نماز نیاز'' جس روحانی خلوص جس فکری تقدس جس علمی

رسوخ اور جس شعری تغزل کے ساتھ ادا کی ہے۔ وہ سراسر گنبد خضریٰ ہی کی عطا معلوم ہوتی ہے کہ:

طیبہ کی ہوا مدحت سرکار ﷺ کی قاصد
ان ﷺ کا نہ اشارہ ہو تو ہم کچھ نہیں لکھتے

جناب کشفی نے جس انداز سے ذہن کو سجایا، جس رنگ سے نعت نگاری کے لمحوں کو اجالا، جس شوق سے دیار ناز کی یادوں سے قلب ونظر کو معطر و منور رکھا اور جس ادا سے کالی کملی کی اوٹ سے ابھرتے سورج کو شعری آئینہ بنایا فی الواقع بڑے نصیب کی بات ہے جو خاصان بارگاہ ہی کو نصیب ہوا کرتی ہے۔ عرفی نے ٹھیک ہی کہا تھا:

جوہر طبع من از وصف کمالت روشن
گوہر نظم من از نسبت ذاتت ممتاز

حق یہ ہے کہ نعت گوئی ہی وہ صنف سخن ہے جو فکر و خیال کی بے نام وادیوں میں بہکنے اور بھٹکنے والوں کی پریشان نظروں کو سیر چشمی کی وہ دنیا عطا کرتی ہے کہ وہ جنت کی دل آویزیوں کو بھی آنکھ اٹھا کر دیکھتے نہیں... یہاں نہ زیب داستان کے لیے کچھ بڑھانے کی کوئی حاجت ہے اور نہ بیان حسن کو کسی شعری صنعت کی ضرورت کہ مشبہ کے مقابلے میں ہر مشبہ بہ فروتر ہے... ہزار پھول شگفتہ اور وہ اک تبسم لب... ہزار عید کے چاند اور وہ اک رخ نظر افروز... خلاصۂ آیات محکمات بھی اور صداقت انوار بینات بھی کہ خود حسن آفریں بھی مشتاق دید نظر آتا ہے:

جو حسن میرے پیش نظر ہے اگر آئے !
جلوے بھی دیکھ لیں تو طواف نظر کریں

اور جناب سیّد ابوالخیر کشفی، ہدیہ تبریک کے مستحق ہیں کہ اس صنف سخن نے انھیں جمال نظر، جمال فکر اور جمال سخن عطا کیا ہے۔ عمر اب اور کیا تجھے دل دیوانہ چاہیے؟

یقین کیجیے کہ ایک مدت کے بعد ایک ایسی کتاب ملی، جسے پڑھ کر درد چھکتا اور روح مہکتی رہی اور احقر کی بے کیفیتوں کو ایک طویل عرصے کے بعد کیف ملا۔ پلکوں پر ستارے لرزتے اور موتی ٹوٹتے رہے جب کہ یہ گوہر، آنکھوں میں پتھرا سے گئے تھے۔ میں جناب کشفی کا ممنون احسان ہوں کہ ان کے طفیل وہ آنسو نصیب ہوئے جن سے دل کا غبار

ڈھلتا اور حائل حجاب اٹھتے ہیں کہنے والے چشم تر کو شعر ترا چشم گوہر بار کو عنایت پروردگار یوں ہی نہیں کہا کرتے اسی کتاب میں ایک مقام پر تحریر ہے:

میرے اشکوں سے بنے گنبد خضریٰ کی شبیہ
تیری رحمت ہو عطا دیدہ نم کی صورت

اور جب یہ آرزو شرف قبول پاتی ہے تو انکسار کا افتخار یوں ناز کرتا ہے:

ایسے عاصی بھی ہیں جو تاب نظر رکھتے ہیں
اپنی آنکھوں میں محبت کے گہر رکھتے ہیں

جناب سیّد ابوالخیر کشفی نے احقر کو ''برادر عزیز'' لکھا ہے، ایک صاحب دل، صاحب فکر اور 'صاحب نسبت' نعت گو کے قلم سے نکلنے والے یہ ''دولفظ'' میری حیات مستعار کا سرمایہ ہیں۔ کاش یہی سرمایہ، اس تن آساں، ناتواں، آلودہ داماں اور بے سرو ساماں کے لیے اخروی سرخروئی کا باعث بن جائے کہ یہاں بھی اور وہاں بھی بات کسی نہ کسی نسبت سے ہی بنے گی۔

اُمید ہے کہ آپ مع جملہ احباب بخیر ہوں گے۔

☆

حوالے

☆۱۔ ہشام علی حافظ کی نعتیہ شاعری ۔ ایک تاثر ۔ نعت رنگ ۲ ص ۲۲۱
☆۲۔ نعت کے عناصر ۔ نعت رنگ ۵ صفحہ ۲۲
☆۳۔ دیباچہ ۔ ارمغان جمیل (نعتیہ مجموعہ جمیل نقوی) صفحہ ۲
☆۴۔ غزل میں نعت کی جلوہ گری ۔ نعت رنگ ۹ صفحہ ۳۸
☆۵۔ مضمون فارسی اور اردو میں نعت کی روایت صفحہ ۴۲، ۴۴ ۔ مجلہ حضرت حسانؓ نعت ایوارڈ ۱۹۹۰ء ۔ ۱۹۹۱ء
☆۶۔ امین راحت چغتائی کی نعت گوئی ۔ نعت رنگ ۱۰ صفحہ ۲۲۴، ۲۲۶
☆۷۔ دیباچہ ۔ مدحت خیرالبشر ﷺ ۔ راغب مراد آبادی مطبوعہ ۱۹۷۹، صفحہ ۱۷
☆۸۔ دیباچہ ۔ مدحت خیرالبشر ﷺ ۔ راغب مراد آبادی مطبوعہ ۱۹۷۹، ۲۶
☆۹۔ دیباچہ ۔ مدحت خیرالبشر ﷺ ۔ راغب مراد آبادی مطبوعہ ۱۹۷۹، صفحہ ۲۷
☆۱۰۔ دیباچہ ۔ ارمغان جمیل ۔ نعتیہ مجموعہ جمیل نقوی صفحہ ۱۱
☆۱۱۔ دیباچہ ۔ ارمغان جمیل، نعتیہ مجموعہ جمیل نقوی صفحہ ۹
☆۱۲۔ غزل میں نعت کی جلوہ گری ۔ نعت رنگ ۹ صفحہ ۲۲

☆۱۳۔ غزل میں نعت کی جلوہ گری ۔ نعت رنگ ۹ صفحہ ۲۲
☆۱۴۔ غزل میں نعت کی جلوہ گری ۔ نعت رنگ ۹ صفحہ ۴۵
☆۱۵۔ دیباچہ، جادہ رحمت، نعتیہ مجموعہ، صبیح رحمانی ص ۱۱
☆۱۶۔ دیباچہ، جادہ رحمت، نعتیہ مجموعہ، صبیح رحمانی ص ۱۷
☆۱۷۔ مقام محمد ﷺ ۔ السیرۃ عالمی، شمارہ ۲، ۳، ۴
☆۱۸۔ دیباچہ، سروش سدرہ، مجموعہ کلام ارمان اکبر آبادی
☆۱۹۔ پیش گفتار، مجموعہ نعت، سید محمد ابو الخیر کشفی، نسبت صفحہ ۷
☆۲۰۔ افسر ماہ پوری کی نعتیہ شاعری، طور سے حرا تک صفحہ ۱۴
☆۲۱۔ دیباچہ نعتیہ مجموعہ ارمغان جمیل، شاعر جمیل نقوی
☆۲۲۔ دیباچہ نعتیہ مجموعہ ارمغان جمیل، شاعر جمیل نقوی
☆۲۳۔ دیباچہ ۔ افسر ماہ پوری کی نعتیہ شاعری ۔ طور سے حرا تک صفحہ ۱۶
☆۲۴۔ مقدمہ نعتیہ مجموعہ 'اساس' سرشار صدیقی صفحہ ۱۱
☆۲۵۔ نعت کے عناصر، مضمون، نعت رنگ ۵ ۔ صفحہ ۳۲
☆۲۶۔ ہشام علی حافظ کی نعتیہ شاعری ۔ نعت رنگ ۲ ۔ صفحہ ۲۱۷
☆۲۷۔ نعت اور گنجینۂ معنی کا طلسم ۔ نعت رنگ ۴ ۔ صفحہ ۳۷
☆۲۸۔ امین راحت چغتائی کی نعت گوئی ۔ نعت رنگ ۱۰ صفحہ ۲۲۹
☆۲۹۔ دیباچہ مدحت خیر البشر ﷺ ۔ نعتیہ مجموعہ راغب مراد آبادی صفحہ ۲۹
☆۳۰۔ نعت کے عناصر ۔ نعت رنگ ۵ صفحہ ۲۴
☆۳۱۔ مقالہ اردو معاشرے میں شاعری کی اہمیت
☆۳۲۔ نعت کے عناصر ۔ نعت رنگ ۵ صفحہ ۲۷
☆۳۳۔ دیباچہ اساس ۔ نعتیہ مجموعہ سرشار صدیقی مطبوعہ ۱۹۹۰ء صفحہ ۱۹
☆۳۴۔ دیباچہ سفینۂ نعت ۔ سرور کیفی مطبوعہ ۱۹۹۰ء صفحہ ۱۸
☆۳۵۔ نعت اور گنجینۂ معنی کا طلسم ۔ نعت رنگ ۴ صفحہ ۴۱
☆۳۶۔ دیباچہ رحمت لقب ۔ اقبال صفی پوری مطبوعہ ۱۹۸۸ء صفحہ ۷
☆۳۷۔ دیباچہ ۔ بصیرت ۔ نعیم تقوی مطبوعہ ۱۹۷۸ء صفحہ ۵
☆۳۸۔ دیباچہ ۔ رحمت لقب ۔ اقبال صفی پوری ۔ مطبوعہ ۱۹۸۸ء صفحہ ۹
☆۳۹۔ اسلامی معاشرے میں شاعری کی حیثیت
☆۴۰۔ دیباچہ ۔ ارمغان جمیل ۔ جمیل نقوی صفحہ ۲
☆۴۱۔ نعت کے عناصر ۔ نعت رنگ ۵ ۔ صفحہ ۲۷
☆۴۲۔ نعت کے موضوعات نعت رنگ ۶ ۔ صفحہ ۲۱
☆۴۳۔ ہشام علی حافظ کی نعتیہ شاعری ۔ نعت رنگ ۲ ۔ صفحہ ۲۱۷
☆۴۴۔ نعت اور گنجینۂ معنی کا طلسم ۔ نعت رنگ ۴ ۔ صفحہ ۲۱
☆۴۵۔ فارسی اور اردو میں نعت کی روایت ۔ مجلہ حضرت حسان نعت ایوارڈ مطبوعہ ۱۹۹۰۔۱۹۹۱ء صفحہ ۳۵
☆۴۶۔ دیباچہ سروش سدرہ ۔ ارمان اکبر آبادی
☆۴۷۔ نعت اور گنجینۂ معنی کا طلسم ۔ نعت رنگ ۴ ۔ صفحہ ۵۲
☆۴۸۔ دیباچہ ارمغان جمیل ۔ جمیل نقوی

ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتح پوری۔ بھارت

نعتیہ شاعری خارج از نصاب کیوں؟

کسی زبان کے ادبی نصاب میں اس زبان میں لکھا گیا وہ ادب مشمول ہوتا ہے جو فنون لطیفہ یا کسی معاشرے کی تہذیب و ثقافت کی عکاسی کرتا ہو یا جو سماج کے کسی مخصوص طبقے کی تہذیب و تمدن اور اس کی معاشرت و مدنیت کی نمائندگی کرے۔ اس قسم کا ادب تشنہ لبان ادب، قارئین ادب اور اس سے استفادہ کے خواہاں طلاب ادب کو وہ بصیرت عطا کرتا ہے جس سے ان کی تحقیقی بصارت میں دور رسی اور تنقیدی نظر میں بالیدگی آجاتی ہے۔

ذیل کی سطور میں اولاً اس بات پر خامہ فرسائی کی جائے گی کہ اشتمال نصاب کے لیے کسی صنف ادب، کسی شہ پارے یا کسی تخلیق کار میں کن کن عناصر کی موجودگی لازمی ہے۔

ادب کے مقاصد کی بابت نقادان ادب کے مختلف نظریے ہیں۔ بعض کے نزدیک ادب کا مقصد تفنن طبع ہے، تو بعض کے نزدیک احساس جمال کی تسکین یا انفرادی لذت کوشی۔ بعض نقاد ادب کو زندگی کی ازسرنو توثیق سمجھتے ہیں، تو بعض ادب کو ادیب کی شخصیت کا آئینہ دار یا مادی کش مکش کا دلچسپ عکس مانتے ہیں۔ کوئی ناقد ادب میں افادیت کا قائل ہے تو کوئی انسانی نفسیات کی تحلیل کا نام ادب رکھتا ہے۔ کوئی ادب میں مقصد تلاش کرتا ہے، تو کوئی ادب میں مقصد کی تلاش کو بے سود بتلاتا ہے۔ اس کے علاوہ بھی متعدد نظریات ہیں جو وقتاً فوقتاً ارباب دانش و بینش کے رشحات قلم سے بیاض قرطاس پر منتشر ہوتے رہتے ہیں۔ انسانی تاریخ کے ہر عہد اور اس کے ہر دور میں نقادان ادب نے ادب کے بارے میں اپنے اپنے نظریات، اپنے اپنے انداز میں پیش کیے ہیں۔ ان متعدد و متنوع نظریات کے پیش نظر مقاصد بھی متعدد و متنوع ہیں، لیکن یہاں تعلیمی نقطہ ہائے نظر سے ادب کے واضح مقاصد کا تذکرہ مقصود ہے۔

ادب اور زندگی کا ایک دوسرے سے گہرا تعلق ہے اور مقاصد زندگی بے کراں اور لامتناہی ہیں۔ اس لیے مقاصد ادب کی عدد شماری بھی کافی متعذر اور خاصی دشوار ہے۔ ادب کسی بھی زمانے میں بغیر مقاصد کے پیدا نہیں ہوا، لیکن یہ بات بھی درست ہے کہ کبھی بھی صرف مقصد کا نام ادب نہیں رہا۔ ادب کوئی بے معنی کاوش نہیں بلکہ اس کا مقصد کافی اہم اور عظیم ہے۔ ادب انسانی جمالیاتی روح کا اظہار اس کی تہذیب کی علامت اور اس کی بقا کی ضمانت ہے۔ اس کا مقصد انسان کو بلاتفریق ملت و مذہب، بالالحاظ ملک و قوم اور بلاتقسیم رنگ و نسل پہلے سے زیادہ مہذب، پہلے سے زیادہ ذہین، پہلے سے زیادہ کارآمد، پہلے سے زیادہ شریف النفس، پہلے سے زیادہ راست گو، پہلے سے زیادہ مشفق، پہلے سے زیادہ دردمند، پہلے سے زیادہ غیرضرررساں، پہلے سے زیادہ نیک اور پہلے سے زیادہ مہذب بناتا ہے۔ اسی کو مجملاً یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ ادب کا مقصد یہ ہے کہ وہ انسان کو خودشناس اور باطن آگاہ بنائے اور اس میں زندگی کی آگہی اور بصیرت بیدار کرے تاکہ وہ ادب سے حظ اور مسرت حاصل کرنے کے لائق بن جائے۔ ادب حسن کلام اور تاثیر کلام کا نام ہے۔ جب انسان اپنے مافی الضمیر کا اظہار حسین انداز میں اس طرح کرے کہ سننے والے پر اثر ہو تو اس قسم کا کلام ادب کہا جاتا ہے۔

کسی کام کو انجام دینے سے پہلے، مقصد کو پیش نظر رکھ کر اس کے ہر پہلو پر غور و فکر کرنا ضروری ہے۔ مقصد کے تعین کے بغیر کوئی کام حسن و خوبی کے ساتھ پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچتا۔ غور و فکر کے بغیر تکمیل کے راستے میں حائل دشواریوں اور رکاوٹوں کا اندازہ نہیں ہوتا۔ رکاوٹوں کے اندازے کے بغیر منزل مقصود تک رسائی متعذر اور دشوار ہوجاتی ہے۔ نتیجتاً انسان مایوسی کا شکار ہوجاتا ہے۔ مسلسل مایوسیوں اور ناکامیوں سے انسان میں خوداعتمادی کا فقدان ہونے لگتا ہے اور شخصیت کی نشوونما رک جاتی ہے۔ چوں کہ تعلیم بھی ایک عمل ہے، اس لیے اس کے مقاصد کا تعین بھی ضروری ہے۔ مقاصد کا تعین یا تو فرد کی ضروریات زندگی کی بنا پر ہوتا ہے یا زندگی کی کسی دوسری تقسیم کی بنیاد پر۔

ماسبق کے معروضات کے پس منظر میں زبان و ادب کی تدریس کے مقاصد مجملاً یوں پیش کیے جاسکتے ہیں۔

۱۔ طلبہ میں اس بات کی صلاحیت پیدا کرنا کہ وہ اظہار مطالب کے لیے زبان کو صحت و

صفائی اور سلاست و شائستگی کے ساتھ استعمال کریں۔

۲۔ طلبہ میں ادبیات سے شغف پیدا کرنا۔ اچھے برے اور معیاری و غیرمعیاری کی تمیز پیدا کرانا تاکہ وہ اپنے میں اچھے ادب کے مطالعے سے زندگی کی اعلیٰ قدروں کا عرفان پیدا کریں۔

۳۔ طلبہ کو اصناف سخن اور نمائندہ اسالیب بیان سے آگاہ کرانا تاکہ وہ متعلقہ ادب کے نمائندہ تخلیق کاروں کے مطالعے سے استفادہ کرکے اپنے اسلوب بیان کو نمایاں کرنے کے اہل ہو جائیں۔

۴۔ طلبہ کے خیالات، ادراکات، احساسات اور وجدانات کی تہذیب و تربیت اس طرح کرنا کہ ان میں شعر و ادب کی ان قدروں سے سچی محبت پیدا ہوجائے، جن سے انسانی زندگی عبارت ہے۔

۵۔ طلبہ کے نقاط نظر میں اتنی وسعت پیدا کرنا کہ وہ لسانی مسائل اور مسائل زندگی کو وسیع تناظر میں دیکھ سکیں اور بہ ذات خود ان مسائل کا خاطرخواہ حل تلاش کرسکیں۔

۶۔ طلبہ کو زبان کے قواعد کا مطالعہ کرانا تاکہ وہ لغوی، صرفی، نحوی امور کی باقاعدہ تربیت کے ساتھ معانی، بیان اور بدیع کے رموز و اسرار کو بہ خوبی سمجھ سکیں اور بڑے سے بڑے مفہوم کو مختصر سی مختصر عبارت کے ذریعہ ادا کرسکیں۔

۷۔ طلبہ میں جمالیاتی، تخیلی اور تخلیقی صلاحیتوں کی نشو و نما کرانا۔

۸۔ طلبہ میں شعر و ادب کے مفصل اور عمیق مطالعے کے شوق کو اس طرح بیدار کرنا کہ ان میں زبان و ادب کے عرفان کے ساتھ ساتھ ادب کی تاریخ دانی اور ادب پر تنقید کی صلاحیت بیدار ہوجائے۔

۹۔ طلبہ میں قوت استناج اور جرأت اظہار پیدا کرنا تاکہ وہ حریت فکر اور آزادئ خیال سے مکمل طور پر استفادہ کرسکیں۔

۱۰۔ تلفظ، معنی و مطلب اور ہیئت و ساخت کے نقاط نظر اور الفاظ کے باہمی فرق کو سمجھانا تاکہ وہ کسی بھی شہ پارے کے لسانی پہلوؤں سے آگاہ ہوں اور ان میں زبان کے تجزیہ کی صلاحیت نشو و نما پائے۔

۱۱۔ طلبہ میں ایسی صلاحیت پیدا کرنا کہ وہ اپنے تجربات و مشاہدات کو تصوراتی پیکر میں

ڈھال سکیں۔

۱۲۔ طلبہ میں اخذ و قبول اور رد و عزل کی صلاحیتیں پختہ کرنا تاکہ ان میں اظہارِ ذات اور اظہارِ خیال کی نشوونما ہو۔

۱۳۔ طلبہ کو خانوادہ و معاشرہ اور ملک وقوم کے لیے مفید بنانا۔

مرقومہ بالا ان تمام مقاصد کا حصول اسی وقت ممکن ہے جب کہ نصاب سازی میں ان کی رعایت مدنظر رکھی گئی ہو۔ سوء اتفاق سے کبھی بھی یہ مقاصد کما حقہ معماران نصاب کے سامنے نہیں رہے اور اسی کا ایک ثمرہ نصاب میں نعتیہ شاعری کا عدم شمول بھی ہے۔

ذیل میں راقم نعت کی بابت اپنے خیالات کو منضبط کرکے اس طرح پیش کرنا چاہتا ہے کہ اس مقالے کے قارئین کے سامنے یہ حقیقت خود بہ خود منکشف ہوجائے کہ اچھے نصاب کے لیے جو عناصر درکار ہیں وہ سب کے سب نعتیہ شاعری میں پائے جاتے ہیں اور اس کے بعد راقم ان وجوہ و علل پر روشنی ڈالے گا جن کی بنیاد پر نعتیہ شاعری نصاب سے باہر رکھی گئی ہے۔ نعت کا موضوع کافی عظیم و ضخیم اور بے کراں وسیع و عمیق ہے۔ اس میں سمندر کی ایسی وسعت اور کنویں کی ایسی گہرائی ہے۔ نعت کا منبع نبی امی، گُل سرسبد کائنات، ختمی مرتبت، محبوب رب العالمین محمد عربی و مدنی ﷺ کی ذات گرامی ہے جو صانع احسن الخالقین کی بہترین صنعت اور خلائق رب العالمین کی پہلی خلقت ہے۔ حضرت جابرؓ بن عبداللہ سے مروی ہے کہ خود نبی امی ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اے جابرؓ! اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پیش تر تمھارے نبی ﷺ کا نور اپنے نور سے پیدا کیا پھر وہ نور قدرت الٰہیہ سے جہاں جہاں منشائے خداوندی ہوا، گھومتا اور سیر کرتا رہا۔ اس وقت لوح و قلم، جنت وجہنم، ارض و سما، مہر و ماہ اور جن و انس یا ملائکہ میں سے کوئی بھی شئے معرض وجود میں نہ آئی تھی۔ پھر جب خدائے بزرگ و برتر کو خلقت کی خلقت منظور ہوئی تو اس نے اس نور کے چار حصے کیے۔ ایک حصے سے قلم، دوسرے سے لوح، تیسرے سے عرش... پیدا کیا۔☆[۱]

عم نبی حضرت عباس ابن عبدالمطلبؓ نے تخلیق نبوی ﷺ سے متعلق جو نعتیہ اشعار منبع نعت کے سامنے پیش کیے وہ اس لیے لائق رقم ہیں کیوں کہ ان میں خلقت نبوی ﷺ پر دلکش شعری اسلوب میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ اشعار اس لیے بھی قابل ذکر ہیں کیوں کہ ان اشعار کو نبی مکرم ﷺ نے سماعت فرماکر اپنے عم محترم سے فرمایا۔ ''کہو اللہ تعالیٰ تمھارے منہ کو

سالم رکھے۔[۲۶]

حضرت عباسؓ کے محولہ بالا اشعار میں سے چند چنیدہ اشعار مع ترجمہ ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں:

من قبلها طیب فی الظلال و فی
مستودع حیث یخصف الورق

(زمین پر آنے سے پہلے آپ ﷺ جنت کے سائے میں خوش حالی میں تھے اور ودیعت گاہ میں تھے جہاں پتے اوپر نیچے جوڑتے جاتے تھے)

ثم هبطت البلاد لا بشر
انت ولا مضغة و لا علق

(اس کے بعد آپ ﷺ نے بلاد کی جانب نزول فرمایا اور آپ اس وقت نہ بشر تھے نہ مضغہ اور نہ علق)

بل نطفة ترکب السفین و قد
الجم نسراً واهله الغرق

(بلکہ محض ایک مادہ مائیہ تھے کہ وہ کشتی پر سوار تھا اور نسریت اور اس کے ماننے والے ڈوب رہے تھے)

تنقل من صالب الی رحم
اذا مضیٰ عالم بدا طبق

(اور وہ مادہ صلب سے رحم تک منتقل ہوتا رہا، جب ایک طرح کا عالم گزر جاتا تھا تو دوسرا طبقہ ظاہر ہوجاتا تھا)

وردت نار الخلیل مکتما
فی صلبه انت کیف یحتر

(اس سلسلے میں آپ ﷺ نے نار خلیل میں ورود فرمایا، چوں کہ آپ ﷺ ابراہیمؑ کی صلب میں موجود تھے، اس لیے وہ کیسے جلتے؟)

حتی احتوی بیتک المهیمن من
خندف علیاء تحتها النطق

(یہاں تک کہ آپ ﷺ کا خاندانی شرف جوکہ شاہد ظاہر ہے اولاد خندف میں سے ایک چوٹی پر جاگزیں ہوا، جس کے نیچے اوپر حلقے تھے)

وانت لما ولدت اشرقت

الارض وضائت بنورک الافق

(اور جب آپ پیدا ہوئے تو زمین روشن ہوگئی اور آپ ﷺ کے نور سے آفاق منور ہوگئے)

فنحن فی ذالک الضیاء و فی النور

سبیل الرشاد تخترق

(ہم اس ضیا اور اس نور میں ہدایت کے راستے طے کررہے ہیں)

نعت کے لغوی معنی مطلق وصف کے ہیں لیکن لفظ نعت وصف کے مترادف نہیں ہے کیوں کہ وصف میں حسن و قبح دونوں ہی مشمول ہیں جب کہ نعت میں صرف حسن و فخامت شامل ہے۔ حافظ ابو موسیٰ نے نعت اور وصف کے فرق کو واضح کرتے ہوئے لکھا ہے:

"النعت وصف اشی بما فیہ من حسن مالہ الجلیل ولا یقال فی المذموم الا بتکلف متکلف فیقول نعت سوء. فما الوصف فیقال فیھما ای فی المحمود والمذموم۔"[☆۴]

یعنی نعت وصف محمود کو کہتے ہیں اگر بہ تکلف ذم (برائی) کا پہلو پیدا کرنا ہو تو نعت سوء کہیں گے۔ وصف میں وصف محمود (اچھا وصف) اور وصف مذموم (برا وصف) دونوں شامل ہیں۔ لغوی اعتبار سے نبی ﷺ کے اوصاف کا بیان خواہ وہ نثر میں ہو یا شعر میں نعت کہلاتا ہے، لیکن اصطلاح میں نعت اوصاف نبی ﷺ کے شعری اظہار کے لیے مخصوص ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی زبان اقدس سے نعت لفظ کا استعمال ان ہی معنوں میں ہوا ہے۔ اسی سلسلے میں المشکوٰۃ المصابیح کے باب اسماء النبی ﷺ وصفاتہ میں منقول ایک حدیث مکمل طور پر ذیل میں رقم کی جاتی ہے:

"عن انس ان غلاما یھودیا کان یخدم النبی ﷺ فمرض فاتاہ النبی ﷺ یعودہ فوجداباہ عند راسہ یقرء التوراۃ فقال لہ رسول اللہ ﷺ یا یھودی انشدک باللہ الذی انزل التوراۃ علیٰ موسیٰ ھل تجد فی التوراۃ نعتی و صفتی و مخرجی قال، لا، قال الفتی بلیٰ واللہ یارسول اللہ انا یجدلک فی التوراۃ نعتک وصفتک و مخرجک

وانی اشھدان لا الہ الا اللہ وانک رسول اللہ فقال النبی ﷺ لا صحابہ اقیموا ھذا من راسہ ولوا اخاکم۔☆۵

ترجمہ: ''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی لڑکا جو نبی ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا، بیمار ہوگیا۔ نبی ﷺ بہ غرض عیادت اس کے گھر تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ نے لڑکے کے سرہانے اس کے باپ کو تورات پڑھتے ہوئے دیکھ کر فرمایا۔ اے یہودی میں تم سے تم کو اس خدا کی قسم دلاکر پوچھتا ہوں جس نے حضرت موسیٰؑ پر تورات نازل فرمائی کہ کیا تم تورات میں میری نعت، میری صفت اور میرے مخرج (بعثت، ہجرت اور مدفن) کا ذکر پاتے ہو؟ اس نے انکاری جواب دیا، تو لڑکے نے کہا کہ خدا کی قسم میں تورات میں آپ ﷺ کی نعت، آپ ﷺ کی صفت اور آپ ﷺ کے مخرج کا تذکرہ پاتا ہوں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور بلاشبہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔☆۶

حضرت علیؓ نے آپ کا حلیہ بیان کرتے ہوئے اپنے لیے نعت کا لفظ استعمال کیا ہے۔☆۷ جس کے معنی نعت بیان کرنے والا ہیں۔ اس طرح نعت کا مادہ حضرت علیؓ کے یہاں اور نعت کا لفظ خود نبی اکرم ﷺ کے یہاں ملتا ہے۔

شعری پیکر میں معروف اصطلاحی معنی میں نعت لفظ کا اوّلین استعمال ایران کے مشہور شاعر نعت حکیم سنائی کے درج ذیل شعر میں ملتا ہے:

در سخن جز نعت او گفتن خطا باشد خطا
در ہنر جز نعت او گفتن ستم باشد ستم

نعت کا باقاعدہ نقطۂ آغاز ایک خاص مقصد کا رہین منت ہے۔ جب نبی رحمت ﷺ نے اعلان نبوت فرمایا تو قریش نے آپ ﷺ کے مشن کو ناکام بنانے میں اپنی تمام قوتیں صرف کر دیں۔ ابوسفیانؓ اعلان نبوت کو نبوامیہ کے خلاف بنوہاشم کی منظم سازش سمجھ رہے تھے۔ جناب ابوطالب نے اپنے بھتیجے سے اپنی غیرمعمولی محبت کی بنا پر اولاد ہاشم کو منظم کرنے کا ارادہ کیا تاکہ بنی امیہ کی سازشوں کا منہ توڑ جواب دیا جاسکے۔ جناب ابوطالب نے اپنے مقصد میں کامیابی کے لیے شعروشاعری کا سہارا بھی لیا۔ چناں چہ انھوں نے ایک شاندار قصیدہ لکھا جس میں دیگر قبائل قریش پر بنوہاشم کی برتری ثابت کرنے کے لیے نبی امی ﷺ کی ایک جان دار مدح پیش کی گئی ہے۔ ابن ہشام نے سیرت النبی ﷺ میں اس قصیدے کے سات

اشعار نقل کیے ہیں۔ جن کا خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

قبیلۂ قریش میں عبد مناف کو اور بنو عبد مناف میں بنو ہاشم کو تفوق و برتری حاصل ہے اور اگر بنو ہاشم کسی بات پر فخر کرنا چاہیں تو ان کو معلوم ہوگا کہ ان کا سرمایۂ افتخار محمد ﷺ کی ذات اقدس ہے۔ قریش کے چھوٹے بڑے سبھی ہم پر ٹوٹ پڑے لیکن ان کو ہم پر کبھی بھی بالادستی حاصل نہ ہوسکی اور ان کے دانش وروں کی ساری دانائیاں ہوا ہوگئیں۔ ہم نے کبھی بھی اپنے لیے مظلومیت کو پسند نہیں کیا اور جب دشمنوں نے ہم سے منہ ٹیڑھا کیا ہے تو ہم نے انھیں سیدھا کردیا ہے۔ ہم اپنے خاندان کے ناموس کی حفاظت کرتے ہیں اور جنگ کے موقعوں پر جس نے بھی ہماری جانب نگاہ اٹھائی ہم نے اسے مار بھگایا۔ ہماری شرافت کا یہ حال ہے کہ امن و دوستی کے ماحول میں ہمارے سائے میں ٹہنیاں بھی نہال ہوجاتی ہیں اور ان کی جڑیں نرم اور بارآور ہونے لگتی ہیں۔☆۸

جناب ابوطالب کے ایک اور لامیہ قصیدۂ نعت میں ۹۵ اشعار ہیں جن میں کا ایک اس لیے لائق رقم ہے کیوں کہ نبی اُمی ﷺ نے ایک موقع پر اپنی مبارک دعا سے بارش ہوجانے اور بادل چھٹ جانے پر اس کا حوالہ دیا تھا۔ محولہ بالا شعر ذیل میں رقم کیا جاتا ہے۔

و ابیض یستقی الغمام بوجهه

ثمال الیتمیٰ عصمة للارامل ☆۹

(آپ ﷺ روشن چہرے والے ہیں، بادل برسنے سے پہلے آپ ﷺ کے مقدس چہرے سے اجازت طلب کرتا ہے، آپ ﷺ یتیموں کی پناہ گاہ اور بیواؤں کا ٹھکانہ ہیں)

نعت کو فروغ مدینۃ النبی ﷺ میں حاصل ہوا۔ آپ ﷺ نے مشرکین مکہ کی ہجویہ شاعری کے جواب کے لیے حضرت حسانؓ کو منتخب فرمایا۔ حضرت حسانؓ کے علاوہ تین اصحاب نبی ﷺ اور ہیں جو ''شاعر رسول ﷺ'' کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں اور وہ ہیں۔ عبداللہؓ بن رواحہ، کعبؓ بن مالک اور کعبؓ بن زہیر۔

اور اس طرح یہ صنف باقاعدہ طور پر وجود میں آگئی اور تب سے آج تک بڑی آن بان کے ساتھ ترقی کی راہ پر گامزن ہے اور یہ سلسلہ اسی طمطراق کے ساتھ ابدالاباد تک چلتا رہے گا۔

نعت میں موضوع اور ہیئت دونوں اعتبار سے بے کراں وسعت ہے اس کا محور نبی

ختمی مآب ﷺ کی ذات اقدس ہے۔ آپ ﷺ کی طفولیت، آپ ﷺ کا شباب اور آپ ﷺ کی حیات مقدسہ کا گوشہ گوشہ نعت کے دائرۂ کار کے اندر ہے۔ آپ ﷺ اکمل فرد انسانی ہیں، اسی لیے آپ ﷺ کے ارشادات و فرمودات کے علاوہ آپ ﷺ کے معمولات بھی ایک شاعر نعت کو موضوعات نعت فراہم کراتے ہیں۔ آپ ﷺ کی مقدس ذات اتنی اعلیٰ و اولیٰ ہے کہ آپ ﷺ کے جانی دشمن بھی آپ کی راست گوئی اور آپ ﷺ کی دیانت داری کے قائل تھے۔ جو لوگ آپ ﷺ کی مقدس جان کے درپے تھے اور آپ ﷺ کی بابرکت اقامت گاہ کو گھیرے ہوئے تھے ان کی بھی امانتیں آپ ﷺ ہی کے پاس رکھی ہوئی تھیں۔ آپ ﷺ کو (عیاذاً باللہ) شاعر، کاہن اور مجنوں کہہ رہے تھے، لیکن اپنی تمام عداوت کے باوجود آپ ﷺ کو کاذب کہنا، ان کے بس کی بات نہ تھی، کیوں کہ یہ وہی لوگ تھے، جو مسلسل چالیس سالوں سے آپ ﷺ کو صادق الامین کہتے چلے آرہے تھے۔

نعت کا تعلق آپ ﷺ کی ذات اقدس اور اس سے متعلق و منسلک ہر شے سے ہے۔ خواہ وہ آپ ﷺ کا آبائی وطن ہو یا دارالہجرت یا وہ جذبات و احساسات و ادراکات جو آپ ﷺ کے حوالے سے انسانی ذہن یا انسانی قلب میں نمودار ہوں۔ سب ہی کا شعری بیان خواہ وہ کسی اسلوب یا کسی نہج میں ہو نعت کہلاتا ہے۔ اسی لیے موضوعی اعتبار سے جتنی وسعت اس صنف میں ہے اتنی عالمی ادب کی کسی دوسری صنف سخن میں نہیں ہے۔ اس موقع پر اس امر کا استحضار ضروری ہے کہ نعت کے مخارج و مآخذ میں بھی سمندر کی ایسی وسعت ہے۔ نعت کا مواد چار مقامات سے حاصل کیا جاتا ہے۔ (۱) قرآن کریم سے (۲) احادیث نبویہ ﷺ سے (۳) صحف سماویہ یا (۴) دیگر کتب سابقہ سے۔

قرآن کریم میں آپ ﷺ کی بابت اتنا کچھ فرمایا ہے کہ اس کا احاطہ نہ ابھی تک ہوسکا ہے اور نہ آئندہ آنے والی صدیوں میں ہوسکے گا، کیوں کہ قرآن پاک تمام سابقہ، موجودہ اور بطن مستقبل میں مکنونہ علوم و فنون کا منبع ہے۔ بطور مثال جنین، کلون، کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کے علوم خواہ کتنی ہی ترقی کیوں نہ کرلیں اور ان پر خواہ کتنی ہی ریسرچ کیوں نہ ہوجائے ان کے سوتے قرآن کریم کی ان ہی آیات مقدسہ سے پھوٹتے رہیں گے جو اس سلسلے کی اساسی اور کلیدی آیات ہیں۔ مفسرین قرآن نے نزولی اعتبار سے احکام حرام و حلال کی

آخری آیت درج ذیل آیت بتلائی ہے:

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم
الاسلام دینا ط[☆۱۰]

آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین کامل کردیا اور تم پر اپنی نعمت
پوری کر دی اور تمھارے لیے اسلام کو دین پسند کیا۔[☆۱۱]

آج سے چودہ سو سال پیش تر اکمال دین اور اتمام نعمات الٰہی کا مطلب یہ ہے کہ قیام قیامت تک اٹھنے والے سارے مسائل کا حل قرآن حکیم میں ہے۔ ضرورت اور احتیاج ہے دانا و بینا عقل کی۔ آج سے پہلے کی کائناتی تاریخ شاہد ہے کہ اس عالم آب وگل میں کوئی ایسا مسئلہ کبھی درپیش نہیں آیا جس کا حل اللہ پاک کی کتاب میں نہ ملا ہو۔

وسعت کے اعتبار سے یہی حال نعت کے دوسرے مآخذ احادیث مقدسہ کا ہے کیوں کہ آپ ﷺ کی ذات مکرم کی بابت اللہ پاک نے فرمایا ہے، وما ینطق عن الھویٰ O ان ھو الا وحی یوحیٰ[☆۱۲]

(اور نہیں بولتے اپنے نفس کی خواہش سے، یہ تو حکم ہے بھیجا ہوا)

نعت کے مآخذات کے بعد نعت کے موضوعات کی جانب ذہن مبذول کریں تو یہاں بھی وسعت کی بے نہایتی کا وہی عالم ہے۔ آپ کی نورانی خلقت اور آپ کی جسمانی تخلیق کی بابت نعتوں میں وافر ذخیرہ موجود ہے۔ جو مولود ناموں اور نور ناموں کی شکل میں محفوظ ہے۔ واقعہ معراج کے علوی سفر نے معراج ناموں کی شکل میں فلکی ادب کا اچھا خاصا ذخیرہ اکٹھا کر دیا۔ آپ ﷺ جسمانی اعتبار سے بھی کارگہِ صنعت گری کا اعلیٰ شاہکار تھے۔ حضرت حسانؓ نے کیا خوب کہا ہے۔

واحسن منک لم ترقط عینی
واجمل منک لم تلد النساء

(اور آپ ﷺ سے زیادہ حسین کو آنکھ نے کبھی دیکھا نہیں اور آپ سے زیادہ جمیل ہستی کو عورت نے کبھی جنا نہیں)

چناں چہ جب شعرائے نعت اس طرف متوجہ ہوئے تو انھوں نے سراپا نگاری سے متعلق ایک دل کش ادب تخلیق کردیا جو شمائل ناموں کی شکل میں محفوظ ہے۔

شعرائے نعت نے بہت کچھ تورات، زبور، انجیل، وید مقدس اور مہاتما گوتم بدھ کے ملفوظات سے بھی اخذ کیا ہے۔

قرآن و احادیث میں اتنی استیعابیت ہے کہ اب بھی انگنت موضوعات ایسے ہیں جو مستقبل کے بطن میں مکنوں ہیں اور بہ تقاضائے وقت ابدالاباد تک ظہور پذیر ہوتے رہیں گے۔ اس کے ثبوت میں وہ تمام مواضیع نعت ملاحظہ کریں جو بیسویں صدی کے آخری عشرے میں منظر عام پر آئے ہیں اگر پوری نعتیہ شاعری کا بہ نظر غائر مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہوکر سامنے آتی ہے کہ پہلی صدی ہجری سے لے کر اب تک کی ہر صدی کی نعتیہ شاعری میں اس صدی کے نمایاں عناصر اور اہم خوش گوار یا ناگوار واقعات دھڑکتے ہوئے محسوس کیے جاسکتے ہیں۔ راقم جب اپنے ماسبق کے معروضہ کا جائزہ صرف عہد نبویﷺ اور مابعد عہد نبویﷺ کی نعتیہ شاعری کو سامنے رکھ کر لیتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ ہر دو ادوار کے مقتضیات کے جدا ہونے کے باعث دونوں زمانوں کی نعتیہ شاعری کے مواد اور اسلوب میں نمایاں فرق ہے۔ عہد نبویﷺ کے شعرا ایک خاص مقصد کی تحصیل کے لیے اشعار کو بطور آلات استعمال کرتے تھے۔ وہ عصری تقاضوں کو سامنے رکھ کر نصرت دین اور اشاعت حق کی خاطر یا باطل پرستوں کی شعری کاوشوں کے جواب میں اشعار کہتے تھے۔ خلفائے راشدین کے بعد جو ملوکیت کا دور آیا اور مسلمان تعیش میں پڑ گئے تو ان کی تہذیب و تمدن اور ان کی اسلامی زندگی مائل بہ زوال ہوگئی۔ وہ انحطاط کی اس منزل پر پہنچ گئے جہاں نہ توان کے لیے جہاد کی مصروفیتیں تھیں اور نہ اشاعت دین کی قابل ذکر خدمات کی انجام دہی کے فرائض، اس لیے جذبات عشق کے اظہار کے لیے، اشعار کو آلۂ کار بنایا گیا اور جذبات عشق کی تسکین ان کا شعری مقصد قرار پایا۔ ان کے کلام کی امتیازی خصوصیات رقت، سوز و گداز اور عشق کا والہانہ اظہار بیان ہے۔ عہد نبویﷺ کے شعرا جذبات عشق کا اظہار افعال و اعمال سے کرتے تھے جب کہ عہد نبویﷺ کے بعد کے شعرا نے عشقیہ جذبات، وارفتگیٔ شوق اور والہانہ محبت کا اظہار اشعار سے کیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں سوز و گداز اور رقت دور اول کے شعرا کے مقابلے میں زیادہ ہے۔ اسی طرح اگر سابقہ چودہ صدیوں کی نعتیہ شاعری کا عہد بہ عہد مطالعہ کیا جائے تو ہر صدی کی نعتیہ شاعری اپنے دور کے مخصوص واقعات اور اپنے عہد کے ممتاز رجحانات کا آئینہ نظر آئے گی۔

ہر تخلیق کار اپنے عہد کا پروردہ ہوتا ہے۔ وہ جس عہد میں رہتا ہے اس کا بہترین ترجمان اور نقیب ہوتا ہے۔ ایران کے مشہور شاعر خاقانی (جو حسان العجم کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں) کی نعتیہ شاعری کا جائزہ لیجیے تو صاف پتا چلتا ہے کہ اس کی نعتوں میں زہد و عزلت، دین داری، شیفتگیٔ عشق اور وفور جذبات کا برملا اظہار ہے۔ اس نے ہر جگہ روحانیت اور ایمان کی بنیادی اہمیت پر زور دیا ہے۔ وہ سدا حکمت یزداں کو حکمت یونان پر تفوق و برتری عطا کرتا ہے۔ اس نے مختلف مذہبی و نیم مذہبی، تاریخی، فقہی، طبی، فلکی، ہیئتی اور منطقی اصطلاحات کا سہارا لے کر اپنے نعتیہ ادب کی تخلیق کی ہے۔ اس کے یہاں الفاظ میں شکوہ، کلام میں پختگی، بیان میں زور، فکر میں لطافت، تخیل میں بلندی، تشبیہات و استعارات میں ندرت، اظہار میں خلوص اور اسلوب میں بداعت ہے۔ صنائع و بدائع کے استعمال میں بھی اس کی نظر بہ سے بہتر کی طرف رہتی ہے۔ واقعہ نگاری، مرقع نگاری، منظرنگاری اور جذبات نگاری میں مہارت و محاربت، لہجے کی متانت و سنجیدگی اور جوش کی فراوانی اور زور نے اس کی نعتیہ کاوشوں میں ایک خاص تازگی اور شادابی پیدا کردی ہے۔ تشبیہات و استعارات میں تحرک و تموج ہے اور وجہ شبہ عموماً کئی چیزوں سے حاصل ہوتی ہے۔ اس کے یہاں عصری حالات، مذہبی معلومات، قرآنی اور اسلامی واقعات کا استعمال نتیجہ خیز انداز میں ملتا ہے۔ سریانی نصرانیت کی اصطلاحیں، نصرانی عقائد، مذہبی کتاب انجیل اور نصرانی تاریخ کے حوالہ جات بھی اس کے کلام میں خاص مقام رکھتے ہیں، اس کی نعتوں میں مضامین کے اعتبار سے بھی کافی وسعت ہے۔ اس نے نعت میں رنگارنگ مضامین داخل کیے اور اپنی نعتیہ کاوشوں کے ضمن میں پند و نصائح اور اخلاقی تعلیمات کو بھی خصوصی جگہ دی اور یہ سب کچھ اس لیے ہے کیوں کہ اس کے عہد میں ایرانی معاشرے کے تقاضے کم و بیش وہی تھے۔ جہاں تک اس کے کلام میں انجیل اور نصرانی حوالہ جات کا سوال ہے تو یہ اس کے خانوادی اثرات کا نتیجہ ہے۔ واضح ہو کہ خاقانی کی ماں نسطوری عیسائی تھی۔

تخلیق اور تخلیق کار پر عہدی، زمانی اور مقامی اثرات کے سلسلے میں مزید وضاحت کی خاطر، عالمی نعتیہ شاعری کی تاریخ سے صرف نظر کرکے اردو کی نعتیہ شاعری کی تاریخ سے صرف تین مثالیں درج کی جاتی ہیں۔

اردو ادب کی تاریخ میں محمد قلی قطب شاہ کی ایک علیحدہ شناخت ہے۔ وہ اس دور کا

شاعر ہے جب یورپ اور ایشیا ہر جگہ نشاۃ ثانیہ کے دروازے کھل رہے تھے۔ انگلستان میں ملکہ الزبتھ، شیکسپیئر اور بیکن اپنے عہد کی نمائندگی کررہے تھے۔ ایران میں عباس صفوی تخت سلطنت پر متمکن تھا اور وہ فنون و ادب اور تہذیب و مذہب کو ہمہ جہتی ترقی دے رہا تھا۔ شمالی ہند میں اکبراعظم، ابوالفضل، فیضی، عبدالرحیم خان خاناں، عرفی، ملا عبدالقادر بدایونی اور تلسی داس جی اپنے عہد کی نمائندگی کر رہے تھے۔ دکن میں محمد قلی قطب شاہ ملک و ادب کے ہمہ جہتی ارتقاء کے لیے کوشاں تھا۔ ہندوستان میں ہندو مسلمان ایک دوسرے کی تہذیب و معاشرت کے اثرات باہم اخذ کررہے تھے اور ایک ملی جلی تہذیب انگڑائی لے رہی تھی۔ ہندوی تہذیب اور ہندوستانی رسوم و معتقدات سے غیر معمولی دلچسپی کا ثمرہ ہے کہ محمد قلی قطب شاہ نے اپنی شاعرانہ رنگ رلیوں میں منبع نعت کی ذات گرامی کو (عیاذاً باللہ) اسی طرح شامل کرلیا جس طرح ہندوؤں نے اپنی رسموں میں شری کرشن کو شامل کر رکھا تھا۔ محمد قلی قطب شاہ کی نعتوں کا یہ رنگ اس کے عہد کی اسی افتادِ طبع کا نتیجہ ہے۔ وہ خود عید میلادالنبی ﷺ اور شب معراج کی تقریبیں بڑے تزک و احتشام کے ساتھ مناتا تھا اسی لیے اس کی نعتوں میں مثالی رنگا رنگی نظر آتی ہے۔ محمد قلی قطب شاہ کی اس نفسیاتی کشاکش کی صراحت کو راقم نے اپنی کتاب ''اردو شاعری میں نعت'' کی جلد اوّل میں قلم بند کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''چوں کہ اس کا اعتقاد تھا کہ خدا کی مرضی کے بغیر پتا نہیں ہلتا اسی لیے مذہب اس کو عزیز تھا۔ مذہب سے اس کا عشق ثانوی حیثیت رکھتا ہے۔ مذہب سے اس کی دلچسپی اس لیے ہے کیوں کہ زندگی، حکومت، عروج دنیوی تمکنت و وقار اور رعب و دبدبہ اسی کی امداد سے حاصل ہوتا ہے اور عشق اسی لیے دلچسپیوں کا محور ہے کیوں کہ اس سے لطف، رنگینی اور لذت حاصل ہوتی ہے۔ اس کی شاعری میں عشق و مذہب ہر جگہ اسی طرح مدغم دکھائی دیتے ہیں۔''[☆۱۳] چند اشعار بطور نمونہ ملاحظہ ہوں:

نبی ﷺ صدقے قطب شہ تائیں جم جم
سہادیں رنگ بھرے حساں پٹھانی
تن ٹھنڈت لرزت جوبن گرجت
پیا مکھ دیکھت کنچلی کس بکسے آج

لیکن پھول دیسے ستارے آسماں
اس زمانے کی پری پدمنی آئے آج
حضرت مصطفیٰ ﷺ کے صدقے آتا برش کالا
قطب شاہ عشق کرو دن راج

حسان الہند محسؔن کاکوروی (جسمانی عرصۂ حیات ۲۷۔۱۸۲۶ء تا ۱۹۰۵ء) کا شعری عرصۂ حیات ۱۸۴۲ء سے ۱۸۹۳ء تک کی درمیانی مدت کو محیط ہے۔ یہی وہ دور ہے جب ساری ملت اسلامیہ کشاکش حیات و ممات میں مبتلا تھی۔ مسلم قوم عالم گیر پیمانے پر ادبار و نکبت کا شکار تھی۔ محسؔن کاکوروی کے نعتیہ کلام میں اس کے واضح نقوش دکھلائی دیتے ہیں۔ ثبوت میں ان کے لامیہ قصیدے سے چند اشعار نقل کیے جاتے ہیں:

جانب قبلہ ہوئی ہے یورش ابر سیاہ
کہیں پھر کعبے میں قبضہ نہ کریں لات وہبل
کبھی ڈوبی کبھی اچھلی مہ نو کی کشتی
بحر اخضر میں تلاطم سے پڑی ہے ہلچل
جس طرف دیکھیے بیلے کی کھلی ہیں کلیاں
لوگ کہتے ہیں کہ کرتے ہیں فرنگی کونسل
صاف آمادۂ پرواز ہے شاہا کی طرح
پر لگائے ہوئے مژگان صنم سے کاجل

اسی عہد کے دوسرے شاعر منیؔر شکوہ آبادی کی نعتیہ شاعری ملاحظہ کریں، تو اس سے بھی راقم کے نظریے کی تائید ہوتی ہے۔ انھوں نے کبھی تمہید اور کبھی مدح کے بعد اپنے نجی حالات اور اپنی ذاتی مشکلات کو سچائی کے ساتھ نظم کیا ہے۔ ان کا نعتیہ قصیدہ معنون بہ "فریاد زندانی" اسی سخت قید و محن کی یادگار دستاویز ہے۔

مٹا ہے نام شاہی ہند سے اس درجہ ان روزوں
نہیں ممکن کہ اب بانات بھی کہلائیں سلطانی
نکل کر ہند سے آنا ہوا جب اس جزیرے میں
اسیروں کی سیہ بختی سے کالا ہوگیا پانی

حالی کی مشہور نعتیہ مناجات ''شکوہ ہند'' ۱۸۸۸ء کی تخلیق ہے۔ انھوں نے اس مختصر سی شعری کاوش میں مسلمانوں کی عالمی زبوں حالی کا نقشہ کچھ اس طرح کھینچا ہے کہ ان کی یہ مختصر سی نعتیہ کاوش اس وقت کی امت مسلمہ کے حال زار کا ایک مرقع نظر آتی ہے۔

جو تفرقے اقوام کے آیا تھا مٹانے
اس دین میں خود تفرقہ اب آ کے پڑا ہے
جس دین نے تھے غیروں کے دل آکے ملائے
اُس دین میں خود بھائی سے اب بھائی جدا ہے

بہرحال یہ ایک حقیقت ہے کہ تخلیق کار کا ذاتی اور عمومی ماحول سے متاثر ہونا لازمی ہے۔ وہ اپنے ماحول سے فرار اختیار نہیں کرسکتا۔ اگر وہ ایسا کرنا بھی چاہے تو بین السطور میں بہت ساری ایسی باتیں آجائیں گی جو اس کے ماحول کی چغلی کھائیں گی۔ نعت کا شاعر بھی ایک تخلیق کار ہے۔ اس لیے اس کے یہاں بھی کائناتی صداقتیں اور واقعاتی حقیقتیں کچھ اس طرح نظم ہوگئی ہیں کہ ان میں ضرب المثل کی شان آگئی ہے۔ عربی کے مشہور شاعر میمون ابن قیس اعشیٰ کا درج شعر ملاحظہ کریں۔☆[۱۴]

شباب و شیب و افتقار و ثروۃ
فللّٰہ ھذا الدھر کیف ترددا
(جوانی، بڑھاپا، تنگی اور خوش حالی، زمانہ کیسے کیسے پلٹے کھاتا ہے)

اردو کے نعتیہ سرمایے سے بھی اسی قبیل کا ایک شعر ملاحظہ کریں۔ اس شعر کے تخلیق کار اردو کے مایہ ناز شاعر منیر شکوہ آبادی ہیں۔

چنے کھانے کو ترسیں صاحبان گوہر عالی
صدف کو دے نوالہ موتیوں کا ابر نیسانی

نعتوں میں تشبیہات و استعارات کے علاوہ صنائع و بدائع اور تلمیحات کو بھی خصوصی مقام حاصل ہے۔ تلمیح کی علت نمائی ایجاز و اختصار ہے۔ تلمیحات تضیع اوقات سے بچاتی ہیں وہ چند لفظوں کی مدد سے طول و طویل قصے کے برقی اثرات ذہن میں مرتب کرنے کی زبردست قوت رکھتی ہیں وہ کلام میں تنوع پیدا کرتی ہیں اور قاری و سامع کو یکسانیت کی اکتاہٹ سے محفوظ رکھتی ہیں۔ یہ کہنا بجا ہے کہ تلمیحات کا جس قدر اور جس جس طرح استعمال

نعت میں ہوا ہے اتنا ادب کی کسی دوسری شق میں نہیں ہوا۔ نعت نے تلمیحات کے ذریعے اپنی تحسین و تزئین کے علاوہ زبان و ادب کو بہت سی ایسی تلمیحات بھی عطا کی ہیں جو اسے کسی دوسرے وسیلے سے حاصل نہ ہوسکتی تھیں۔ راقم نے اس قبیل کی تلمیحات میں سے چند کو اپنی کتاب ''نعتیہ شاعری کا ارتقا'' (مطبوعہ ۱۹۸۸ء) کے باب اوّل میں ایک ضمنی عنوان ''نعت و تلمیحات'' کے تحت جمع کردیا ہے۔

ماقبل کے معروضات سے یہ بات مکمل طور پر واضح ہوجاتی ہے کہ موضوعاتی اعتبار سے جس قدر وسعت گہرائی اور گیرائی نعت میں ہے۔ اتنی شعر و شاعری کی کسی دوسری صنف میں نہیں ہے۔ یہی حال نعت کی ہیئتی حیثیت کا بھی ہے نعت ایک موضوعاتی صنف سخن ہے اور وہ کسی بھی ہیئت میں کہی جاسکتی ہے اسی لیے اس لحاظ سے بھی اس میں بہت وسعت ہے۔ ہر عہد کی نعتیہ شاعری ان تمام ہیئتوں میں تخلیق ہوتی چلی آرہی ہے جو اس عہد میں مروّج تھیں۔ عالمی ادب کی تاریخ میں کوئی ایسی ہیئت نہیں مل سکتی جس میں نعتیہ کاوشیں نہ ہوں۔ راقم کی زیرنگرانی ڈاکٹر شکیلہ خاتون نے ''اردو نعت کا صنفی و ہیئتی مطالعہ'' موضوع پر اپنا پی۔ ایچ ڈی کا مقالہ تحریر کیا ہے۔ موصوفہ نے اس مقالے میں اردو نعت کا صنفی و ہیئتی مطالعہ کافی ژرف نگاہی سے کیا ہے۔ ان کے اس مقالے کی ضخامت ۵۲۶ صفحات ہے۔ اردو نعت کا بیش بہا سرمایہ مثنوی، قصیدہ، غزل، سلام، رباعی، مرثیہ، نظم، ترکیب بند، ترجیع بند، مستزاد، قطعہ، مثلث، مربع مخمس، مسدس، معشر، نظم معریٰ، گیت اور آزاد نظم کے علاوہ ایشیائی اور مغربی ہیئات ازقسم سانیٹ، ہائیکو، ترائیلے اور ماہیہ میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ، ٹھمری، شیام کلیان اور ترانہ کے بولوں میں بھی نعتیں کہی گئی ہیں۔

منبع نعت نبی عربی ﷺ افصح العرب ہیں۔ آپ ﷺ نے فصاحت و بلاغت کی اہمیت اس ارشاد مبارک کے ذریعے بھی ذہن نشین فرمائی ہے، ان من الشعر حکمہ [☆۱۴] ان من البیان لسحرا [☆۱۵] (شعر میں فلسفہ اور دانائی ہے، بیان میں جادو ہے) یہ ایک تاریخی صداقت ہے کہ نبی ختمی مآب ﷺ اشعار سماعت فرماتے تھے اور اچھے اشعار کو تحسین و تعریف سے نوازتے تھے۔ ابوشریدؓ سے مروی ہے کہ ایک بار وہ آپ ﷺ کے ساتھ سواری میں آپ ﷺ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے موصوف نے آپ ﷺ کو اُمیہ بن صلت کے سو اشعار سنائے اور آپ ﷺ ہر شعر پر یہی ارشاد فرماتے تھے کہ ''اور سناؤ'' [☆۱۶] آج جو نیچرل شاعری کی دُھوم

ہے اور ہر فن کار حقیقت پسندی کی بات کرتا ہے آپ ﷺ نے آج سے چودہ سو سال پہلے اس قبیل کی شاعری کو پسند فرمایا تھا۔ آپ ﷺ نے ایک بار ارشاد فرمایا تھا کہ سب سے زیادہ سچا کلمہ جو کبھی کسی نے کہا ہے وہ لبیدؓ کا یہ کلمہ ہے، الا کل شئ ما خلا اللہ باطل[☆۱۷] (آگاہ ہوجاؤ اللہ پاک کے علاوہ ہر چیز فانی اور دھوکہ ہے) مبالغہ آرائی اور کذب بیانی کی مذمت خود کلام ربانی میں اس طرح وارد ہوئی ہے۔ والشعراء یتبعهم الغاٶن O الم تر انهم فی کل واد یهیمونO وانهم یقولون مالا یفعلون O (اور شاعروں کی پیروی گم راہ کرتے ہیں کیا تم نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر نالے میں سرگرداں پھرتے ہیں اور وہ کہتے ہیں جو نہیں کرتے) نبی اکرم ﷺ کو ایسے مبالغے سے شدید نفرت تھی جو اصل واقعے کا مثلہ کردے یا جو اس کی صورت بدل دے۔ آپ ﷺ کو وہی اشعار پسند تھے، جن میں واقعیت ہو، صداقت شعری ہی کی بنا پر آپ ﷺ نے عنترہ کے کلام کو سن کر اس سے ملنے کا اشتیاق ظاہر فرمایا تھا۔ واقعہ یوں ہے کہ ایک بار آپ ﷺ کو سبعہ معلقہ کے مشہور شاعر عنترہ کا یہ شعر سنایا گیا:

ولقد ابیت علی الطوی واظله

حتیٰ انال به کریم الماکل

(میں نے بہت سی راتیں محنت شاقہ میں بسر کیں تا کہ میں اکل حلال کے قابل ہوجاؤں)

اس شعر کو سماعت فرما کر آپ ﷺ بہت محظوظ ہوئے اور آپ نے فرمایا ما وصف لی اعرابی، قط ناجبت ان اراہ الا عنترۃ[☆۱۹] (عنترہ کے علاوہ کسی عرب کی تعریف سن کو میرے دل میں اس کا شوق ملاقات پیدا نہیں ہوا)۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور پرنور ﷺ کے نزدیک آرٹ حیات انسانی کے تابع ہے جو آرٹ انسان کو کاہلی، جمود اور عیاشی سے نفرت دلاکر اس کو اکل حلال اور محنت و مشقت کی ضرورت کی طرف متوجہ کرے وہی آرٹ قابل قدر ہے۔ فن برائے زندگی ہے نہ فن برائے فن۔ لیکن اس کے ساتھ ہی آپ نے ایسے اشعار بھی سماعت فرمائے ہیں جن کا اصل مقصد تفنن طبع تھا۔ سبعہ معلقہ کے شاعر زہیر ابن ابوسلمیٰ کے پسر ارجمند کے اسی نعتیہ قصیدے کی تشبیب ملاحظہ فرمائیں جس کے اکیانویں شعر پر آپ ﷺ نے شاعر کو بہ طور انعام اپنی چادر مرحمت فرمائی تھی، تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اس میں شاعر نے سعاد نام کی ایک فرضی عورت سے تشبیب حاصل کی ہے۔ اس تشبیب کے اکثر اشعار میں بلا کا تغزل ہے صرف دو اشعار بطور

نمونہ ذیل میں مندرج کیے جاتے ہیں:

وما سعاد غداة البین اذ رحلو

الا اغن غصیص الطرف مکحول

(میری محبوبہ سعاد بہ وقت صبح فراق کوچ کے وقت بالکل ایسی لگتی ہے جیسی پیاری آواز کی گنگناتی ہوئی اور حیا کے سبب گھور کر اور تیز نظر سے نہ دیکھنے والی ہرنی یا نرگس بیمار سرگیں آنکھوں والا غزال رعنا)

هیفاء مقبلة عجزاء مدبره

لا یشتکی منها ولا طول[۲۰]

(وہ سعاد جب سامنے سے دیکھی جاتی ہے تو باریک کمر معلوم ہوتی ہے اور جب پیچھے سے دیکھی جاتی ہے تو کلاں سرین معلوم ہوتی ہے نہ اس کی کوتاہ قامتی کی شکایت کی جاتی ہے اور نہ درازئ قد کی بلکہ وہ متوسط القامت اور درمیانہ قد ہے)

نبی اکرمﷺ تنقید میں معروضی انداز بیان پسند فرماتے تھے۔ اسی لیے آپﷺ نے امراؤ القیس کی بابت جو کہ عہد اسلام سے چالیس سال پیش تر کا شاعر ہے ارشاد فرمایا، ''اشعر الشعرا'' (بے شک وہ شاعروں میں سب سے بڑا شاعر ہے) آپﷺ نے اس کو سب سے بڑا شاعر اس کی فن کاری کی بنا پر فرمایا ورنہ اس کے بیش تر اشعار مخرب اخلاق ہیں اور اسی باعث جب آپ نے اس کے کلام کی افادیت کے بارے میں اپنی وقیع رائے ظاہر فرمائی تو اس کو ''وقائدهم الی النار''[۲۱] (اور شعرا کو جہنم لے جانے والا) بتلایا۔

آپ ایسے کلام کو پسند فرماتے تھے جو حشو و زوائد سے پاک ہو۔ کعب بن زہیر نے اپنے قصیدہ بانت سعاد کا اکیانواں شعر اولاً اس طرح پڑھا تھا:

ان الرسول لسیف یستضاء به

مهند من سیوف الهند مسلول

آپ نے اس کو حشو کے عیب سے پاک کرتے ہوئے تخلیق کار سے فرمایا کہ اس کو یوں پڑھو:

ان الرسول لنور یستضاء به

مهند من سیوف الله مسلول[۲۲]

سابقہ معروضات سے یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ زبان و ادب کی تدریس کی بابت راقم نے جو تیرہ باتیں اس مقالے کے ابتدائی صفحات میں رقم کی ہیں۔ وہ ساری کی ساری نعتیہ شاعری میں پائی جاتی ہیں۔ اسی لیے یہ بات بلاخوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ نعتیہ شاعری اس معنی میں منفرد ہے کہ عالمی ادب کی کسی دوسری صنف یا ہیئت ادب میں اتنی صلاحیت اور سکت نہیں ہے کہ وہ تمام تدریسی مقتضیات کو تنہا پورا کر سکے۔

لیکن یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ معماران نصاب اور مؤرخین ادب نے نصاب کی تعمیر اور ادب کی تاریخ مدون کرتے وقت اتنی اہم، مفید اور عظیم و ضخیم صنف شاعری سے سدا اغماض برتا ہے۔ مغربی علوم سے متعلق اداروں (کالجوں اور یونی ورسٹیوں) کے نصاب کے علاوہ مشرقی علوم کے نصاب سے بھی اس کو باہر رکھا گیا۔ درس نظامی میں قرآن و حدیث کی تفہیم کے لیے متعدد علوم مثلاً لغت، انشا، ادب، صرف، نحو، معانی، بیان، بدیع، عروض، منطق، فلسفہ، ریاضیات ہیئت وغیرہ کو داخل نصاب کیا گیا لیکن یہاں بھی نعت کو شامل نصاب نہیں کیا گیا۔ راقم یہ سب کچھ اپنے ذاتی تجربے کی بنیاد پر کہہ رہا ہے کیوں کہ اس نے خود باقاعدہ درس نظامی کی تعلیم حاصل کی ہے۔

اب تک کے معروضات کا ماحصل یہ ہے کہ نصاب کی تشکیل میں جن عناصر کی ضرورت ہے اور جو عناصر مقاصد تدریس ہیں وہ سب کے سب نعتیہ ادب میں پائے جاتے ہیں لیکن یہ ایک حیرت انگیز اور افسوس ناک حقیقت ہے کہ نعتیہ ادب کو ہمیشہ نصاب سے خارج رکھا گیا۔ ایک دو نعتیں اگر شامل نصاب کی بھی گئیں تو نعت کی حیثیت سے نہیں بلکہ قصیدے کی حیثیت سے اور نعت کو شجرۂ ممنوعہ سمجھ کر اس نام سے کلی طور پر اجتناب کیا گیا۔ مثلاً سوداؔ کی مشہور نعت جس کا مطلع ہے:

ہوا جب کفر ثابت ہے وہ تمغائے مسلمانی
نہ ٹوٹی شیخ سے زنار تسبیح سلیمانی

نصاب میں داخل ہے لیکن اس کا تعین نعت کے نام سے یا قصیدہ در نعت کے نام سے نہیں کیا گیا، بلکہ مطلع کے مصرعۂ اولیٰ کو لکھ کر شامل نصاب کیا گیا۔ اسی طرح محسنؔ کی مشہور نعت کو، جو قصیدہ مدیح خیرالمرسلین کے نام سے مشہور ہے، قصیدے کے تحت اس کے مطلع کے

پہلے مصرعے ''سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل'' کو نقل کرکے نصاب میں شامل کیا گیا۔ واضح ہو کہ عالمی ادب میں ایسے شاعروں کی تعداد نہیں کے برابر ہے۔ جنھوں نے اپنی زندگیاں صرف نعت کے لیے وقف کردی ہوں اور شاعری کی کسی دوسری صنف کی جانب کبھی رخ نہ کیا ہو۔ عام طور پر شعرائے نعت وہی شعرا ہیں جنھوں نے مروجہ اصناف سخن پر طبع آزمائی کے ساتھ اچھی نعتیہ شاعری پیش کی ہے اور مضحکہ خیز بات یہ ہے کہ یہی شعرا جب نعت کے علاوہ اصناف پر اپنی شاعرانہ صلاحیتیں صرف کرتے ہیں تو نصاب میں شامل کیے جاتے ہیں اور جب اپنی فنی صلاحیتیں بروئے کار لاکر اچھی نعتیں تخلیق کرتے ہیں تو خارج از نصاب متصور کیے جاتے ہیں۔

ذیل کی سطور میں وہ مخصوص وجوہ و اسباب تلاش کیے جائیں گے جن کی وجہ سے اس بلند پایہ صنف شاعری کو نصابی سماج سے باہر رکھا گیا۔

راقم کے نزدیک اس مقدس اور کارآمد صنف کو نصاب سے باہر رکھے جانے کی ایک خاص وجہ یہ مفروضہ ہے کہ نعت تنقید سے بالاتر ہے۔ یہ غلط خیال اس قدر رائج ہوگیا کہ ہر ایک نے یہی سوچا کہ نعت کے شامل نصاب ہوجانے پر نعت اور نعتیہ شہ پاروں پر لازماً تنقید ہوگی اور نعت پر تنقید نبی رحمت ﷺ پر تنقید کے مترادف ہے اور تنقید کے اس عمل سے پیغمبر ختمی مرتبت کا تقدس مجروح ہوگا۔ نعت اور نعتیہ شہ پاروں کو تنقید کی کسوٹی پر پرکھنے سے پیغمبر اسلام کی شان ارفع و اعلیٰ کی ہلکی سے ہلکی تنقیص کا کوئی سوال نہیں اٹھتا۔ آپ افضل الخلائق اور سراپا نور ہیں۔ آپ ﷺ کائنات کے لیے مشعل راہ ہیں اور تنقید سے بالاتر ہیں۔ کائنات میں کوئی شے اس قابل نہیں ہے کہ وہ آپ کے لیے مشبہ بہ بن سکے۔ شاعر رسول ﷺ حضرت حسانؓ کے لفظوں میں آپ ہر عیب اور ہر نقص سے مبرا پیدا فرمائے گئے۔☆[۲۳] نعتیہ شاعری پر تنقید کا مطلب اس کے اور اس کے تخلیق کاروں کے حسن و قبح کا فنی تجزیہ کرنا ہے۔ ماقبل میں عرض کیا جاچکا ہے کہ نبی ختمی مرتبت ﷺ نے کعب ابن زہیر کے اکیانویں شعر سماعت فرما کر اس میں موجود فنی اسقام کی نشان دہی اصلاح کے ذریعے فرمائی تھی۔ معرض بحث شعر کے اصل متن اور اصلاح کے بعد کے متن کا استحضار کریں تو واضح ہوگا کہ آپ ﷺ نے سیف کو نور سے اور ''الہند'' کو ''اللہ'' سے متبدل فرمایا تھا۔ ضوء (چمک) کا تلازمہ ''سیف'' نہیں ''نور'' ہے۔ آپ نے اصلاح کے اس جزو میں تلازمے کی غلطی کی جانب اشارہ فرمایا۔ ''مہند''

کے معنی ہندوستانی تلوار یا ہندوستانی لوہے سے بنی ہوئی تلوار ہیں۔ یہ لفظ اسی مفہوم میں فصحائے عرب کے مابین مستعمل ہے۔ سبعہ معلقہ کے مشہور شاعر طرفہ نے اپنے مشہور معلقہ میں اس لفظ کو ان ہی معنوں میں دوبارہ استعمال کیا ہے۔ متعلقہ اشعار ملاحظہ ہوں:

"وظلم" ذوی العربی اشد مضاضة

علی اعرء من وقع الحسام المهند ☆۲۵

(شعر نمبر ۸۰)

(اور بھائی بندوں کا ظلم آدمی پر بہت تکلیف دہ ہوتا ہے اور ان کا ظلم ہندی تلوار کے وار سے بھی زیادہ سخت ہے)

والیت لاینفک کشحی بطانة

لعضب رقیق الشفر تین مهند ☆۲۶

(شعر نمبر ۸۵)

(اور میں نے قسم کھائی ہے کہ ایسی تلوار سدا میرے پہلو کا استر بنی رہے گی جو پتلی اور باریک باڑھ کی ہو، ہندوستانی ہو اور دو دھاری ہو)

شاعر رسول ﷺ حضرت حسانؓ کے یہاں ان ہی معنوں میں "مہند" لفظ کا استعمال ملاحظہ ہو:

فامسیٰ سراجا مستنیراً وهادیا

یلوح کمالاح الصیقل المهند

(پس آپ ﷺ روشن چراغ ہوگئے۔ آپ ہمارے ہادی بنے۔ آپ ﷺ اسی طرح چمکتے ہیں جس طرح ہندوستانی صیقل کی ہوئی تلوار چمکتی ہے)

"مہند" میں "من سیوف الہند" شامل ہے۔ کعب بن زہیر کے منقولہ بالا شعر میں حشو قبیح کا عیب تھا۔ نبی مکرم ﷺ نے "الہند" کو "اللہ" سے متبدل فرما کر اس عیب کو دُور ہی نہیں فرمایا بلکہ شعر کے حسن کو دوبالا کر دیا۔

اس موقع پر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ آپ ﷺ نے اس شاعر کو اصلاح دی ہے جس کے پورے خاندان کو شاعری سے جبلی مناسبت تھی۔ کعب کے والد سبعہ معلقہ کے ممتاز شاعر اور علمائے نکتہ رس کے نزدیک امراؤ القیس اور نابغہ ذبیانی کے ہم پلہ تھے۔ حضرت ابوبکرؓ

ان کو تمام شعرا پر فضیلت دیتے ہوئے "شاعر الشعرا" کے لقب سے یاد کرتے تھے۔[☆۲۸] ابن ابی زہیر کی نسبت حضرت عمر فاروقؓ کہا کرتے تھے "انہ اشعر الشعرا لانہ لایمدح الا مستحقا" (وہ شعرا میں افضل ہے کیوں کہ وہ اسی کی مدح کرتا ہے جو مستحق مدح ہو)۔ کعب کے نانا اوس بن حجر اپنے دور کے بڑے شاعر تھے۔ کعب کی دونوں پھوپھیاں سلمٰی اور خنساء عرب کی مشہور شاعرہ تھیں۔[☆۲۹] کعب کے بھائی بجیرؓ کا شمار اپنے عہد کے قابل ذکر شاعروں میں ہوتا تھا۔

معروضہ بالا واقعے سے یہ بات منکشف ہوئی کہ نبی ﷺ کے نزدیک نعت تنقید سے بالاتر نہیں ہے اور بڑا سے بڑا شاعر اور اچھا سے اچھا ادب پارہ انتقاد کی خراد پر چڑھایا جائے گا تاکہ کلام عیوب و نقائص سے پاک و صاف ہوکر منظرِ عام پر آئے۔

اسی سلسلے میں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ قدما کے یہاں نعتیہ ادب پر تنقید کے نمونے ملتے ہیں۔ ملک القصائد سوداؔ نے میر محمد تقی تقی عرف میر گھاسی کے سلام و مرثیہ کی شرح "سبیل ہدایت" کے نام سے لکھی۔ جو کلیات سوداؔ جلد دوم کے محتویات میں ہے۔ سلام میں حضرت حسین کی مدح کے ایک شعر میں نعت کا مضمون آگیا ہے۔ یہ شعر پیغمبر ختمی مآب ﷺ کی شان اعلیٰ و ارفع میں تقریظ کے زمرے میں آتا ہے۔ سوداؔ کی یہ شرح جو سلام کے محولہ بالا شعر سے متعلق ہے نظریاتی تنقید کے سلسلے میں اہم ہے۔

اے نبی کے باطناً رتبے کے والی السلام
ظاہراً ان سے بھی ہو اک نوع عالی السلام[☆۳۰]

سوداؔ نے اس شعر کی تشریح میں پہلی بات تو یہ لکھی ہے کہ "باطنی رتبہ ہے نبی کا کیا؟"[☆۳۱] اور دوسری بات یہ دریافت طلب بتلائی ہے کہ "ہو تم اک نوع ان سے بھی عالی"[☆۳۲] میں وہ کون سی نوع ہے جس میں "نبیرۂ نبی ﷺ" ذاتی نبی سے افضل ہیں۔ سوداؔ نے باطنی رتبے کا تذکرہ کرکے اس بات کی تصریح کی ہے کہ رسول پاک، ختمی مرتبت کے مرتبے کے مافوق ذات باری عز اسمہ کے سوا کوئی پیش ہے۔ سوداؔ کے یہ اشعار تنقیدی نقطۂ نگاہ سے کافی اہم ہیں۔ "سبیل ہدایت" سے چند چیدہ ابیات ملاحظہ ہوں:

رتبۂ باطنی پیغمبر
اپنے نزدیک ایک ٹھہرا کر

نسبتی مرتبہ کو تم فائق
اس پہ سمجھے ہو یہ نہ تھا لائق
باطنی رتبہ جو نبی کا ہے
اس کے مافوق ہے جو بیجا ہے
کس طرح سے کہو تو سبطِ نبی
رتبۂ باطنی سے ہو عالی
حرف میرا نہیں ہے لا یعنی
فہم کے معترض ہیں یہ معنی
اور ہے راہ جو شریعت کی
واں خدا ہے خدا نبی ہے نبی
کلمہ ہے جو دین کی بنیاد
مسلمیں کا ہے صبح و شام اوراد
وہ نبی نے جسے پڑھایا ہے
آپ کو عبد کہہ جتایا ہے ☆[۴۳]

سودا نے مفہومی اسقام کی نشاندہی کے بعد موزونیت، بندش الفاظ اور تقطیع کے نقائص شمار کیے ہیں۔

غش نہیں صرف اس کے مضموں میں
خلل اس سے زیادہ موزوں میں
کہو تقطیع شعر کی کردوں
بندش الفاظ کی ہے ناموزوں
مصرع ثانی سے کبھی ہو آگہہ
نوع کے عین کو پیش جا کہ ☆[۴۴]

سودا نے اپنے ایک مشہور نعتیہ قصیدہ میں عملی تنقید کا عمدہ نمونہ پیش کیا ہے۔ موصوف نے اپنے اس قصیدے کی تشبیب میں ایک شعر ایسا کہہ دیا جس سے نبی مکرم ﷺ کی ذات اقدس میں عیاذاً باللہ تفریط کا عیب در آیا۔

جسے یہ صورت و سیرت کرامت حق نے کی ہووے
بجا ہے کہیے ایسے کو اگر اب یوسف ثانی

یہ ایک مسلمہ ہے کہ ثانی سے اوّل بہتر ہوتا ہے۔ شاعر نے حضرت یوسفؑ کو اوّل اور پیغمبر آخرالزماں ﷺ کو ثانی کہہ کر نبی ﷺ کی عیاذاً باللہ تنقیص کردی لیکن معاً غلطی کے احساس پر اپنی اصلاح خود کرتے ہوئے کہا:

معاذ اللہ یہ کیسا حرف بے موقع ہوا سرزد
جو اس کو پھر کہوں تو ہوؤں مردود مسلمانی
کدھر اب فہم ناقص لے گیا مجھ کو نہ یہ سمجھا
کہ وہ مہر الوہیت ہے یہ ہے ماہ کنعانی

اور اس کے بعد نوک قلم سے ایک شعر ایسا نکل گیا جس نے اسے افراط کی حدود میں داخل کر دیا۔

حدیث من رأنی دال ہے اس گفتگو اوپر
کہ دیکھا جس نے ان کو ان نے دیکھی شکل یزدانی

لیکن اس نے فوری طور پر اپنی غلطی کا احساس کرتے ہوئے پیوستہ شعر اس طرح کہہ دیا۔

غرض مشکل ہمیں ہوتی کہ پیدا کرکے ایسے کو
خدا گر یہ نہ فرماتا نہیں کوئی مرا ثانی

اور اس کے بعد شاعر نے گھبرا کر اعتراف عجز کرتے ہوئے اپنی نعت کو غیر متوقع طور پر اس شعر پر ختم کر دیا۔

بس آگے مت چل اے سوؔدا میں دیکھا فہم کو تیری
کر استغفار اس منہ سے اب ایسے کی ثنا خوانی ☆۳۵

اسی نعت میں سوؔدا کا ایک شعر ہے:

حدیث من رأنی دال ہے اس گفتگو اوپر
کہ دیکھا جس نے ان کو ان نے دیکھی شکل یزدانی ☆۳۶

اس میں سوداؔ کو حدیث نبوی کے تفہیم میں غلطی ہوئی ہے۔ حدیث مقدسہ ہے "من رأنی فقد رأی الحق"[٣٦] یہاں حق کے معنی "سچ" ہیں۔ ملاحظہ ہو درج ذیل مصرع:

جو بات حق ہے اس سے کریں گے نہ انحراف

(دولھا صاحب عروجؔ)

سوداؔ نے اس کے دوسرے معنی "خدائے تعالیٰ" لیے ہیں جو یہاں پر غلط ہیں۔

حدیث منقولہ بالا بخاری و مسلم میں بہ روایت ابوقتادہؓ رقم ہے۔ بخاری و مسلم میں بروایت ابوہریرہؓ ایک دوسری حدیث منقول ہے جس سے حق کے معنی کی مکمل وضاحت ہوجاتی ہے۔ اس حدیث کے الفاظ ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں:

من رانی فی المنام فقد رانی فان الشیطن لا یمتثل فی صورتی۔[٣٧]

(جس نے مجھ کو خواب میں دیکھا اس نے واقعتاً مجھ ہی کو دیکھا، کیوں کہ شیطان میری صورت کی مماثلت نہیں کرسکتا۔)

محدثین نے تفتیش و تنقید کے ذریعے احادیث صحیحہ کو موضوعات (گڑھی ہوئی حدیثوں) سے الگ کیا ہے یہ ان کا عظیم کارنامہ ہے۔ انھوں نے اس کے اصول و قواعد وضع کیے اور یہ ان ہی حضرات کی مساعی جلیلہ کا نتیجہ ہے کہ اسماء الرجال کے ایسا وقیع فن معرض وجود میں آگیا جس کی وجہ سے تقریباً ایک لاکھ افراد کی مکمل سوانح حیات دست برد زمانہ کے ہاتھوں ضائع ہونے سے بچ گئی۔

کلام الٰہی میں نقد و انتقاد کے باب میں تحقیق واقعہ کے ایک اصول درایت کو اس قدر اہمیت دی گئی ہے کہ افک عائشہ صدیقہؓ کی بابت کہا گیا کہ عائشہؓ کے ماقبل کے کردار کی بنا پر کیوں نہ اس قصے کو سنتے ہی افترا اور بہتان کہہ کر رد کردیا گیا؟ متعلقہ آیت ربانی ملاحظہ ہو۔

لو لا اذ سمعتموہ ظن المؤمنون والمؤمنات بانفسہم خیرا وقالوا ھذا افک مبین O (نور آیت ١٢)[٣٨]

(جب اس کو سنا تو ایمان والے مردوں اور عورتوں نے اپنے لوگوں پر بھلا خیال کیوں نہ کیا اور کیوں نہ کہا یہ صریح بہتان ہے) بیان واقعہ سے پہلے اس کے اس پہلو پر اچھی طرح غور کرلینا کہ وہ عقلی شہادت کے مطابق ہے یا نہیں، درایت کہلاتا ہے۔ راقم نے اپنی تخلیق "الانصار" میں درایت کی بابت مفصل بحث کی ہے۔

بہرحال جب احادیث رسول ﷺ روایت اور درایت کی کسوٹی پر پرکھی گئی ہیں تو نعت کی بابت یہ نظریہ کہ وہ تنقید سے بالاتر ہے، غلط ہے۔ واضح ہو کہ احادیث کی پرکھ کا مطلب اس بات کی جانچ ہے کہ مانی البحث حدیث درحقیقت قول رسول، فعل رسول یا تقریر رسول ہے یا نہیں؟ واضح ہو کہ ہر فرمان رسول ﷺ اسی طرح واجب الاطاعت ہے جس طرح فرمان الٰہی۔ اس بابت قرآن کریم کی متعدد آیات ناطق ہیں۔ ذیل میں صرف ایک آیت نقل کی جاتی ہے۔

یایھا الذین امنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول ولا تبطلوا اعمالکم۝[۳۹]

(اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور (اس کے) رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور (کفار کی طرح اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرکے) اپنے اعمال برباد مت کرو)۔

جیسا کہ ماقبل میں عرض کیا جاچکا ہے نعت کا میدان بہت وسیع ہے۔ عربی ادب میں نعت کی باقاعدہ چودہ سو سالہ روایت ہے اور اس سے کچھ ہی کم فارسی نعت کی عمر ہے۔ اردو نعت کا نقطۂ آغاز اردو کی آفرینش سے وابستہ ہے۔ اردو کے پہلے شاعر ملا داؤد سے لے کر یہ صنف علیٰ سبیل التعاقب والتوالی آج تک چلی آرہی ہے۔ اس لیے نعت کی تدریس کے لیے وسیع مطالعہ درکار ہے۔ نعت کی ماہیت و حقیقت کو گرفت میں لینے اور اس کے تقابلی مطالعے کی خاطر عربی اور فارسی کے نعتیہ سرمایے کا مطالعہ ناگزیر ہے۔ ادب کی مکمل تاریخ اور اس کے عہد بہ عہد نشیب و فراز سے آگاہی اور شعرائے نعت کی تدریسی مقتضیات سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ہر دور میں لفظیات و شعریات اور اس میں وقوع پذیر ہر صدی کے تغیرات و تبدلات کا مطالعہ بھی لازمی ہے۔ ہر عہد کے مزعومات و معتقدات نے اپنے عہد کی نعتیہ شاعری کو متاثر کیا ہے اس لیے ان کی واقفیت بھی نعت کے قاری کے لیے ضروری ہے۔ نعتیہ ادب میں محاورات، ضرب الامثال، عہدی و مقامی تشبیہات و استعارات مختلف علوم و فنون کی مصطلحات اور مقامی رسوم و رواج کی فراوانی ہے۔ نعتیہ ادب کے معلمین و متعلمین کو ان سب کی معلومات فراہم کرنی ہوگی۔ ابھی حال میں ۱۴؍ جولائی ۲۰۰۰ء کو راقم کی زیرنگرانی ایک ریسرچ اسکالر نے محسنؔ کاکوروی کی حیات اور کارنامے پر پی ایچ ڈی کی ڈگری کے لیے اپنا تحقیقی مقالہ یونی ورسٹی میں داخل کیا ہے۔ انھوں نے لفظیات محسنؔ کے تحقیقی مطالعے کے تحت کلام محسنؔ سے ۲۱۵ محاورے اور ۲۲۱ تلمیحات یک جا کرکے ان کی تشریح کلیات محسنؔ سے مکمل

حوالوں کے ساتھ رقم کی ہے اور مشکل الفاظ کی فرہنگ بھی پیش کی ہے جو ۴۲ صفحات کو محیط ہے۔ یہ ایک چھوٹی سی مثال ہے۔ عالمی ادب میں محسن کے علاوہ ایسے نہ جانے کتنے نعت گو شاعر ہیں جنھوں نے محاورات، تلمیحات اور متعدد علوم وفنون کی اصطلاحیں بڑی فراخ دلی سے استعمال کی ہیں۔ اس طرح نعت کی کینوس بہت وسیع ہے اور اس وسیع و عمیق صنف سخن کی تدریس کے لیے جتنی علمی لیاقت، جتنی فنی ذکاوت، جتنی حرص مطالعہ اور جتنی ذہنی ریاضت درکار ہے وہ بہت کم اساتذہ میں پائی جاتی ہے اور اسی لیے معماران نصاب نے اس کو نصاب سے خارج کرنے ہی میں عافیت سمجھی۔

یونی ورسٹیوں کی بورڈ آف اسٹڈیز میں جو اساتذہ بہ حیثیت ممبر شامل کیے جاتے ہیں ان کو خود بھی اپنا تیار کردہ نصاب پڑھانا ہوتا ہے۔ اساتذہ کی سہل پسندی بھی نصاب میں اشتمال نعت کے لیے سد راہ بنی رہی۔ عصر حاضر جوڑ توڑ کا دور ہے۔ یہاں بہت سی کتابیں تعلقات کی بنا پر بھی شامل نصاب ہوتی اور بہت سی نصاب سے خارج کی جاتی ہیں۔ راقم آج سے تقریباً ۱۲ سال پیش تر کانپور یونی ورسٹی کی بورڈ آف اسٹڈیز کا ممبر تھا۔ یونی ورسٹی کے بی اے کے نصاب میں ایک صاحب اقتدار اور ذی اثر استاد کی مجوزہ کتابیں جو ان ہی کے بک ڈپو کی مطبوعہ تھیں، چل رہی تھیں۔ راقم نے ان کتابوں کو نصاب سے خارج کرا کے اتر پردیش اکادمی کی کتابوں کو جو کہ سابقہ کتابوں کے مقابلے میں زیادہ سستی اور زیادہ معیاری تھیں، شامل نصاب کرانے میں اہم کردار ادا کیا۔ اس واقعے کے ایک ماہ بعد وہی صاحب راقم کو کانپور میں بھانیہ ریسٹوران کے سامنے پریڈ پر مل گئے۔ سلام و دعا کے بعد راقم پر کافی ناراض ہوئے۔ یہ راقم کا آپ بیتی واقعہ ہے۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کے واقعات اور جگہوں پر بھی ہوتے ہوں گے۔

ہاں تو بات چل رہی تھی نصاب میں نعت کے عدم شمول، اساتذہ کی سہل پسندی اور نعت میں حزم و احتیاط کی آج کا استاد محنت سے گھبراتا ہے۔ ملا وجہی کی سب رس خاصی عسیرالفہم تخلیق ہے اور اسی باعث بیش تر یونی ورسٹیوں میں ایم اے کے امتحان میں تشریح کے لیے اس کے کل ابتدائی ۲۰۔۲۵ صفحات مختص کیے گئے ہیں اور اس پر مستزاد یہ کہ بیش تر اساتذہ ان ۲۰۔۲۵ صفحات کو بھی اپنے درس کا حصہ نہیں بناتے بلکہ ان کو انتخاب (Choice) کی نذر کردیتے ہیں اور چوں کہ یہی اساتذہ ممتحن کی فہرست میں شامل ہوتے ہیں اس لیے

امتحانی پرچوں میں تشریح کے لیے مختص کیے گئے اقتباسات کچھ اس طرح رکھے جاتے ہیں کہ ملا وجہی کو یک لخت ترک کر کے بھی مطلوبہ اقتباسات کی تشریح کی جا سکے اور مجوزہ سوالات میں سے ملا وجہی اور سب رس کو چھوڑ کر بھی کل مطلوبہ سوالات کے جوابات حل کیے جا سکیں۔

اقبالؔ ایک بلند قامت مفکر اور غالبؔ ایک ماہر نفسیات کی حیثیت سے اہم ہیں۔ ایم اے کے نصاب میں خصوصی مطالعہ کے بہ طور ان دونوں کو پڑھانے والے اساتذہ کم ملتے ہیں۔ جب علمی دانش کدوں کا حال زار یہ ہو تو نعت کی ایسی دقیق الفہم صنف کو شامل نصاب کر کے اضافی محنت کیوں کی جائے۔ اس نظریہ کے باعث بھی نعت نصاب میں شامل نہ ہو سکی۔

نصاب میں نعت کے عدم اشتمال کی ایک وجہ معاشرے میں پھیلی ہوئی مذہب بیزاری بھی ہے۔ راقم کی زیرنگرانی فکر تونسوی کے ایسے مزاح نگار و طنزنگار پر تحقیقی کام ہوا اور اردو کے افسانوی ادب میں تہذیبی اور معاشرتی زندگی کی تحقیق و تنقید پر بھی کام ہوا۔ لیکن راقم نے جب جب نعت پر تحقیق کے لیے کسی ریسرچ اسکالر کا مجمل یا مفصل خاکہ آر ڈی سی کی میٹنگ میں پیش کروایا تو یہی سوال اٹھایا گیا کہ نعت پر اتنا کام کیوں؟ راقم کو ان مقتدر ممبر کا نام آج بھی یاد ہے اور شاید سدا یاد رہے گا جو آر ڈی سی کی میٹنگ میں یہ تک کہہ دیتے ہیں کہ ڈاکٹر آزاد کو نعت میں اتنی دلچسپی کیوں ہے؟ راقم ہی جانتا ہے کہ اسے اپنی زیرنگرانی پی۔ ایچ ڈی کی ڈگری سے نوازی گئیں تین خواتین کے نعت سے متعلق خاکوں کو موثق کرانے میں کتنی دقتیں اٹھانی پڑیں اور چوتھی ریسرچ اسکالر کے ''نعت کے موضوعات کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ'' موضوع کو کئی حضرات کے علی الرغم منظور کرانا پڑا۔ جب معاشرے کے دانش وروں کی یہ حالت ہو تو نعت کو نصاب سے باہر رکھنے کی بات مسئلہ لاینحل نہیں رہ جاتی۔

نعت فہمی کے لیے صنف اور ہیئت کے مضبوط مطالعے اور صنف و ہیئت کے مابین کے فرق پر استوار گرفت برقرار رکھنے کے لیے عقدہ کشا ذہن کی حاجت ہے۔ علمی بے بضاعتی اور مذہب سے کماحقہ ناواقفیت نے بھی معماران نصاب کو اس عزیز عظیم صنف سے اغماض کی تعلیم دی۔ نعت ہر زماں اور تقریباً ہر مکان اور ہر زبان میں موجود ہے اس لیے اس کے تقابلی مطالعے اور اس سے کماحقہ محظوظ ہونے کے لیے مختلف علوم و فنون سے باخبری اور آگاہی ضروری ہے جو یقیناً بازیچۂ اطفال نہیں ہے بلکہ اس کے لیے صبر آزما ریاضت کی احتیاج ہے

اس لیے بھی نعت اشتمال نصاب سے خارج رہی۔

نعتیہ شاعری کو فکر و فن کی معراج تک پہنچانے کے لیے فنی لوازمات سے آگاہی، شرعی علوم سے واقفیت اور شریعت کے پورے علم سے باخبری ضروری ہے۔

آداب نعت کے بارے میں عرفیؔ نے بڑی اچھی بات کہی ہے:

ہشدار کہ نتواں بیک آہنگ سرودن
نعت شہ کونین و مدیح کے وجم را

نعت کی تخلیق کے لیے متذکرہ بالا امور کے علاوہ تخلیق کار کے نہاں خانۂ دل میں عشق نبی ﷺ کی شمع فروزاں کی موجودگی بھی لازمی ہے۔ نبی ﷺ نے حب نبی ﷺ کو لازمۂ ایمان بتلاتے ہوئے فرمایا ہے:

لا یؤمن احدکم حتیٰ اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین۔ ☆۴۰

(تم میں سے کوئی فرد اس وقت تک مومن نہیں ہے جب تک کہ وہ اپنے ماں باپ، اپنے بیٹے اور تمام لوگوں سے زیادہ مجھ کو محبوب نہ رکھے)

شاعر رسول ﷺ حضرت حسانؓ نے اسی مفہوم کو یوں ادا کیا ہے۔

فان ابی ووالدہ و عرضی
لعرض محمد منکم وقاء

(بے شک میرا باپ اور اس کا باپ اور میری آبرو محمد ﷺ کی ناموس کے لیے ڈھال ہے۔)

عشق نبی کا تقاضا یہ ہے کہ ارشادات و معمولات نبوی ﷺ اور منشائے رسول ﷺ کو ہمہ آن پیش نظر رکھا جائے اور نبی اکرم ﷺ کی جانب کسی امر کو منسوب کرتے وقت ایک لحظہ کے لیے بھی صداقت اور راست بازی سے انحراف نہ کیا جائے۔

عشق رسول ﷺ کی بیش بہا دولت زور بازو سے نہیں بلکہ خدائے بخشندہ کی بخشش سے نصیب ہوتی ہے۔

نعت کے علاوہ دیگر اصناف کو داخل نصاب کر لینے اور اس گراں مایہ صنف سے اغماض کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس مقدس صنف کو اظہار عقیدت اور تحصیل برکت کا محض ایک وسیلہ سمجھا گیا اور اس کی علمی و فنی حیثیت سے آنکھ بند کر لی گئی۔

کفر کے فتوؤں کے خوف کی وجہ سے بھی معماران نصاب نے نعت کو نصاب سے

باہر رکھا۔ یہ حقیقت ہے کہ ہر ایسے لفظ اور ہر ایسے فقرے سے اجتناب و احتراز لازم ہے جس سے نبی اقدس ﷺ کی رفیع شان میں ہلکی سے ہلکی تنقیص کا پہلو نکلتا ہو۔ آپ ﷺ کی تعظیم و توقیر اور آپ ﷺ کے لیے کلمات ادب عرض کرنا فرض ہے اور جس کلمے میں ترک ادب کا شائبہ بھی ہو اسے زبان پر لانا ممنوع ہے اور دربار نبوت میں ادب کے اعلیٰ مراتب کا لحاظ لازم ہے۔

نبی اکرم ﷺ کے اقوال زریں کو سمجھنے میں جب بعض اصحاب رسول ﷺ دقت محسوس کرتے تو "راعنا" (ہماری رعایت فرمایئے) بول کر مزید توجہ کے طالب ہوتے۔ یہودیوں کی لغت میں یہ کلمہ سوء ادب کے معنی رکھتا ہے۔ یہودیوں نے اس کلمے کو اسی بنت سے بولنا شروع کیا تو اللہ پاک نے اصحاب رسول کو اس لفظ کے ترک کا حکم دیتے ہوئے دوسرے لفظ "انظرنا" کے استعمال کی تلقین کی۔

لیکن محولہ اصحاب نبی ﷺ کی کوئی گرفت نہیں فرمائی، بلکہ ان کو مومن کہہ کر مخاطب فرمایا۔ متعلقہ آیت کریمہ ملاحظہ ہو۔ یاایھا الذین امنوا لا تقولوا راعنا وقولوا انظرنا واسمعوا وللکفرین عذاب الیم۝ ☆[۴۱]

(اے ایمان والو! راعنا (ہمارے حال کی رعایت فرمایئے) نہ کہو اور یوں عرض کرو کہ حضور ہم پر نظر رکھیں اور پہلے ہی غور سے سنو اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے) اللہ پاک نے ان اصحاب کی گرفت اس لیے نہیں فرمائی کیوں کہ اس سلسلے میں اصل چیز قلبی کیفیت ہے اور صحابہ کرامؓ کا دل بالکل صاف تھا۔

ایک واقعہ کا اور استحضار فرمائیں حضرت ابیؓ بن کعب کہتے ہیں کہ ایک انصاری صحابی کا مکان مدینے کی آخری سرحد پر تھا۔ وہ ہر نماز کے لیے مسجد نبوی میں باجماعت حاضری کا شرف حاصل کرتے تھے۔ میں نے ان کو سواری خریدنے یا مسجد نبوی کے قریب گھر لینے کا مشورہ دیا تو انھوں نے کہا "ام واللہ ما احب ان بیتی مطنب ببیت محمد ﷺ" (بہ خدا میں پسند ہیں کرتا کہ میرا گھر حضور ﷺ کے گھر کے قریب یا اس سے جڑا ہوا ہو) بہ ظاہر ان کے اس فقرے کا مفہوم قابل گرفت ہے۔ امت کے سب سے بڑے قاری سیدنا حضرت ابیؓ بن کعب نے خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوکر جو کچھ سنا تھا، عرض کردیا۔ آپ ﷺ نے انصاری کو بلایا اور ان سے باز پرس کی۔ انصاری نے پھر وہی فقرہ دہرادیا اور اس فقرے کی وضاحت

میں عرض کیا کہ میں اس طرح چل کر آنے میں نماز باجماعت سے زیادہ اجر کی امید کیے ہوئے ہوں۔ نبی ختمی مرتبت ﷺ نے فرمایا کہ ”تم کو اس پر واقعی وہ اجر ملے گا جو تم نے گمان کیا ہے۔“ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حدیث پاک کے عربی الفاظ نقل کر دیے جائیں۔ حضرت ابیؓ بن کعب کہتے ہیں:

فحملت به حملا حتی اتیت نبی اللّٰہ ﷺ فاخبرته قال فدعاه فقال له مثل ذالک و ذکر له انه یرجو فی اثره الاجر فقال له النبی ﷺ ان لک ما احتبت۔ ☆۴۳

اس واقعے سے یہ اصول مستنبط ہوا کہ جو شخص کوئی بات کرے تو اس سے مراد وہی بات لی جانی چاہیے جو وہ خود بیان کرے کیوں کہ وہی بتلا سکتا ہے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ اختلاف معنی کی صورت میں مراد متکلم کا اعتبار ہوگا، وہی بتلائے گا کہ اس کلام سے اس کی مراد کیا ہے۔ یہاں پر یہ بات مدنظر رہے کہ رحمت کونین ﷺ نے کسی کلمہ گو کو کافر کہنے سے منع فرمایا ہے۔ ملا علی قاری لکھتے ہیں۔ ان المسئلة المتعلقه بالکفر اذا کان لها تسع و تسعون احتمالا للکفر واحتمال واحد فی نفیه فالاولیٰ للمفتی والقاضی ان یعمل بالاحتمال الثانی۔ ☆۴۴

(جو مسئلہ کفر سے متعلق ہو رہا ہو اگر اس میں ننانوے احتمال کفری معنوں کے ہوں اور ایک احتمال اس کی نفی کر رہا ہو تو مفتی اور قاضی کے لیے بہتر یہ ہے کہ وہ اس احتمال کا اعتبار کریں جو کفر کی نفی کرتا ہو)

درس و تدریس میں حزم و احتیاط اور بیداریٔ ذہن و قلب کی حیثیت شرط اوّل کی ہے ورنہ دوران درس ہر شے کا مطلب کچھ کا کچھ ہوجائے گا۔ احتیاط و حزم کا مطلب قطعی طور پر یہ نہیں کہ اس تخلیق کو پڑھانے سے گریز کیا جائے جس میں حزم و احتیاط کی زیادہ ضرورت ہو۔ عرفیؔ نے نعت کی بابت کہا ہے اور درست کہا ہے:

عرفیؔ مشتاب ایں رہ نعت است نہ صحرا ست
آہستہ کہ رہ بر دم تیغ است قدم را

لیکن کیا بہ تقاضائے حزم واحتیاط تخلیق نعت کے دروازے بند کر دیے گئے؟ ظاہر ہے ایسا نہیں کیا گیا۔ تو پھر نصاب میں اشتمال نعت کے بارے میں اخراج کا رویہ کیوں؟ جب نعت خوانی اور تخلیق نعت کا سلسلہ بہ حسن و خوبی (ماشاء اللہ) چل رہا ہے اور ان شاء اللہ

ابدالآباد تک چلتا رہے گا تو پھر نصاب کے ساتھ یہ برخلاف اور متضاد سلوک کیسا؟

سابقہ معروضات کا ماحصل یہ ہے کہ نعت کو تنقید سے بالاتر سمجھنا، نعت کے کینوس کا بہت زیادہ وسیع ہونا، نعت کے لیے وسیع و عمیق مطالعے کی احتیاج، نعت کی عسیرالفہمی اور دقت پسندی، اساتذہ کی سہل پسندی، لائق و فائق اور مجتہد اساتذہ کی کم یابی، حزم و احتیاط اور بیداریٔ ذہن و قلب کے تقاضے، معاشرے کی مذہب بیزاری، نعت کو تحصیل برکت اور اظہار عقیدت کا محض ایک وسیلہ سمجھنا اور کفر کے فتوؤں کا خوف... مختصراً یہی وہ وجہیں ہیں جن کے باعث نعت نصاب سے خارج ہے۔

راقم اپنی علمی بے بضاعتی کا معترف ہے۔ نعتیہ ادب کے خارج از نصاب ہونے کی جو وجوہ و علل سردست راقم کے ناقص ذہن میں آئیں اس نے ان کو حوالۂ قرطاس کر دیا۔ ظاہر ہے کہ ان کے علاوہ بھی وجوہ و اسباب ہیں جن تک راقم کے نارسا اور سست رو ذہن کی رسائی نہیں ہو سکی اسی لیے "صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لیے۔"

☆

حواشی و تعلیقات

☆۱۔ نشرالطیب فی ذکر النبی الحبیب، مولوی اشرف علی، صفحہ ۸

☆۲۔ نشرالطیب فی ذکر النبی الحبیب، مولوی اشرف علی، صفحہ ۸

☆۳۔ سمط اللآلی علی الامالی، ج ۲ صفحہ ۸۵، مطبوعہ مصر ۱۹۳۲، نشرالطیب، ص ۸۔۹

☆۴۔ خصائل نبوی، مولفہ مولوی محمد زکریا، شرح شمائل ترمذی، مولفہ محمد بن عیسیٰ بن سورہ ترمذی، صفحہ ۲، حاشیہ ۴

☆۵۔ المشکوٰۃ المصابیح، شیخ ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب، صفحہ ۵۱۸

☆۶۔ نعتیہ شاعری کا ارتقا، ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد، صفحہ ۲۳

☆۷۔ خصائل النبوی، صفحہ ۷، اصل الفاظ ملاحظہ ہوں "یقول ناعتہ لم ار قبلہ ولابعدہ مثلہ ﷺ"

☆۸۔ سیرت النبی کامل، جلد ۱، ابن ہشام، بہ حوالہ نعتیہ شاعری کا ارتقا، صفحہ ۱۲۴۔۱۲۵

☆۹۔ سیرت النبی کامل جلد ۱، ابن ہشام، صفحہ ۳۰۰، واقعے کی نوعیت ملاحظہ ہو، ابن ہشام نے کہا مجھ سے ایسے شخص نے بیان کیا جس پر میں بھروسہ رکھتا ہوں کہ مدینے والوں پر قحط کی بلا نازل ہوئی تو وہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے۔ آپ سے اس کی شکایت کی تو رسول ﷺ نے ممبر پر جا کر بارش کی دعا فرمائی، پھر تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ اتنی بارش ہوئی کہ آس پاس کے لوگ ڈوبنے کے ڈر سے شکایت لے کر پہنچے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللھم حوالینا ولا علینا (یااللہ ہمارے اطراف میں پانی برسا، ہم پر نہ برسا) پھر مدینے پر سے ابر پھٹ کر اس کے اطراف میں بہ صورت دائرہ ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، لو ادرک ابوطالب ھذاالیوم لسرہ (اگر آج ابوطالب ہوتے تو انھیں اس سے خوشی ہوتی) آپ ﷺ سے بعض صحابہؓ نے عرض کی، یارسول اللہ ﷺ گویا آپ ان کے اس شعر کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں۔

و ابیض یستسقی الغمام لوجهه
ثمال الیتامی عصمة للارامل

آپ ﷺ نے فرمایا --- ہاں'' (سیرت النبی کامل، مرتبہ ابن ہشام، ترجمہ و تہذیب مولانا عبدالجلیل صدیقی، مولانا غلام رسول مہر، صفحہ ۳۰۰، مطبوعہ اعتقاد پبلشنگ ہاؤس دہلی ۲، ۱۹۸۵ء (یہی مفہوم الروض الانف، ج ۲، کے صفحہ ۵۵ پر بھی مندرج ہے۔ آزاد)

☆۱۰۔ القرآن الحکیم، پارہ ۶، سورۃ المائدہ، آیت ۳

☆۱۱۔ القرآن الحکیم ترجمہ مولانا احمد رضا خاں بریلویؒ، صفحہ ۱۵۶

☆۱۲۔ القرآن الحکیم پارہ ۲۷۔ سورۃ النجم آیت ۳۔۴

☆۱۳۔ اردو شاعری میں نعت، ج ۱ صفحہ ۹۶

☆۱۴۔ نعتیہ شاعری کا ارتقا، صفحہ ۱۳۳

☆۱۵۔ البخاری بہ حوالہ المشکوٰۃ المصابیح، صفحہ ۴۰۹

☆۱۵ (الف)۔ ایضاً

☆۱۶۔ البخاری بہ حوالہ المشکوٰۃ المصابیح، صفحہ ۴۰۹

☆۱۷۔ خصائل النبوی، صفحہ ۱۲۷

☆۱۸۔ خصائل النبوی، صفحہ ۱۲۷

☆۱۹۔ القرآن پارہ ۱۹، سورۃ الشعراء، آیت ۲۲۴۔۲۲۵۔۲۲۶

☆۲۰۔ التوضیحات علی السبع المعلقات، صفحہ ۱۳۶

☆۲۱۔ ارشاد الی بانت سعاد، مولوی ذوالفقار علی، صفحہ ۱۰

☆۲۲۔ التوضیحات علی السبع المعلقات، مولانا محمد افتخار علی، صفحہ ۳ و کتاب العمدہ ابن رشیق صفحہ ۵۹

☆۲۳۔ ارشاد الی بانت سعاد، صفحہ ۴۳۔۴۴

☆۲۴۔ انتخاب قصائد اردو مع مقدمہ و حواشی، ڈاکٹر ابو محمد سحر، صفحہ ۴۰

☆۲۵۔ حضرت حسانؓ کا محولہ شعر ملاحظہ ہو،

خلقت مبرا من کل عیب
کانک قد خلقت کما تشاء

(آپ ﷺ ہر عیب سے مبرا تخلیق کیے گئے گویا آپ جیسا چاہتے تھے ویسا ہی پیدا کر دیے گئے۔)

☆۲۶۔ التوضیحات، صفحہ ۵۴

☆۲۷۔ التوضیحات، صفحہ ۵۶

☆۲۸۔ عربی ادب کی تاریخ، حصہ اول، مولوی عبدالاحد، ص ۷۶ مطبوعہ مجتبائی دہلی، ۱۹۰۹ء

☆۲۹۔ مقدمہ شعر و شاعری، مولانا الطاف حسین حالی صفحہ ۹۵، مطبوعہ رام نرائن لال، الہ آباد

☆۳۰۔ عربی ادب کی تاریخ، حصہ اول، مولوی عبدالاحد، ص ۷۵ مطبوعہ مجتبائی دہلی، ۱۹۰۹ء

☆۳۱۔ کلیات سوداؔ، جلد دوم، صفحہ ۴۲۸

☆۳۲۔ کلیات سوداؔ، جلد دوم، صفحہ ۴۲۹

☆۳۳۔ کلیات سوداؔ، جلد دوم، صفحہ ۴۲۹

☆۳۴۔ کلیات سوداؔ، جلد دوم، صفحہ ۴۲۹

☆۳۵۔ کلیات سوداؔ، جلد دوم، صفحہ ۴۲۹ تا ۴۳۲

☆۳۶۔ انتخاب قصائد اردو، صفحہ ۴۲

☆۳۷۔ بخاری و مسلم بہ حوالہ المشکوٰۃ المصابیح، صفحہ ۴۹۴

☆۳۸۔ بخاری و مسلم بہ حوالہ المشکوٰۃ المصابیح، صفحہ ۴۹۴

☆۳۹۔ القرآن الحکیم، پارہ ۱۸، سورۂ نور آیت ۱۲

☆۴۰۔ القرآن الحکیم، پارہ ۲۶، سورۂ محمد آیت ۲۳

☆۴۱۔ مسلم شریف، جلد اول ابوالحسین مسلم ابن حجاج ابن مسلم قشیری نیشاپوری، ص ۴۹
مطبوعہ اصح المطابع، لکھنؤ ۱۲۴۹ھ و بخاری شریف، محمد ابن اسماعیل بخاری صفحہ، بخاری شریف میں "..... ولدہ و
وولدہ" ہے۔

☆۴۲۔ القرآن الحکیم، پارہ الم، سورۃ البقرہ (۲) آیت ۱۰۲

☆۴۳۔ مسلم شریف، جلد اول صفحہ ۲۳۵، مطبع اصح المطابع جامع مسجد دہلی

☆۴۴۔ طبقات شرح فقہ اکبر، صفحہ ۱۹۸

سیّد حسین احمد۔ بھارت

کیا نعت ایک صنفِ سخن ہے؟

اردو شاعری میں نعتیہ اشعار کی کمی نیں اور اردو ہی کیا عربی و فارسی شعاری کا بھی ایک چوتھائی حصہ نعتیہ اشعار پر مشتمل ہے۔ عربی، فارسی اور اردو زبان کے تقریباً تمام شاعروں نے نعت نبی لکھنا اپنا جزوِ ایمان سمجھا ہے اور ان میں سے اکثر نے معیاری نعتیں بھی لکھی ہیں۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ اس کی عمر تقریباً ساڑھے چودہ سو سال ہے اور خود زبان اردو میں اب تک کی تحقیق کے مطابق اس کی تاریخ ملک محمد جائسی کی مشہور نظم پدماوت سے ملتی ہے جو دسویں صدی ہجری کے تقریباً وسط کی تصنیف ہے لیکن نعتیہ شاعری کی اتنی طویل عمر ہونے کے باوجود اسے موضوعاتی شاعری کا ہی درجہ حاصل رہا، اسے صنف سخن نہیں کہا جا سکتا کیوں کہ نہ ابھی تک اس کا فارم مقرر ہوا ہے او نہ اجزائے ترکیبی۔ آپ دیکھیں نعت غزل کے فارم میں بھی لکھی جاتی ہے، قصیدے کے فارم میں بھی، مسدس، قطعہ اور رباعی کے فارم میں بھی... نعت کے علاوہ غزل، قصیدہ، مرثیہ، مثنوی اور رباعی کا فارم مقرر ہے۔ اس کے اجزائے ترکیبی متعین ہیں، مثلاً مرثیہ عہد سوداؔ سے قبل مرثیہ کا کوئی فارم مقرر نہیں تھا اور نہ ہی اجزائے ترکیبی متعین تھے۔ مرثیے، غزل، مثنوی، مربع، ترکیب بند، ترجیع بند، مخمس اور رباعی وغیرہ کی شکل میں لکھے جاتے تھے لیکن سوداؔ[☆1] نے اس صنف کے لیے مسدس کا فارم مقرر کیا۔ میر ضمیر نے اس کے اجزائے ترکیبی چہرہ، سراپا، رخصت، آمد، رجز، جنگ، شہادت اور بین مقرر کیے۔

''چہرے'' میں مرثیہ نگار صبح کا منظر، رات کا سماں، دنیا کی بے ثباتی، باپ بیٹے سے تعلقات، سفر کی دشواریاں، اپنی شاعری کی تعریف، حمد، نعت، منقبت اور مناجات وغیرا تمہید کے طور پر بیان کرتا ہے۔

''سراپا'' کے تحت مرثیہ نگار ہیرو کے قد و قامت، خط و خال اور لباس وغیرہ کا بیان کرتا ہے۔

''رخصت'' کے تحت مرثیہ نگار ہیرو کو میدان جنگ میں جانے کے لیے عزیز و اقارب سے اجازت لیتے ہوئے دکھاتا ہے اور رخصت ہونے کے وقت کا منظر پیش کرتا ہے۔

''آمد'' ہیرو کا گھوڑے پر سوار ہوکر شان و شوکت کے ساتھ رزم گاہ میں آنا، ہیرو کے گھوڑے کی تعریف بھی مرثیہ نگار کرتا ہے۔

''رجز'' مرثیے کا وہ حصہ ہے جس میں مرثیہ نگار ہیرو کی زبان سے اس کے نسب کی تعریف اسلام کے کارناموں کا بیان اور فن جنگ میں اس کی مہارت کا اظہار کرتا ہے۔

''جنگ'' کے بیان میں ہیرو کا کسی نامی پہلوان یا دشمن کی فوج سے بہادری سے لڑنا دکھایا جاتا ہے۔ جنگ کے ضمن میں ہیرو کے گھوڑے، تلوار اور دوسرے ہتھیاروں کی تعریف بھی مرثیہ نگار کرتا ہے۔

''شہادت'' کے تحت مرثیہ نگار ہیرو کا دشمنوں کے ہاتھوں سے زخمی ہوکر شہید ہونے کا منظر پیش کرتا ہے۔

''بین'' کے تحت مرثیہ نگار ہیرو کی لاش پر اس کے عزیز و اقارب کو ماتم کرتے ہوئے اور اس کے اوصاف بیان کرکے روتے ہوئے دکھاتا ہے۔

لہٰذا مرثیہ ان ہی اجزائے ترکیبی کے تحت مسدس کے فارم میں لکھا جاتا ہے۔ اجزائے ترکیبی کم ہوسکتے ہیں لیکن فارم کی بندش لازمی ہے۔ اگر مرثیہ غزل کے فارم میں لکھا جاتا ہے تو اسے غزل یا نوحہ و سلام کہا جاتا ہے اور اگر رباعی کے فارم میں کسی کے مرنے پر اظہارِ غم کیا جاتا ہے تو اسے مرثیہ نہیں کہتے، بلکہ رباعی ہی کہتے ہیں مثلاً میر انیس نے ایک رباعی میں شہیدانِ کربلا کی پامالی دکھائی، ملاحظہ فرمائیں:

جب خاتمۂ شاہ خوش اقبال کیا
اعدا نے شہیدوں کا عجب حال کیا
گھوڑے دوڑائے چاند سے سینوں پر
سبزے کی طرح گلوں کو پامال کیا

اس رُباعی میں مرثیے کا مضمون ہے لیکن فارم رباعی کا ہے، اس لیے مندرجہ بالا

رُباعی مرثیہ نہیں ہے بلکہ رباعی ہی ہے اور میر انیسؔ نے اسے رباعی کے خانے ہی میں رکھا ہے۔ غالبؔ نے عارفؔ کے مرنے پر غزل کے فارم میں اظہارِ غم کیا ہے۔ جس کے دو شعر ہیں:

ہاں اے فلک پیر! جواں تھا ابھی عارفؔ
کیا تیرا بگڑتا جو نہ مرتا کوئی دن اور
تم ماہ شب چاردہم تھے مرے گھر کے
پھر کیوں رہا گھر کا وہ نقشہ کوئی دن اور

غالبؔ نے اسے غزل ہی رہنے دیا، مرثیے کے خانے میں نہیں رکھا ہے اور نہ اس غزل کے اوپر ''مرثیۂ عارف'' عنوان لگایا ہے اور انھوں نے شہیدانِ کربلا کے ضمن میں تین بند لکھے ہیں اور اسے مسدس کے فارم میں لکھا ہے، اور اس پر انھوں نے مرثیے کا عنوان لگایا ہے۔ غالبؔ نے اکیس اشعار میں شہیدان کربلا کو خراجِ عقیدت پیش کیا ہے جس کا مطلع ہے:

سلام اسے، کہ اگر بادشا کہیں اس کو
تو پھر کہیں، کہ کچھ اس سے سوا کہیں اس کو

لیکن اسے غزل کے فارم میں لکھا ہے اس لیے انھوں نے اسے مرثیے کے خانے میں نہیں رکھا ہے بلکہ اس کے اوپر انھوں نے عنوان ''سلام'' لگایا ہے۔ غالبؔ کے علاوہ بیش تر شاعر مسدس کے علاوہ غزل کے فارم میں اگر مراثی کے مضامین لائے ہیں، تو اسے سلام ہی کے عنوان سے لکھا ہے اور اگر چند اشعار بیچ میں آگئے ہیں تو انھیں غزل ہی میں رہنے دیا ہے۔

اسی طرح مثنوی کا بھی فارم متعین ہے کہ اس کے ہر شعر کے دونوں مصرعے مقفی ہوں اور ساتھ ہی ساتھ اس کے اجزائے ترکیبی بھی حسب ذیل ہیں:

۱۔ توحید و مناجات
۲۔ مدحِ حاکم
۳۔ تعریفِ شعر و سخن
۴۔ سببِ تالیف
۵۔ اصل قصہ

غزل، قصیدہ اور رباعی کا بھی فارم متعین ہے لیکن نعت کے لیے ابھی تک کوئی فارم مقرر نہیں ہوسکا ہے اور نہ ہی اجزائے ترکیبی اب آپ ہی بتائیں اسے صنف سخن کس طرح کہہ سکتے ہیں۔ اسلاف نے بھی اسے صنف سخن قرار نہیں دیا ہے، مثلاً مولانا حکیم نجم الغنی صاحب نے اپنی تالیف بحرالفصاحت میں اصنافِ ادب کا تفصیلی ذکر کیا ہے لیکن انھوں نے حمد و نعت کو صنفِ سخن نہیں بنایا ہے اور نہ اس کے لیے انھوں نے الگ باب قائم کیا ہے۔ بحرالفصاحت کے علاوہ اصناف ادب پر اور بھی جتنی معتبر کتابیں ملتی ہیں کسی میں بھی نعتیہ شاعری کو صنف سخن نہیں قرار دیا گیا ہے اور نہ ہی اس کے لیے الگ باب قائم کیا گیا ہے۔ لہٰذا جس طرح اردو اور فارسی شاعری کا بڑا حصہ صوفیانہ اشعار پر مشتمل ہے لیکن اسے صنف کا درجہ حاصل نہیں۔ ٹھیک اسی طرح نعتیہ شاعری مضامین سخن میں سے تو ہے لیکن صنف سخن نہیں۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ اردو میں معیاری نعتیں کم لکھی گئی ہیں۔ جہاں تک رسولﷺ کے سراپے کا تعلق ہے تو قرآن سے بہتر رسولﷺ کا سراپا کون کھینچ سکتا ہے؟ پھر بھی اردو شاعری میں اسے اچھے ڈھنگ سے پیش کیا گیا ہے۔ مدینہ جانے کی تمنا اور معراج کے بیان میں اچھے اشعار ملتے ہیں لیکن جہاں تک رسولﷺ کے اسوۂ حسنہ کا تعلق ہے، رسولﷺ کی تعلیمات کا سوال ہے، اس طرف شعرائے اردو نے توجہ کم دی ہے اور دوسری جانب یہ بھی حقیقت ہے کہ نعتیہ شاعری کی طرف ناقدوں نے رخ نہیں کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ نعت کو کچھ لوگوں نے فن سے نہ جوڑ کر مذہب سے جوڑ دیا ہے اور وہ اس کی ادبی قدر و قیمت پرکھنے کو مذہبی قدر و قیمت پرکھنے کے مترادف سمجھتے ہیں اور یہاں تک کوتاہ ذہنی کا ثبوت دیتے ہیں کہ نعتیہ مجموعے کے دیباچے میں لکھ دیتے ہیں کہ اس پر تبصرہ نہ کریں، مثلاً سفینۂ بخشش میرے پیش نظر ہے، ملاحظہ فرمائیں:

> مخدوم گرامی وقار اختر چرخ ملت، جانشین مفتی اعظم حضرت علامہ اختر رضا خاں ازہری دامت برکاتہم النورانیہ علم و فضل کے آسمان پر ایک روشن ستارے بلکہ اب ماہتاب و آفتاب بن کر چمک رہے ہیں، لہٰذا ان کی شاعری پر تبصرہ کرنا یا کوئی ادبی اور شرعی سقم تلاش کرنا عیب جوئی کے مترادف ہوگا۔☆[۲]

ظاہر ہے کہ اس اعلان کے بعد ناقد علامہ اختر رضا خاں قبلہ کی نعتیہ شاعری کی ادبی قدر و قیمت کو متعین کرنے کے لیے قلم کیوں اٹھائے گا اور صرف یہی نہیں بلکہ اس طرح اور بھی نعتیہ مجموعے میری نگاہ سے گزرے ہیں، جن میں اس طرح کا اعلان موجود ہے۔ نعت لکھنے والوں کو اتنا کوتاہ دل نہیں ہونا چاہیے۔ نعت صرف توشۂ آخرت نہیں ہے بلکہ ادب بھی ہے، اسے پرکھنے اور اس کی ادبی قدر و قیمت متعین کرنے کا ناقد کو پورا پورا اختیار ہے، اس پر نعت گو کو چیں بہ جبیں نہیں ہونا چاہیے۔

☆

حاشیہ

☆۱۔ بعض ادبی مؤرخین کا خیال ہے کہ سوداؔ کے معاصر سکندر نے سوداؔ سے قبل مرثیہ کے لیے مسدس کا فارم مقرر کیا تھا۔
☆۲۔ سفینۂ بخشش، ص ۳، ناشر مکتبہ سنی دنیا، سوداگران رضا نگر، بریلی۔

محمد ملک الظفر سہسرامی۔ بھارت

تقاضائے نعت

عشق نبی ﷺ کی فیض بخشیاں جب ایک مرد مومن کے قلب کو مصفّٰی ومجلّٰی کرتی ہیں تو پھر اس خوش بخت کے اندر فراست مومنانہ کے جلوۂ صد ہزار رنگ نظر آنے لگتے ہیں اور پھر ان ہی جلووں کی کار فرمائیاں ہوتی ہیں کہ اس کی سیرت وصورت، کردار وگفتار، جلوت و خلوت یہاں تک کہ افکار و اذکار میں بھی ان کی نیرنگیاں دامن کش دیدہ و دل ہوجاتی ہیں اور جب افکار کی تطہیر آب زلال سے ہوجاتی ہے اور یہ صالح و خوش رنگ معانی افکار موزوں شاعری کے تبادلے میں آتے ہیں تو پھر یہی پاکیزہ شاعری اس کو وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ کی خطرناک وادی سے نکال کر اَلشُّعَرَاءُ تَلَامِیْذُ الرَّحْمٰنِ کی پرکیف فضاؤں میں داخل کر کے نہ صرف یہ کہ اس کی نجات اخروی کی ضمانت بن جاتی ہے بلکہ ان صالح افکار کی فیض بخشیوں سے مردہ دلوں کے اندر حرارت ایمانی و عرفانی گردش کناں ہوکر وسیلۂ نجات وفلاح بن جاتی ہے۔ محبت رسول ﷺ کا یہ رشتہ جس قدر حساس ہوگا اس کا اظہار بھی اسی انداز سے ہوگا اور یہ سرمایہ تو ہر دور میں مسلمانوں کے لیے شعائر ایمان ٹھہرا ہے۔ بقول ڈاکٹر محمد اقبال ''مسلمان تو یہ سننے کے لیے بھی تیار نہیں کہ ان کے رسول ﷺ کے کپڑے میلے تھے۔'' چناں چہ حضرت سیّدنا امام ابویوسف رضی اللہ عنہ کی ایک مجلس میں کدو کا تذکرہ نکلا کہ سرکار دو عالم ﷺ کو کدو بہت پسند تھا اسی مجلس میں کسی شخص نے کہا کہ لیکن مجھے پسند نہیں حضرت سیّدنا امام ابویوسف نے تلوار نیام سے باہر نکال لی اور فرمایا کہ ''جَدِّدِ الْاِیْمَانَ وَ اِلَّا لَا قْتُلَنَّکَ'' تجدید ایمان کرو ورنہ میں تمھاری گردن اُڑا دوں گا، یہ حسین جذبہ اسی نازک وحساس رشتے کی علامت تھا اور قوت و طاقت کے اس سرچشمے سے واقفیت ہم سے زیادہ ہمارے مخالفین کو رہی۔ اس برصغیر میں مسلمانوں کی قوت کو منتشر کرنے کے لیے جہاں ان کے قومی، ملی ورثے کو درہم برہم

کرنے کی کوشش کی گئی ۱۸۵۷ء کے بعد مسلمانوں کو من حیث القوم باغی قرار دے دیا گیا وہیں دشمنوں کی جانب سے اس بات کی بھی جدوجہد ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی پر حملے کیے جائیں۔ سیرت طیبہ کا پاکیزہ آئینے کا غلط سلط روایات کے ذریعے دُھندلا کرنے کی کوشش ہوئی تاکہ مسلمانوں کا روحانی تعلق اس سرچشمۂ قوت و طاقت سے کٹ کر رہ جائے اور آپ ﷺ کی ذات اقدس سے جو ان کا قلبی و روحانی رشتہ ہے اس کی گرفت دھیرے دھیرے کم زور ہونے لگے۔ چناں چہ اس تحریک کو بال و پر فراہم کرنے کے لیے عیسائی و یہودی مشینری نے نہایت عیاری سے کہنہ مشق اور تجربہ کار اساتذہ و پروفیسرز کی ذہانت و فکانت کو آلۂ کار بنا کر اپنے عزائم کو منزل سے ہم کنار کرنے کی جدوجہد شروع کر دی۔ پہلے ان اساتذہ کی قدر و قیمت کے تعین کے لیے ایک ماحول بیدار کیا گیا اور ان کی ہمہ دانی اور تحقیقات کی روشن خیال طبقے میں مستند و معتبر بنانے کے لیے ہر ممکن کوشش کی گئی اس کے بعد ان سے اقدار اسلامی اور شان رسالت والو ہیت پر نہایت شاطرانہ انداز میں شب خون مارنے کا کام لیا گیا۔

حقیقت یہ ہے کہ ہماری طاقت و قوت کا سرچشمہ عشق مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء ہی ہے اور جب تک عشق و محبت کا یہ چراغ روشن رہے گا مسلمانوں کو ان کی تمام تر اقلیت کے باوصف شکست خوردگی کی لعنت میں مبتلا نہیں کیا جاسکتا۔ نعتیہ شاعری اسی عشق و محبت کے اظہار کا ایک خوب صورت وسیلہ ہے گویا نعتیہ شاعری کے لیے عشق کا انتساب اور جذبات صادقہ کا سرمایہ ساتھ ہو تو اس راہ کی مسافت طے کرنے کا ارادہ کیا جاسکتا ہے ورنہ:

عرفی مشتاب ایں رہ نعت ست نہ صحرا

عشق نبی ﷺ کے سرمائے کے بغیر نعتیہ شاعری کا حق ادا نہیں ہوسکتا۔ میر نے بھی اس کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے:

عشق بن یہ ادب نہیں آتا

یہ سچ ہے کہ عشق کی آنچ جب تیز ہوتی ہے تو کارگہہ فکر میں نعتیہ اشعار کی ترتیب و تزئین کا سامان ہونے لگتا ہے:

فکر کو تازگی احساس کو رعنائی دے
نعت کا ذوق جو بخشا ہے تو گویائی دے

نعتیہ شاعری کے آغاز کا قطعی تعین تو شاید ایک مشکل امر ہوگا تاہم اردو نعتیہ شاعری کے سلسلے میں جو تاریخی شواہد سامنے آئے ہیں ان کی روشنی میں یہ بات طے ہو چکی ہے کہ اردو ادب میں اس صنف سخن کے باقاعدہ آغاز کا پتا سلطان شہاب الدین التمش کے عہد میں ملتا ہے، ابتدا میں اس صنف سخن کو حضرت امیر خسرو رحمتہ اللہ علیہ سے فروغ ملا اور یوں اردو کی نعتیہ شاعری کی زلف کی آرائش اور اس کے خدو خال کو زیب و زینت فراہم کرنے میں صوفیائے کرام کی خدمات کو بنیادی حیثیت حاصل رہی۔ نعتیہ شاعری سے اپنے دیوان کے لیے برکت حاصل کرنے کے سلسلے میں ہر شاعر نے کم و بیش اپنی سی کوشش ضرور کی ہے۔

ڈاکٹر وحید قریشی اس سلسلے میں یوں اظہار خیال فرماتے ہیں ''اردو شاعری میں نعت گوئی کی روایت نئی نہیں شعرائے قدیم سے جدید شاعری تک ہر بڑے اور اُبھرتے ہوئے شاعر نے جذبۂ عقیدت پیش کیا ہے (ورثہ ص ۱۳) پیش کش کے لحاظ سے نعتیہ شاعری کا سرمایۂ سخن رطب و یابس اور افراط و تفریط کی آلودگیوں سے خود کو محفوظ رکھنے میں ناکام رہا کیوں کہ اگر کہیں شعری اور فنی لوازمات کی کمی رہی تو کہیں لاعلمی یا ہمہ دانی کے زعم نے شرعی حدود کی پاسداری کرنے سے شاعر کے دامن کو کھینچا اور نتیجتاً وہ ضلالت کی گہری کھائیوں میں گرتا ہوا دیکھا گیا اور چوں کہ نعتیہ شاعری کے فن کی پرورش کے لیے جس عشق صادق اور جذب بے کراں کی ضرورت ہے اس سے اکثر شعرا کا دامن خیال محروم تھا اور بعض نے تو حالات کے تقاضے سے مجبور ہو کر نعتیہ شاعری کی روایات سے اپنی شاعری کا رشتہ استوار کیا یہ عناصر وہی ہیں جو:

بہو تم اودھر کو ہوا ہو جدھر کی

کے فارمولے پر عمل پیرا ہو کر شہرت و ناموری کے لالچ میں اس طرح کے کسی موقع کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ اس سلسلے میں پروفیسر شفقت رضوی نے بہت حقیقت پسندانہ تجزیہ فرماتے ہوئے اس رخ سے نقاب اُلٹنے کی جرأت مندانہ کوشش کی ہے اور بہت ہی بے لاگ تبصرہ کیا ہے، ''شہرت اور نام و نمود کے بھوکے معاشرے کے ہر اس موقع سے فائدہ اُٹھا کر اپنے وجود کا غیر ضروری احساس دلانا چاہتے ہیں جو انھیں میسر آجائے شہرت طلب مذہبی اجتماعات میں نعت پیش کر کے تعریف و ستائش پاتے اور سینہ پھلاتے ہیں محرم کی مجلسوں میں نو تصنیف مرثیہ پیش کر کے عصر حاضر کے سب سے بڑے شاعر کہلاتے ہیں اور جب ترقی پسند

بنتے ہیں تو خدا، مذہب، ائمہ اور امام حسین کی شان میں گستاخی کر کے انقلابی کہلانے پر فخر کرتے ہیں ایسے شعرا کے کلام کو درخور اعتناء سمجھنا ہی نہیں چاہیے لیکن ہماری ذہنی مرعوبیت کا یہ حال ہے کہ پروپیگنڈے کے زور پر ہر طرح شاعر بن جانے والوں کی خرافات کو بھی ہم سر آنکھوں پر رکھتے ہیں اور اس طرح ان کی بداعمالی کو بڑھاوا دیتے ہیں۔'' (نعت رنگ، شمارہ نمبر ۱۰، ص ۱۴۷) اپنے ماحول اور گرد و پیش کا ایک سرسری جائزہ لینے کے بعد کیا اس اظہار بیان کی صداقت کا احساس نہیں ہوتا ظاہر ہے کہ منافقانہ روش پر کی جانے والی نعتیہ شاعری نعتیہ ادب کے سرمائے کو تب و تاب دینے سے رہی فکر و عمل کا تضاد بھی نعتیہ شاعری کے دامن تقدس کو پامال کرنے میں مؤثر کردار ادا کر رہا ہے اس جانب نشان دہی کرتے ہوئے ڈاکٹر فرمان فتح پوری کے یہ جملے کس قدر حقیقت پسندانہ اور حالات کے عکاس ہیں، ''ایسے ایسے شعرا کے نعتیہ مجموعے منظرعام پر آگئے ہیں کہ جن کا قول و عمل ارتعاش جذبات کا حضور ﷺ کے اسوۂ حسنہ سے دُور کا واسطہ بھی نظر نہیں آتا بلکہ بعض کی عملی زندگی تو اسوۂ رسول ﷺ کے بالکل برعکس بسر ہو رہی ہے، (اردو نعت، تاریخ و ارتقاء ص ۱۲) فکر و عمل کا یہ تضاد نعتیہ شاعری کے دامن تقدیس کی دھجیاں بکھیر رہا ہے ظاہر ہے کہ ایسے شعرا کے لیے ان کا سرمایۂ سخن وسیلۂ نجات کیا ہوگا جس میں فکر و عمل کے تضاد کا ایسا منظر نمایاں ہو۔ ایسا نہیں ہے کہ نعتیہ شاعری پر فکر و فن کا چراغ جلانے والوں کی فہرست میں مخلصین کی کمی ہے، بحمدہ تعالیٰ آج بھی ایسے شعرا ہیں جو عشق نبوی کے وافر سرمائے کے ساتھ نعتیہ شاعری کے میدان میں فکر و فن کی پرورش میں مصروف ہیں ایسا دیکھا جاتا ہے کہ ایک شاعر شدت جذبات سے مغلوب ہو کر نبی ﷺ کے فراق میں اپنے دن رات تڑپنے کا ذکر کرتا ہے لیکن اس کے اس اظہار میں حقیقت کا قطعی دخل نہیں ہوتا چناں چہ اس سلسلے میں ایک شاعر کی نفیس اصلاح کرنے کا واقعہ فاضل بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کی حیات میں نمایاں ملتا ہے، ایک حافظ صاحب جو حضور پرنور امام اہل سنت قدس سرہ کے مخلصین میں تھے، کچھ کلام بغرض اصلاح سنانے کے لیے حاضر ہوئے۔ اجازت عطا ہوئی سنانا شروع کیا درمیان میں اس مضمون کے اشعار تھے، یارسول اللہ میں حضور کی محبت میں دن رات تڑپتا ہوں۔ کھانا، پینا، سونا، سب موقوف ہوگیا ہے کسی وقت مدینہ طیبہ کی یاد دل سے علاحدہ نہیں ہوتی، اعلیٰ حضرت قبلہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا حافظ صاحب اگر جو کچھ آپ نے لکھا ہے یہ سب واقعہ ہے تو اس میں شک نہیں کہ آپ کا بہت بڑا

مرتبہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی محبت میں آپ فنا ہو چکے ہیں اور اگر محض شاعرانہ مبالغہ ہے تو خیال فرمائیے کہ جھوٹ اور کون سی سرکار میں جنھیں دلوں کے ارادوں، خطروں، قلوب کی خواہشوں اور نیتوں پر اطلاع ہے جن سے اللہ عزوجل نے ماکان و ما یکون کا کوئی ذرہ نہیں چھپایا اور اس کے بعد اس قسم کے اشعار کو کٹوا دیا۔

(حدائق بخشش حصہ سوم ص ۸ مطبوعہ پٹیالہ بحوالہ کلام رضا نئے تنقیدی زاویے مرتبہ، ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی)

دل میں کچھ زبان پر کچھ حقیقت کچھ اظہار کچھ منافقت کی اس روش کو اختیار کر کے نعتیہ شاعری سے وابستگی ہمارے لیے کچھ باعث تسکین نہیں کیوں کہ نعتیہ شاعری صرف تفنن طبع کے لیے نہیں کی جاتی بلکہ اس سے اگر ایک طرف فروغ ادب مقصود ہے تو دوسری جانب اپنے جذبات ایمانی کی تسکین بھی۔ پروفیسر اقبال جاوید نے بھی لکھا ہے کہ ''منافقت کے بت چھپا کر نعتیہ شاعری نہیں کی جاسکتی، اس منافقانہ روش کی تو صریح ممانعت قرآن مقدس سے بھی ثابت ہے۔ لِمَا تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ○ شریعت کی پاسداری کیے بغیر نعتیہ شاعری کا حق ادا کرنا ناممکن ہے دور متقدمین میں عربی فارسی کے شعرا کے یہاں نعتیہ شاعری کے ان لوازم کے توازن کی کمی کا احساس نہیں ہوتا لیکن اردو کی نعتیہ شاعری میں یہ کمی حد درجہ دیکھی جارہی ہے کہیں اظہار بیان میں محتاط لب ولہجہ نہیں، کہیں ذات مصطفوی کو الوہیت کی سرحد میں داخل کرنے کی مثال ہے، کہیں خداوند قدوس کی تنقیص کا پہلو نمایاں ہے، کہیں انبیائے کرام و ملائکہ عظام کی عظمت نشانہ تنقید ہے، کہیں خود ذات رسالت مآب ﷺ کو ان کے منصب سے فروتر دکھانے کی کوشش کی گئی ہے جب کہ نعتیہ شاعری افراط و تفریط کی آلودگیوں سے بچ کر بایں طور انجام دی جائے کہ:

آہستہ کہ ہر دم تیغ ست قدم را

کیوں کہ اگر منصب نبوت و رسالت سے ذرا بھی اوپر اُٹھتا ہے تو الوہیت کی سرحد ہے، نیچے اُترتا ہے تو تنقیص رسالت ہے ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے اس کی نزاکتوں کا صحیح احساس دلاتے ہوئے فرمایا، ''سب جانتے ہیں کہ نعت گوئی کے فن کو سارے شاعروں، ادیبوں، عالموں اور ناقدوں نے مشکل ترین صنف کہا ہے۔ اوّل اس لیے کہ حمد و نعت کی سرحدیں ایک دوسرے سے اس طرح ملی ہوئی ہیں کہ شاعر کی معمولی سی معمولی لغزش بھی اسے نعت کی

حدود سے بڑھ کر حمد کی حدود میں اور حمد کی سرحدوں سے نکال کر نعت کی سرحدوں میں داخل کر سکتی ہے اور اس طرح کا تجاوز کبھی مستحسن قرار نہ پائے گا۔ نعت گوئی کو مشکل ترین صنف سخن کہنے کا دوسرا سبب یہ ہے کہ اس کا موضوع حد درجہ عظیم و وسیع ہے اور اس کے ذاتی و صفاتی مقامات و مراتب اتنے ارفع و اعلیٰ ہیں کہ اللہ رب العزت نے خود اس کی مدح فرمائی ہے اور اپنے بندوں کو اس کی مدح و ثنا کرنے کا حکم دیا ہے۔ ملائکہ اس ذات اقدس پر صبح و شام درود و سلام بھیجتے ہی رہتے ہیں، اب اس صورت میں حضرت محمد ﷺ کی ذات گرامی خود اپنے خالق و مالک کی ممدوح ٹھہرتی ہے۔ ایسے ممدوح کے بارے میں کسی بندے کا کچھ عرض عجز کلام کے طور پر ممکن ہے چناں چہ ہمارے شعرا نے عجز کلام کے اعتراف کے ساتھ ہی نعتیں کہی ہیں (حرف معتبر ص۸) اعتراف عجز کلام کے پس منظر میں جو نعتیہ شاعری ہوگی۔ اس میں حقیقت کا رنگ غالب ہوگا اور اس کا آہنگ کچھ اس طرح ہوگا۔

ز جام حب تو مستم بہ زنجیر تو دل بستم
نمی گویم کہ من ہستم سخن داں یا رسول اللہ

نعت نبی ﷺ اردو ادب کی وہ صنف سخن ہے جس کے ساتھ ناقدین ادب نے ہمیشہ سوتیلے پن کا سلوک روا رکھا جب کہ نعتیہ شاعری کے گلہائے رنگا رنگ سے اردو ادب کا دامن نہال ہے یہاں تک کہ یہ اسکول و کالج کی سطح تک اپنی حیثیت متعین کرانے میں آج بھی بامراد نہیں غزل بھی صنف سخن ہے مگر غزل ہی نہیں ادب میں نعت بھی شامل بڑے ادب سے ہے۔ یہ ایک ایسی تلخ حقیقت ہے جس کی روشنی میں ناقدین اردو ادب اپنی غیر جانبداری میں مشکوک نظر آتے ہیں۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر فرمان فتح پوری رخ حقیقت سے یوں نقاب اُلٹتے ہیں ''بدقسمتی یہ ہے کہ ہماری نعتیہ شاعری یا ایسی شاعری جس کے موضوع کا متن اسلام یا اسلامی اقدار و روایات سے ہو کچھ زیادہ لائق پذیرائی خیال نہیں کیا جاتا اور ان اقدار کی متحمل نظموں کو مذہب، اخلاقیات اور تاریخ کا منظوم درس خیال کر کے ہمارے ناقدین ان پر نظر ڈالنا ہی پسند نہیں کرتے اور اگر بے دلی و تنگ نظری کے ساتھ کسی نے اس پر توجہ کی تو ایسی نظموں کو صحافت سے قریب تر موضوعاتی شاعری کا نام دے کر انھیں بے وقعت اور کم مایہ ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے ایسے ناقدین کے نزدیک موضوعاتی شاعری بحیثیت مجموعی خارجی واقعات سے اور غیر موضوعاتی داخلی کوائف سے تعلق رکھتی ہے (اردو کی نعتیہ شاعری

بحوالہ نعت رنگ شمارہ نمبر۱۰ ص ۵۷، ص ۵۸) ڈاکٹر صاحب کے اس بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے پروفیسر شفقت رضوی لکھتے ہیں، ''ڈاکٹر صاحب کے بیان کے ایک حصے سے کہ نقادان فن مذہبی شاعری کا نام سن کر بھڑک جاتے ہیں اس اعتبار سے غلط نہیں کہ جن کے ضمیر سکوں میں رہن ہیں جن کے دماغوں میں بربنائے کم علمی مذہب کے بارے میں معلومات صفر ہیں اور جن کے دماغ پر کسی خاص ازم کی ڈھول جمی ہوئی ہے وہ مذہب کی ضرورت اور اہمیت سے انکار کرتے ہیں۔ وہ مذہب اور مذہبی اقدار کے دشمن ہیں ایسے دشمن کہ ان کا ہر حربہ بو میرنگ (Boomerang) بن کر ان کے منہ پر آگرتا ہے، (نعت رنگ شمارہ نمبر۱۰ ص ۵۸)

اس کی وجہ ناقدین اردو ادب کے سامنے جو کچھ بھی ہو لیکن اس سلسلے میں میرے جو احساسات و جذبات ہیں وہ نذر قارئین ہیں۔ نعت نبی ﷺ اپنی حدود و قیود کے اعتبار سے دو دھاری تلوار ہے جس میں دونوں جانب حد بندیاں قائم کردی گئی ہیں اگر ''لَا تُشْرِکُوْا بِااللّٰہِ شَیْئاً'' ہے تو ''لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتِکُمْ فَوْقَ صَوْتَ النَّبِیِّ اور لَا تَجْعَلُوْ دُعَاءِ الرَّسُوْلِ کَدُعَاءِ بَعْضُکُمْ کا بھی حکم ہے۔ فضائل رسالت مآب ﷺ میں اتنا آگے نہ بڑھ جائے کہ الوہیت کی سرحد میں داخلہ ہوجائے اور الفاظ و معانی کے استعمال میں ایسی آزادی اختیار نہ کرے کہ عظمت نبوت و تقدس رسالت کا دامن تار تار ہوتا نظر آئے یہاں نہ افراط ہے نہ ہی تفریط بلکہ توازن کی ایک ایسی فضا ہے کہ:

کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جاست

یہ بات علاحدہ ہے کہ نعتیہ شاعری کا دامن افراط و تفریط کی آلودگیوں سے پاک و صاف نہیں کہیں نبوت کے ڈانڈے الوہیت سے ملائے جا رہے ہیں تو کہیں خدا کی تنقیص تک کرنے کی جرأت کافرانہ کا انداز نظر آتا ہے، مثلاً:

سمندر سے ملے پیاسے کو شبنم
بخیلی ہے یہ رزاقی نہیں ہے
خدائے پاک کوئی اب نئی زمیں ڈھونڈے
کہ اس محیط پہ جنت نشاں حجاز ہوا
ہے خدا کو جس قدر اپنی خدائی پر گھمنڈ
اس قدر ہے مصطفیٰ کو مصطفائی پر گھمنڈ

اللہ کے پلّے میں وحدت کے سوا کیا ہے
جو کچھ ہمیں لینا ہے لے لیں گے محمد سے
کہاں اب جبہ سائی کیجیے کچھ بن نہیں پڑتا
احد کو کیجیے یا احمد بے میم کو سجدہ
طور کا جلوہ تھا جلوہ آپ کا
لن ترانی تھی صدائے مصطفیٰ
عشق کی ابتدا بھی تم حسن کی انتہا بھی تم
رہنے دو راز کھل گیا بندے بھی تم خدا بھی تم
بخشے گئے گناہ جو سب کے بروز حشر
یزداں کی بھول تھی کہ سخاوت رسول کی

عظمت نبوت و رسالت کے منافی اشعار کی بھی بھرمار ہے کہیں صریح تنقیص ذات رسالت ہے تو کہیں منافی ادب الفاظ و تراکیب نے نعتیہ شاعری کا چہرہ مسخ کر کے رکھ دیا جدیدیت کی وبا نے بھی اپنے نشانات چھوڑے ہیں لیکن بعض محتاط شعرا کو چھوڑ کر دوسرے شعرا کے یہاں جدیدیت نے سوئے ادب کے پہلو کو راہ دی ہے اس سلسلے میں دلاور فگار کی یہ رائے ملاحظہ فرمائیں:

''آج کل ایک وبا جدیدیت کی بھی پھیلی ہوئی ہے۔ غزل و نظم، مزاح و طنز ہر صنف سخن میں نقش کہن کو مٹایا جا رہا ہے۔ اس فیشن نے ہماری شاعری کی تہذیبی روایات ہی کو ختم کر کے رکھ دیا ہے اور پھر نعت پاک میں تو جدیدیت کے تجربے کی گنجائش بھی نہیں یہ جدیدیت نعت میں سوئے ادب کا پہلو بھی پیدا کر سکتی ہے۔'' (حرف معتبر ص ۱۵) نعت کو آفاقی بنانے کے لیے اس کے کینوس کو مزاج وسعت سے آشنا کرنا ضروری ہے اور اس کے لیے جدید رنگ و آہنگ کو ناروا قرار نہیں دیا جا سکتا تاہم دلاور فگار کی اس رائے سے ضرور اتفاق کیا جائے گا کہ اس دوڑ میں حسن ادب کا دامن ہاتھوں سے چھوٹنے نہ پائے مبادا سوئے ادب راہ پا جائے کیوں کہ

با خدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار

اس لیے سوئے ادب سے دامن بچاتے ہوئے اگر جدید رنگ و آہنگ میں نعتیہ شاعری کی

جائے تو اس سے نعت جیسی صنف سخن کو مزید تب و تاب ملے گی، لیکن ایسا نہ ہو کہ اس دوڑ میں ادب رسالت کے منافی الفاظ و تراکیب راہ پانے لگیں۔ مثلاً:

ہمیں کیوں یا نبی کہنے سے آخر منع کرتے ہو
نبی سے تم کہو وہ چھوڑ دیں چارہ گری اپنی

☆

لکھوں جو نعت تو ہوتا ہے ہر گھڑی محسوس
میں حرف ہوں تو مری لے کا معجزہ تو ہے

☆

یہ کیا ستم ہے کہ بادہ کشانِ روزِ الست
بہت دنوں سے پریشان ہیں یا رسول اللہ

☆

میں کروں تیری طرح تسخیر یہ ارض و سما
یوں شب معراج کے سانچے میں خود کو ڈھال لوں

☆

میں پھیل جاؤں تیری طرح ان فضاؤں میں
یوں مجھ کو رنگ و نور کی صورت اچھال دے

☆

میں اپنی خاک سے گلشن کھلاؤں تیری طرح
تری طرح میں تمنائے رنگ و بو نہ کروں

☆

میرا وجدان مجھے روز یہ دیتا ہے خبر
روبرو ساقی کوثر کے بھی پیاسا ہوگا

☆

مرا ہر نفس ہے عذاب جاں ترا عشق ایسا وبال ہے
کرم اے شہ عرب و عجم مری زندگی کا سوال ہے

☆

ہو مہر درخشاں کی نگاہوں کو چکاچوند
دیکھے وہ جو آئینہ زانوئے محمد ﷺ

☆

بس بہت عرش معلیٰ کے تماشے دیکھے
دیکھنے حال دل خاک نشیناں آجا

☆

طبیعت میں وہ قدرتی شرم جیسے
کہ پردہ نشیں کوئی تاکتخدا ہے
یہ قلب سلیم سی اس کا پڑھتا ہے کلمہ
جسے البیلے افعی نے اس کو ڈسا ہے

☆

گر مصر کے بازار میں ہوتے شہ یثرب
یوسف کا کوئی مفت خریدار نہ ہوتا

☆

غلاموں کو غلامی کا شرف کافی بہت کافی
طبیعت پر گراں سا ہو کرم ایسا بھی ہوتا ہے

☆

سب انساں ہیں واں جس طرح سرفگندہ
اسی طرح ہوں میں بھی اک اس کا بندہ

☆

نہیں بندہ ہونے میں کچھ مجھ سے کم تم
کہ بے چارگی میں برابر ہیں ہم تم

☆

مجھے دی ہے حق نے بس اتنی بزرگی
کہ بندہ بھی میں اس کا اور ایلچی بھی

☆

دل و جگر کو حرارتیں دیں نگاہ کو تابشیں عطا کیں
تراشے پتھر سے جس نے انساں میں ایسے آذر کی نعت لکھوں

متذکرہ نعتیہ اشعار علم و ادب کی دنیا میں مانے جانے والے شعرا کے بیاض خیال سے لیے گئے ہیں ان اشعار کو منصب نبوت و رسالت کے منافی اظہار بیان نے محل اعتراض بنا دیا ہے۔

مجھے اس بات کے اعتراف میں کوئی تامل نہیں ہے کہ جدیدیت سے اخذ و استفادے کی طرف مائل ہونے والی نعتیہ شاعری میں اگر افراط و تفریط کا مزاج ہے تو وہیں بحمدہ تعالیٰ ایسے شعرا بھی ہیں جو فکر و خیال کی تمام تر نیرنگیوں کے باوصف شرعی حدود و قیود کی پاسداری پر گہری نظر رکھتے ہوئے نعتیہ شاعری کے کینوس کو مزاج وسعت سے آشنا کرنے میں کلیدی کردار ادا کررہے ہیں۔ مجھے کچھ لوگوں کی اس بات سے اتفاق نہیں کہ جدید شعرا متقدمین سے بہتر نعت کہنے لگے ہیں۔ ہاں! کچھ شعرا کے نعتیہ کلام میں معنوی سطح پر شریعت و شعریت کی مکمل پاسداری کے امین ہیں۔ مثلاً:

ایک امی طبیب حاذق سے
عصر بیمار نے شفا پائی
(تابش دہلوی)

طوفان بلا میں وہی لنگر وہی ساحل
سرکارﷺ ہیں اس اُمت عاصی کا سفینہ

☆

تاریخ محمد کا نشانِ کفِ پا ہے
انسان کو معراج ملی ان کے قدم سے
آپ کے نام میں ہر لفظ کا مفہوم ملے
میرے سرکار ہیں ہر دور کی زندہ فرہنگ
(سیّدابوالخیرکشفی)

یہ کس کا ذکر لب پر ہے کہ خوشبو
ذہن سے گفتگو کرنے لگی ہے
(رضی اختر شوق)

کبھی ڈوبا نہیں طوفاں میں کنارا میرا
آپ کا اسم گرامی ہے سہارا میرا
(سلیم کوثر)

اُجالا پھیل جاتا ہے مری سوچوں کے غاروں میں
دیارِ خواب میں جب آپ کا پیکر چمکتا ہے

☆

میں لاکھ گرفتہ دل و آشفتہ نظر ہوں
رہتی ہے مگر ان کی تمنا ترو تازہ
(حفیظ تائب)

بے چہرگی کے دور میں اے صاحب جمال
آئینہ حیات کی عظمت تمہی تو ہو
(نذیر فتح پوری)

کٹ کٹ کے گر رہی ہیں صفیں جھوٹ کی تمام
سچائیوں کے ہاتھ میں تلوار آپ ہیں
(جمیل ملک)

اس دیار معتبر میں حاضری جب تک نہ ہو
زندگی بے معتبر ہے تیز چلنا چاہیے
(عاصی کرنالی)

تصورات میں تھا گنبد خضرا
کھلی جو آنکھ شعور نظر مہکنے لگا
میں پائے ناز کی ٹھوکر میں آگیا بیکل
گلاب بن کے سر رہ گزر مہکنے لگا
(بیکل اتساہی)

ذرہ ذرہ تیرے نام سے روشن ہے
لمحہ لمحہ وقت کا زینہ تیرے نام
(عنوان چشتی)

دربار مصطفےٰ میں ہر اک چیز تھی مگر
میں نے منیر طوقِ غلامی اُٹھا لیا
(منیر قصوری)

قلم خوشبو کا ہو اور اس سے دل پہ روشنی لکھوں
مجھے توفیق دے یا رب کہ میں نعت نبی لکھوں

☆

انسانیت کا اوج ہے معراج مصطفےٰ
یہ روشنی کی سمت سفر روشنی کا ہے

☆

اتاری روح کی بستی میں جلووں کی دھنک اس نے
شکست شب پر ہو جیسے سحر آہستہ آہستہ
صبیح ان کی ثنا اور تو کہ جیسے برف کی کشتی
کرے سورج کی جانب طے سفر آہستہ آہستہ
(صبیح رحمانی)

دیکھا جو میرے سر پر شفیع امم کا ہاتھ
خورشید روز حشر کا چہرہ اُتر گیا

☆

بنام سرور کونین جست واحد میں
مرا پرند تخیل حد نجات میں تھا

☆

ترے خیال سے دل کے گلاب کھلتے ہیں
ترے شرر سے بدن میں لہو اچھلتا ہے
(قاسم حبیب)

گزرے نہ قیامت میں قیامت کوئی ہم پر
ٹوٹے نہ کہیں اپنا بھرم آپ کے ہوتے

ہر بیج تناور ہے تو ہر شاخ ثمرور
ہر طرح سے یہ خاک ہے نم آپ کے ہوتے
(رؤف خیر)

نور کی ولادت کا جب بھی آیا ہے موسم
ہم نے بھی چراغوں کی فصل اک اگا دی ہے
باب شہر طیبہ پر دے کے سر کا نذرانہ
اہمیت فصیلوں کی عشق نے گھٹا دی ہے

☆

فضائے خلق و مروت میں تا حد امکاں
نبی کی سیرت و کردار کا چلن مہکے
ہماری موت بھی ہوجائے معتبر اسلم
غبار کوئے مدینہ سے جب کفن مہکے

☆

وصف والیل کا جس کے لیے آیا اسلم
منظر شب بھی اسی زلف کا سایہ ہوگا
(اسلم بستوی)

میرا ماضی مرا فردا ہے انہی سے روشن
میرے ہر دور کے خورشید منور بھی وہی
ذہن و احساس میں ادراک میں خوشبو ان کی
آنکھ کا نور وہی روح کے اندر بھی وہی
(ظفر اقبال ظفر)

ازل ابد کے درمیان رشتۂ قبول وہ
بنائے خلق کائنات آخری رسول وہ
بلند سے بلند تر عمیق سے عمیق تر
زمیں پہ آسمان کا وسیلۂ نزول وہ

ہر ایک شعبۂ حیات آئینہ بنا ہوا
وہ ضابطہ بہ ضابطہ، اصول در اصول وہ

☆

ملاتے جاؤ کڑی سے کڑی زمانوں کی
ازل سے تابہ ابد ان کا سلسلہ دیکھو
بس ان کے نقش قدم پر چلے چلو راہی
نہ کوئی راہ، نہ منزل، نہ فاصلہ دیکھو
(غلام مرتضیٰ راہی)

پانی کے ہاتھ بھیجی ہیں کاغذ کی کشتیاں
مژدہ کوئی تو آئے گا مجھ ہوا کے ہاتھ
دام آخر شکست ذات کی جب تیرگی پھیلے
مری آنکھوں میں تصویر حبیب کبریا آئے
(محسن جلگانوی)

در حضور پر شاید یہ شام کا سورج
گلاب بھر کے لیے جارہا ہے تھالی میں
(یاور وارثیؒ)

دشمن لہو کو امن کی پوشاک کر دیا
خنجر تمام توڑ دیے انتقام کے
لہجے عداوتوں کے وہ منسوخ کر گئے
آواز کو سکھائے ہنر احترام کے

☆

میں اپنے عہد کا صحرا ہوں مجھ کو حیرت ہے
ترے حضور گروں آبشار ہوجاؤں
(جاذب قریشی)

دیکھو گے آؤ تم کو دکھاؤں خدا کا رنگ
کردار مصطفےٰ میں ہے رب علیٰ کا رنگ
دنیا کے رنگ پھیکے پڑے جس کے سامنے
وہ رنگ ہے تو صاحب غار حرا کا رنگ
(ندیم صدیقی)

مولا نور کی بارش میرے لفظوں کا سیلاب اُتار
فکر و فن کی سبز روش پر نعتوں کے سرخاب اُتار
تشنہ لبوں کی بھیڑ ہے ساقی ہاتھ میں سوکھے چھاگل ہیں
کوزۂ جاں میں انگلی رکھ کر رحمت کے سیلاب اُتار
چرخ سے سورج، چاند ستارے، خاک سے موتی شبنم پھول
لے آ، تب کچھ گرد قدم کی رونق شوخ گلاب اُتار
(اشتیاق عالم ضیا)

روشن ہو جس میں ان کی زیارت سے چشم خواب
قیمت بھلا لگائے کوئی ایسی رات کی
میرے تن پر ہے غبار در سلطان امم
روشنی آ، مرے قدموں پہ نچھاور ہو جا
(میکائیل ضیائی)

وہیں سے آئے تھے تم پر پتھر
جہاں کے شہری ہیں پھول جیسے
فلک سے دل میں اتر گئی ہے
تمھاری ذات نزول جیسے
بہت ہیں لیکن کسی میں کب ہیں
وہ وصف میرے رسول ﷺ جیسے
(فرحان حنیف)

خواب مزدور میں ہے سرخ سویرا آباد
ظلم کی دُھوپ سے مرجھا گئے غنچوں کے دہن
ہے مساوات کی ضامن وہی ذات اقدس
جس نے طبقات کی تفریق کے کاٹے بندھن
(کامل سہرامی)

نبی مکرم مسیح دو عالم خراماں چلے آ رہے ہیں
ذرا ٹھہرو، ٹھہرو مقدر سنوارو وہ محبوب رحماں چلے آ رہے ہیں
ٹھہر جاؤ منکر نکیر اب خدارا حساب گنہ بعد میں ہوگا میرا
میں قدموں پر ان کے ذرا دل جھکا دوں انیس غریباں چلے آ رہے ہیں

☆

فنا ہو کر فضا میں کاش میں تحلیل ہو جاتا
سنا ہے کہ شمیم زلف جاناں آنے والی ہے
(راقم الحروف)

ان اشعار کے انتخاب میں عدم ترتیب پر اہل نظر سے معذرت طلب ہوں

جناب ریاض حسین چوہدری کی وہ نعتیہ نظم جسے بیسویں صدی کی آخری طویل نظم قرار دیا گیا ہے اس کے قطعات میں شرعی و شعری رویوں کے اعتدال و توازن کی ایک ایسی پر کیف فضا ہے کہ قاری نظم پڑھنے کے دوران اپنے ماحول سے یکسر کٹ کر حضوری کی منزلیں طے کرنے لگتا ہے۔ آپ بھی اس طویل نعتیہ نظم کے قطعات سے حظ اُٹھائیے:

مجھ کو ہوتا ہی اگر تھا تو مرے رب کریم
ان کے بچپن میں قدم بوسی کا حیلہ ہوتا
پاؤں رکھ رکھ کے گھروندے وہ بنایا کرتے
میں خنک ریت کا بے نام سا ٹیلہ ہوتا
مجھ کو ہوتا ہی اگر تھا تو میرے رب کریم
میں نے سانسوں میں اسی نام کو لکھا ہوتا

میں اسی نام سے تنہائی میں کرتا باتیں
میں نے ہر لحہ اسی نام کو سوچا ہوتا
مجھ کو ہوتا ہی اگر تھا تو مرے رب کریم
تا ابد لب پہ مرے اسم پیمبر ہوتا
حشر کے روز اٹھاتے تو لحد میں میری
نعت کے کیف میں ڈوبا ہوا منظر ہوتا
(ریاض حسین چوہدری)

نعت رسول ﷺ کی زمین پر فکر خیال کے گل بوٹے کھلانے کے لیے جہاں شاعر کا باکمال وفن کار ہونا ضروری ہے وہیں اسے علم دین کے مبادیات سے بھی بخوبی آگاہ ہونا ناگزیر ہے کیوں کہ اس کے بغیر نعتیہ شاعری کا حق ادا کرنا ممکن نہیں۔ جناب قمر زیدی نے اس حقیقت کو پیکر شعر میں یوں بیان کیا ہے:

بیاض دل فراز طور ہو تو نعت ہوتی ہے
اگر شاعر کا باطن نور ہو تو نعت ہوتی ہے
یہاں پرواز کے سارے وسیلے پر شکستہ ہیں
رسول اللہ کو منظور ہو تو نعت ہوتی ہے

حقیقت یہ ہے کہ شرعی حدود و قیود کے التزام کے ساتھ جو حمدیہ و نعتیہ شاعری ہوگی وہ الہامی اور ربانی ہوگی۔ وہ ''ان من الشعر لحکمتہ و ان من البیان لسحراً'' کا مظہر بھی۔ اس کے برعکس دوسری اصناف سخن اس طرح کے حدود و قیود سے قطعی آزاد ہیں۔ وہاں تو محبوب کی کمر کی نزاکت بیان کی گئی تو اس کا وجود حسی مشکل نظر آنے لگا اور شب فراق کی طوالت کا ذکر ہوا تو اس کی پیائش و اندازہ محال تک پہنچ گیا۔ اب ظاہر ہے کہ آزادانہ فضا میں پرورش پانے والی ذہن وفکر کے نزدیک حدود و قیود والی شاعری کو ناقابل اعتنا تو ہونا ہی تھا۔

ڈاکٹر سیّد طلحہ رضوی برق اپنی کتاب ''اردو کی نعتیہ شاعری'' میں حرف آغاز کے تحت تحریر فرماتے ہیں ابھی تک اردو نعتیہ شاعری پر کوئی کتاب شائع نہیں ہوئی ہے؟

اردو شاعری کی آزاد خیالی کی انتہا یہ ہے کہ ملک کے مشہور و معروف ادیب و نقاد پروفیسر شمس الرحمٰن فاروقی جن کی کوئی بھی بات اردو ادب میں سند کی حیثیت رکھتی ہے۔

انھوں نے میر تقی میر کی منتخب غزلوں کا ایک معیاری نسخہ پیش کیا ہے۔ جس میں انھوں نے میر کے فحش و عریاں اور آزاد خیالی کی فضا میں پرورش پانے والے اس شعر کو میر کے کمال شاعری کا نمونہ گردانا ہے:

باہم ہوا کریں ہم دن رات نیچے اوپر
یہ نرم شانے لونڈے ہیں مخمل دو خاب

مذکورہ شعر کی شرح میں فاروقی صاحب لکھتے ہیں کہ "یہ شعر میر کے کمال شاعری کا نمونہ ہے کیوں کہ صریح اور انداز بیان کی عریانی کے باوجود شعر میں اس قسم کی رکاکت نہیں آئی جس کے نمونے جرأت اور انشاء کے یہاں نظر آتے ہیں (شعر شور انگیز مجلہ اول) جہاں معیاری اشعار کے انتخاب کا یہ سر پھرا انداز ہو وہاں نعت جیسی مقدس صنف سخن کے ساتھ انصاف کی کیا اُمید کی جاسکتی ہے اور پھر نعت میں شرعی حدود و قیود کا التزام بھی تو متقاضی ہے شریعت کے علم وافر اور خشیت الٰہی کا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے انما یخشیٰ اللہ من عبادہ العلماءَO

اب ظاہر ہے کہ شرعی حدود و قیود کا التزام رکھتے ہوئے نعتیہ شاعری کا اہتمام و انصرام وہی کر سکتا ہے جو واقف احکام شریعت اور راز دار منصب الوہیت و نبوت ہو اور اس میں جس کا علم جس قدر راسخ اور اعلیٰ ہوگا اس کی شاعری اسی قدر معیاری اور باوزن ہوگی اور اس میں بحمدہ تعالیٰ علمائے کرام کے مقدس گروہ کو پیش قدمی حاصل ہے۔ ناقدین اردو ادب (نعوذ باللہ من ذالک) ان دقیانوس علماء کی شاعری کی تاریخ سے اردو ادب کی تاریخ کو داغدار کرنا کب گوارہ کرتے۔ آپ حیرتوں کے ساتھ ڈاکٹر عارف بیدار کا یہ اقتباس ملاحظہ فرمائیں جو انھوں نے "غزلیات شبلی" میں تحریر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ "ہمارے بکرم اولاد صاحب نے توجہ دلائی کہ اتنا خوب صورت شاعر (شبلی نعمانی) مدت سے چھپا پڑا ہے ہمیں اس پاداش میں کہ وہ "الفاروق" اور "سیرۃ النبیؐ" کا بھی مصنف ہے اور صرف اس جرم میں کہ باریش تھا اور مولانا علامہ کا ایک الگ امیج بن چکا تھا حالاں کہ اس کے تخلیقی ذہن کا حسین ترین حصہ فارسی شاعری میں چھپا پڑا ہے۔" (غزلیات شبلی) مذکورہ اقتباس نے تو ناقدین اردو ادب کی عصبیت کو بیچ چوراہے پر ننگا کر دیا گویا اس کا باریش و باوضع قطع ہونا ہی ناقابل معافی جرم ہے (العیاذ باللہ)

ہمیں حیرت ان ناقدین پر نہیں انھوں نے جو کچھ کیا وہ ان کا طبعی تقاضا تھا۔ تعجب تو اپنوں کی سرد مہری پر ہے۔ اگر ہم نے اس معلوم صنف سخن کے سلسلے میں پوری توانائی صرف کر کے قابل قدر لٹریچر فراہم کیا ہوتا تو حقائق اس قدر زبردست ہوتی ہیں کہ وہ تاریخ کے کسی نہ کسی موڑ پر خراج تحسین وصول کرلیتیں اور پھر آج تاریخ کا انگ و آہنگ ہی کچھ اور ہوتا۔ بہر نوع اگر اب تک کچھ نہیں کیا گیا تو کچھ کر کے اس کی تلافی کا تو موقع ہے ہی۔ جناب سیّد صبیح رحمانی اور ان کے رفقائے کار قابل مبارک باد ہیں کہ انھوں نے ''نعت رنگ'' کے ذریعے حمدیہ ونعتیہ شاعری پر تنقید وتحقیق کے نئے دروازے کھولے اور اس صنف سخن کے مقام کی بازیافت کے لیے قابل قدر لٹریچر فراہم کر دیا۔

☆

ڈاکٹر صابر سنبھلی۔ بھارت

اشعارِ نعت۔ اعتراضات کی حقیقت

مجلہ ''نعت رنگ'' کراچی بابت مارچ ۲۰۰۱ء (شمارہ نمبر۱۱) میں نعت کے تعلق سے عالمانہ اور دلچسپ مضامین اور بحثیں شامل ہیں۔ کچھ محض عالمانہ ہیں تو کچھ محض دلچسپ اور کچھ عالمانہ بھی اور دلچسپ بھی۔ بعض اہل قلم حضرات نعت پر لکھتے ہوئے بھی اپنی طبیعت کی جولانی دکھانے سے باز نہیں رہتے۔ بلکہ برخود غلط نظریات سے نعت جیسی محترم صنف کو مجروح کرتے ہیں۔ یہ نہیں سوچتے کہ یہ نعت کا معاملہ ہے۔ اگر نہ بھی ہو تب بھی ذاتی عناد اور چپقلش ادب کی چیزیں نہیں۔ بہت پہلے بھارت میں بھی ایک ایسی ہی کوشش ہو چکی ہے جب ایک جریدے کے مدیر نے نعت پر خاص نمبر نکالتے ہوئے نعت کے فن پر بحث کرنے کے بجائے اس کے موضوعات اور مشہور نعت گویوں کے معتقدات پر بحث کا دروازہ کھول کر اس نمبر کو نعت نمبر کے بجائے مناظرے کی کتاب بنا دیا تھا۔

''نعت رنگ'' کے زیرِ نظر شمارے کے حصہ مقالات و مضامین میں ''نعتیہ شاعری کے لوازمات'' کے زیرِ عنوان جناب ظہیر غازی پوری کا ایک طویل مضمون شائع ہوا ہے، جس میں وہ ایک دو جگہ غلط فہمیوں کے اور ایک دو جگہ کسی اور چیز کا شکار ہوئے ہیں اور بعض باتیں ایسی لکھ گئے جو نہ لکھی جاتیں تو اچھا ہوتا۔ اس لیے کہ وہ صریحاً غلط ہیں۔ غازی پوری صاحب کے بعض فرمودات کے بارے میں یہ حقیر فقیر بھی کچھ عرض کرنا چاہتا ہے۔

جناب ظہیر غازی پوری رقم طراز ہیں:

> ''حدائق بخشش میں اس طرح کے اشعار تمام تر انتخاب و تصحیح کے باوجود موجود ہیں۔

تمھاری شرم سے شانِ جلالِ حق ٹپکتی ہے
خمِ گردن ہلالِ آسمانِ ذوالجلالی ہے
رضا منزل تو جیسی ہے وہ اک میں کیا سبھی کو ہے
تم اس کو روتے ہو یہ تو کہو یاں ہاتھ خالی ہے
ان دونوں اشعار میں اجتماعِ ردیفین کا عیب موجود ہے۔"

(ص ۱۳۱۔۱۳۰)

اس بیان سے یہ واضح طور پر معلوم نہیں ہوتا کہ مضمون نگار نے نشانہ کس کی طرف سادھا ہے۔ شاعر کی طرف یا حدائقِ بخشش کے مرتب ڈاکٹر فضل الرحمٰن شرؔر مصباحی کی طرف، لیکن ان کے بعض بیانات سے یہ اشارہ ضرور ملتا ہے کہ ان کے ناوکوں کا رخ امام احمد رضا فاضل بریلوی کی طرف ہے۔ کیوں کہ ان کے علاوہ کسی اور کے اشعار میں انھوں نے فنی نقائص دریافت نہیں کیے ہیں۔

یہ الگ بحث کا موضوع ہے۔ ظہیر غازی پوری صاحب نے درج بالا دونوں شعروں میں جس عیب کی نشاندہی کی ہے، اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ یہی دو نہیں ایسے اور شعر بھی ہوسکتے ہیں، لیکن یہ معمولی بات ہے اس لیے اس بارے میں بعد میں عرض کیا جائے گا۔ پہلے ایک سنگین الزام کی طرف توجہ دیجیے۔ ظہیر صاحب رقم طراز ہیں:

"چند اشعار اور ملاحظہ ہوں:

سب نے صفِ محشر میں للکار دیا ہم کو
اے بے کسوں کے آقا اب تیری دہائی ہے
زائر گئے بھی کب کے دن ڈھلنے پہ ہے پیارے
اٹھ میرے اکیلے چل کیا دیر لگائی ہے
ہم دل جلے ہیں کس کے ہٹ فتنوں کے پرکالے
کیوں پھونک دوں اک اف سے کیا آگ لگائی ہے

یہ پوری غزل مفعول مفاعیلن مفعول مفاعیلن (بحرِ ہزج مثمن اخرب) کے وزن میں کہی گئی ہے۔ پہلے شعر کا مصرعِ اوّل اسی وزن میں ہے! مگر مصرعے ثانی خارج از بحر ہے (یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ مصرع کا پہلا

ٹکڑا دوسری بحر مفعول فاعلاتن میں جاپڑا ہے۔ دوسرے شعر کا مصرعے (کذا) اولیٰ خارج از وزن ہے (اس کا پہلا ٹکڑا دوسری بحر میں ہے) تیسرے شعر کا بھی پہلا مصرع بے وزن ہے۔ معنوی اعتبار سے بھی ''اٹھ میرے اکیلے چل'' اور ''ہم دل جلے ہیں کس کے'' وغیرہ قابل گرفت ہیں۔'' (ص۱۳۱)

ناقد نے شاعر پر جو الزام لگایا ہے وہ معمولی نہیں ہے! لیکن اس الزام میں کتنا دم ہے اس کا پتا ان مصرعوں کی تقطیع کیے بغیر نہیں چل سکتا۔ لہٰذا تینوں مصرعوں کی تقطیع ذیل میں درج کی جاتی ہے:

وزن	مفعول	مفاعیلن	مفعول	مفاعیلن
شعر۱ مصرع ثانی	اے بے کَ	سِ کے آقا	اب تیرِ	دہائی ہے
شعر۲ مصرع اولیٰ	زائرگَ	اِبھی کب کے	دِن ڈھل نِ	کٗ ہے پارے
شعر۳ مصرع اولیٰ	ہم دِل جَ	لِ ہیں کِس کے	بَٹ فِت نَ	کِ پرکالے

تقطیع سے ثابت ہوا کہ جن تین مصرعوں پر خارج از وزن ہونے کا الزام لگایا تھا سب اپنے وزن میں درست ہیں۔ واضح ہو کہ امام احمد رضا پر بے بنیاد الزامات لگانا کوئی نئی بات نہیں ہے۔ اس سے پہلے بھی ان پر اس سے زیادہ گھناؤنے اور بے بنیاد الزامات لگائے جاتے رہے ہیں۔ لیکن چاند پر خاک اچھینے سے اس کا کبھی کچھ نہیں بگڑا (اگر تقطیع میں کہیں غلطی ہو تو اس کی نشاندہی کی جائے)۔

یہاں یہ عرض کر دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ظہیر صاحب نے جن مصرعوں کو خارج از وزن قرار دیا ہے ان کی جو تقطیع انھوں نے کی ہے وہ بھی غلط نہیں ہے۔ گویا یہ مصرعے ایک سے زیادہ اوزان میں تقطیع ہوتے ہیں اور ظہیر غازی پوری صاحب یہ بھی جانتے ہوں گے کہ کسی مصرع کا ایک سے زیادہ اوزان میں تقطیع ہونا عیب نہیں بلکہ ایک صنعت (خوبی) ہے جس کو صنعتِ متلون کہتے ہیں۔ گویا ظہیر صاحب حسن کو عیب بنا کر پیش کرنے کے فن میں بھی یدطولیٰ رکھتے ہیں۔

یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ ظہیر صاحب تقطیع کرنا نہیں جانتے پھر اتنے سنگین اور

بے بنیاد الزام کی وجہ بغض اور عناد کے سوا کس چیز کو سمجھا جائے۔ ظہیر صاحب نے یہ بھی فرمایا:

> ''معنوی اعتبار سے بھی ''اٹھ میرے اکیلے چل'' اور ''ہم دل جلے ہیں کس کے'' وغیرہ قابل گرفت ہیں۔''

معلوم ہوا کہ جو چیز ظہیر صاحب کو پسند ہو وہ اچھی ہے اور جو ناپسند ہے وہ عیب دار۔ اسی لیے انھوں نے اس کی وضاحت نہیں کی کہ ان مصرعوں میں معنوی اعتبار سے کیا سقم ہے۔ اگر وہ اس سقم کی نشاں دہی فرمائیں تو اس پر بھی غور کیا جاسکتا ہے موجودہ حالت میں تو ایک عام قاری جو اصول و فن سے واقف نہیں ہے یہی تاثر لے گا کہ واقعی دونوں مصرعے معنوی اعتبار سے غلط ہیں اور شاید یہی غازی پوری صاحب کا منشائے دلی تھا، جس میں وہ کامیاب ہیں۔

اس منشائے دلی کا ثبوت اس سے بھی ملتا ہے کہ انھوں نے دو مصرعوں کو ہی معنوی اعتبار سے قابل گرفت نہیں لکھا بلکہ ساتھ ہی لفظ ''وغیرہ'' لکھ کر یہ تاثر بھی دے دیا کہ ایسے مصرعوں کی تعداد بہت ہے جب کہ نشان دہی دو ہی مصرعوں کی کی اور وہ بھی وضاحت کے بغیر، آگے تحریر فرماتے ہیں:

> ''ان کا یہ شعر ملاحظہ فرمائیے:
>
> میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب
> یعنی محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا
>
> اس شعر کے مصرع ثانی میں لفظ ''یعنی'' کی ''ی'' کا سقوط جائز نہیں ہے۔'' (ص ۱۳۱)

عربی و فارسی کے الفاظ کے آخر سے حروف علت کا سقوط بیشتر اساتذہ فن نے ناجائز قرار دیا ہے، لیکن اس پر سب متفق نہیں ہیں۔ چونکہ شعر میں دیسی الفاظ کے حروف علت کو گرانا روا رکھا گیا ہے۔ اس لیے پروفیسر گیان چند جین نے اس پر ایک چبھتا ہوا ریمارک کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

> ''ہندی الفاظ کے آخری مصوتوں کو گرانا اور عربی فارسی الفاظ میں نہ گرانا اس مفروضے پر مبنی ہے کہ عربی فارسی الفاظ بلند تر ہیں، ان کی سالمیت کو مقدس ماننا چاہیے۔ جب کہ ہندی الفاظ فروتر اور گرے

پڑے ہیں، ان کے ساتھ جراحت و تشدد جائز ہے۔"(اردو کا اپنا عروض، ناشر انجمن ترقی اردو، (ہند) نئی دہلی ص ۳۰

ایک غیر مسلم دانش ور نے مسلم اساتذۂ فن پر جو الزام لگایا ہے اس کا جواب کسی کے پاس نہیں ہے۔ ظہیر غازی پوری صاحب کے پاس بھی نہیں۔ میں نے اس الزام کو رد کرتے ہوئے اب سے ۵ برس پہلے لکھا تھا:

"عربی و فارسی الفاظ ہمارے لیے غیر ہیں۔ ہم اپنے الفاظ کو کسی بھی طرح استعمال کرنے کے مجاز ہیں، اپنی زبان کی باریکیوں کو بھی ہم سمجھتے ہیں، اس لیے ہمارے اساتذہ یہ بھی جانتے ہیں کہ کس موقع پر حرف علت کا سقوط جائز ہے اور کس موقع پر نہیں۔ عربی اور فارسی زبانوں کے ہندوستانی عالم بھی ان زبانوں کی باریکیوں کو اس طرح نہیں سمجھتے، جس طرح ان زبانوں کا ایک عام اہل زبان سمجھتا ہے۔ راعنا کی جگہ راعینا استعمال کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کے ذریعے متنبہ کیا۔ اگر اہل ایران او، تو، ہجو، کتابے، گرفتی کے آخری حروف علت کو گراتے ہیں تو انھیں اس کا حق حاصل ہے۔ ہمیں اس کا حق نہیں پہنچتا۔ اس لیے یہ کہنا کہ "عربی فارسی الفاظ کو بلند تر اور ہندی الفاظ کو فروتر سمجھا جاتا ہے" درست نہیں۔ اپنوں کے ساتھ جو سلوک کیا جاسکتا ہے وہ غیروں کے ساتھ نہیں کیا جاسکتا۔ ہندوستانی الفاظ ہمارے اپنے ہیں اور فارسی عربی کے ہمارے لیے غیر۔"
(ماہ نامہ "تیر نیم کش"، مرادآباد، بابت ستمبر ۱۹۹۶ء، ص ۶۔۵، نیز "توضیح فنون ادب" مصنفہ صابر سنبھلی ۱۹۹۷ء، ص ۱۳۹۔۱۳۸)

اگر ظہیر غازی پوری صاحب نہ جانتے ہوں تو جان لیں کہ امام احمد رضا کو عربی و فارسی پر بھی ایسی ہی قدرت حاصل تھی جیسی اردو زبان پر تھی۔ اس لیے انھیں عربی فارسی الفاظ کے آخر سے حروف علت گرانے کا بھی ایسا ہی حق تھا جیسا اردو الفاظ کے حروف علت گرانے کا۔

لفظ "یعنی" کی یاے آخر کے سقوط کا ایک جواز یہ بھی ہے کہ عربی فارسی اور اردو

میں ایسا کیا جاتا رہا ہے۔ مثالیں جلد ہی پیش ہوں گی! لیکن جیسا کہ عرض کر چکا ہوں۔ اس سقوط کے ناجائز ہونے پر اساتذۂ فن اور اہل بلاغت کبھی باہم متفق نہیں ہو سکے۔ نہ اصولاً اور نہ عملاً۔ اس بارے میں کچھ شواہد پیش کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

پروفیسر گیان چند جین کی اس بات میں بے اطمینانی آپ اوپر ملاحظہ فرما چکے۔

سیّد غلام حسنین قدؔر بلگرامی تحریر فرماتے ہیں:

''قتیل نے نہر الفصاحت میں لکھا ہے کہ شعرائے توران یائے تحتانی کو الف وصل کے بغیر بھی ساقط کرتے ہیں:

بتان آذری را باتو ہیچ نسبت نیست

بتان آ مفاعلن ذر را بافعلاتن...

خاقانی اپنے تخلص کی ی کو بار بار گراتا ہے:

خاقانی عید آمد و خاقان بریمن وجود خاقان مفعول

(قواعد العروض مصنفہ سیّد غلام حسنین قدؔر بلگرامی، مطبوعہ ۱۳۰۰ھ، ص ۸۳۔۸۲)

یاس یگانہ چنگیزی رقم طراز ہیں:

''عربی فارسی الفاظ میں جو حروف علت آتے ہیں، انھیں بھی اساتذہ نے کثرت سے گرایا ہے، چناں چہ ناسخ کے یہاں بھی بیسیوں مثالیں موجود ہیں، مگر الفاظ عربی و فارسی کے واؤ گرانے میں احتیاط مناسب سمجھتا ہوں، بلکہ اکثر مقام پر ہندی واؤ کو گرانا بھی ناگوار معلوم ہوتا ہے۔'' (چراغ سخن، صفحہ ۶۳، بحوالہ ''اردو کا اپنا عروض'' ص ۲۹)

مطلب یہ ہوا کہ یاؔس عربی و فارسی الفاظ کے ''واؤ'' کو گرانا نامناسب سمجھتے تھے ''ی'' کو نہیں۔ جب کہ ''یعنی'' میں ''ی'' کا سقوط ہوا ہے۔

شمس الرحمٰن فاروقی صاحب کا اس بارے میں جو موقف ہے اس کو نقل کرنا طوالت کا باعث ہے۔ پروفیسر گیان چند جین نے اس کا خلاصہ اس طرح کیا ہے:

''سقوط حرف کے بارے میں عربی فارسی الفاظ اور ہندی الاصل الفاظ میں امتیاز کی کوئی ضرورت نہیں اور اردو میں عربی فارسی الفاظ کے

آخری مصوتوں کو بھی ساقط کرنے میں کوئی حرج نہیں۔" (اردو کا اپنا عروض، ص ۳۰)

اساتذۂ سخن اور ماہرینِ فن کی ان آرا کے بعد عربی فارسی الفاظ میں سقوطِ حرفِ علت کی مثالیں ملاحظہ فرمایئے۔ قدر بلگرامی نے قواعد العروض میں مثالاً کچھ ایسے اشعار درج کیے ہیں۔ دو یہاں نقل کیے جاتے ہیں:

سرو برداشتہ انگشت شہادت در باغ
میکند بید ادا سجدہ ربی الاعلیٰ
(واثق بلگرامی، ص ۸۳)

اس شعر میں ربی کی "ی" تقطیع میں ساقط ہوتی ہے۔

نادِ علیًا مَظْهَر العَجَائِب
تَجِدَهُ عَوْنًا لَکَ فِی النَّوائِب
(ص ۸۳)

اس میں بھی "فی" کی "ی" تقطیع میں گرتی ہے۔

شمس الرحمٰن فاروقی صاحب نے "عروض آہنگ اور بیان میں دیوان حافظ سے سرسری نظر میں ایسے اشعار خاصی تعداد میں نقل کیے ہیں جن میں ظہیر غازی پوری صاحب کا بیان کیا ہوا عیب موجود ہے۔ چند اشعار نقل کر رہا ہوں۔

ہر پارہ از دلِ من و از غصہ قصۂ
ہر سطرے از خصالِ تو از رحمت آیتے

"سطرے" کی "ے" تقطیع میں نہیں آتی۔

یاری اندر کس نمی بینم یاراں چہ شد
دوستی کہ آخر آمد دوست داراں چہ شد

تقطیع میں "یاری" کی "ی" کا سقوط ہو رہا ہے۔

دل نشیں شد سخنم تا تو قبولش کردی
آرے آرے سخن عشق نشانے دارد

"آرے آرے" کی "ے" تقطیع میں نہیں آتی۔

اے فروغِ ماہ حسن از روے رخشان شما
آبروے خوبی از چاہ زنخدان شما

''خوبی'' کی ''ی'' تقطیع میں ساقط ہو رہی ہے۔

بحق مہر سلیماں بہ زہد ابراہیم
بحق موسیٰ و عیسیٰ و یونس غمخوار

''موسیٰ'' اور ''عیسیٰ'' کا آخری حرف تقطیع میں دب رہا ہے۔

(ماخذ از ''عروض آہنگ اور بیان'' مصنفہ شمس الرحمٰن فاروقی، ناشر کتاب نگر دین دیال روڈ، لکھنؤ، ۱۹۷۷ء ص ۵۱)

معلوم ہوا کہ حافظ شیرازی بھی اس چیز کو عیب نہیں مانتے تھے۔
مجھے بھی اس طرح کے کچھ اشعار یاد آرہے ہیں، درج کر رہا ہوں۔

نہ ستیزہ کار جہاں نئی نہ حریف پنجہ فگن نئے
وہی فطرت اسداللہی وہی مرجبی وہی عنتر

معلوم نہیں اس شعر کا خالق کون ہے، لیکن اس میں ''اسداللہی'' کے ''ل'' پر آنے والا الف گر رہا ہے جو اگرچہ لفظ کا آخری حرف نہیں ہے، لیکن ظہیر غازی پوری کے نزدیک سخت عیب ہونا چاہیے۔

اور ملاحظہ فرمائیں:

خلق می گوید کہ خسرو بت پرستی می کند
آرے آرے می کنم باخلق مارا کار نیست
(امیر خسرو)

ثابت ہے جو اگلا تو نہیں موزوں میں کچھ حال
تیروں میں ہے پرگیری تو چلہ بے نشاں ہے
(سودا)

خسرو کے شعر میں ''آرے'' کی ''ے'' اور سودا کے شعر میں ''پرگیری'' کی ''ی'' ساقط ہوتی ہے۔

الٰہی آب یہ ہوتا زمیں زمیں کو ثبات
زمیں پہ تا ہو فلک اور فلک کو ہو تدویر
(ذوق)

الٰہی کی ''ی'' تقطیع میں گر رہی ہے۔

شب دیجور اندھیرے میں ہے ظلمت کے نہاں
لیلیٰ محمل میں ہے ڈالے ہوئے منھ پر آنچل
(محسنؔ کاکوروی)

تقطیع میں ''لیلیٰ'' کی یائے ثانی نہیں آتی۔

دل میں کچھ اور ہے پر منھ سے نکلتا ہے کچھ اور
لفظ بے معنیٰ ہیں اور معنیٰ ہیں سب بے اٹکل
(محسنؔ کاکوروی)

دونوں جگہ ''معنیٰ'' کی ''ی'' تقطیع سے گر رہی ہے۔

سامعیں جلد سمجھ لیں جسے صنعت ہو وہی
یعنی موقع ہو جہاں جس کا عبارت ہو وہی
(میر انیسؔ)

لیجیے اس شعر میں ''یعنی'' کی یائے ثانی ہی تقطیع سے ساقط ہو رہی ہے۔

اگر تلاش کی جائے تو ایسی بہت سی مثالیں مل جائیں گی اور کم شعرا کا کلام ظہیرؔ صاحب کے اس مبینہ عیب سے خالی ہوگا۔

اس پر بھی اگر ظہیرؔ غازی پوری صاحب یہی فرمائیں کہ ''یعنی'' کی ''ی'' کا سقوط جائز نہیں ہے تو اس کو ان کی انفرادی رائے ہی سمجھا جائے گا، جس کی کوئی اہمیت نہیں۔

ظہیر صاحب آگے رقم طراز ہیں:

''معنوی اور فکری اعتبار سے بھی یہ شعر حصارِ نقد میں آجاتا ہے۔'' اس کے بعد وہ دینیات کے معلم بن جاتے ہیں اور ایک مفتی کے انداز میں قلم کو رواں کردیتے ہیں۔ مجھے یہ تو معلوم نہیں کہ ظہیرؔ غازی پوری صاحب عالمِ دین اور مفتیِ شرع ہیں یا نہیں، ہاں اتنا معلوم ہے کہ امام احمد رضا کے علمی پائے اور فقاہت کی بلندی تک ان کے خیال وفکر کی رسائی بھی مشکل ہے۔ اس بارے میں ظہیرؔ غازی پوری صاحب نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے۔ امام احمد رضا بھی خوب جانتے تھے۔ معلوم ہوا ہے کہ اس بابت ''نعت رنگ'' کے کسی سابقہ نمبر میں بحث بھی ہو چکی ہے۔ میرا یہ منصب نہیں کہ دینی مسائل اور عقائد کے مباحث میں کچھ عرض کروں

ورنہ جم کر لکھتا۔ اس وقت صرف یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اس موضوع سے متعلق بحث میں شاید یہ نکتہ نہیں آیا تھا کہ خدائے عزوجل کا ذاتی نام "اللہ" ہے جو کسی دوسرے کا نہیں ہوسکتا ہے اور مالک اس کا صفاتی نام ہے جو دوسروں کا بھی ہوسکتا ہے، بلکہ ہوتا ہے۔

آخر میں اجتماع ردیفین کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

اجتماع ردیفین کو اساتذہ اور ماہرین بلاغت نے عیوب میں شمار کیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس سے واسطہ بھی ہر شاعر کو پڑتا ہے۔ تھوڑے بہت تصرف سے کبھی کبھی یہ عیب نکل تو جاتا ہے، لیکن کبھی مصرع کی روانی، کبھی شعر کی روانی، کبھی شعر کی بندش، اور کبھی تاثیر مجروح ہوجاتی ہے۔ ظہیر غازی پوری صاحب نے جن دو شعروں میں اجتماع ردیفین کی نشاں دہی کی ہے ان کو دوبارہ لکھ رہا ہوں:

تمھاری شرم سے شانِ جلالِ حق ٹپکتی ہے
خمِ گردن ہلالِ آسمانِ ذوالجلالی ہے
رضاؔ منزل تو جیسی ہے وہ اک میں کیا سبھی کو ہے
تم اس کو روتے ہو یہ تو کہو یاں ہاتھ خالی ہے

پہلے شعر کے مصرع اولیٰ کو اگر یوں کر دیا جائے۔

ٹپکتی ہے تمھاری شرم سے شانِ جلالِ حق

تو اجتماع ردیفین کا عیب تو نکل جائے گا، لیکن اہل نظر سمجھ سکتے ہیں کہ مصرع کی کیسی مٹی پلید ہوجائے گی۔ دوسرے شعر کو رد و بدل کے باوجود میں اس قابل نہ کرسکا کہ ظہیر صاحب کا اعتراض ختم ہوجاتا، ممکن ہے ظہیر صاحب اس شعر کے پہلے مصرع کو کسی اور طرح کہہ کر اس عیب کو نکال دیں کیوں کہ سنا گیا ہے وہ استاد شاعر ہیں، لیکن استادی تب مانی جائے گی جب مصرع میں ترقی نہ ہو تو تنزل بھی نہ ہو۔ اسی طرح سید صبیح رحمانی صاحب کی ایک نعت:

حضور ایسا کوئی انتظام ہوجائے
سلام کے لیے حاضر غلام ہوجائے

مقبولیت کے جھنڈے گاڑ رہی ہے، اس میں حاصل نعت شعر یہ ہے:

حضور آپ جو سن لیں تو بات بن جائے
حضور آپ جو کہہ دیں تو کام ہوجائے

راقم السطور سے باوجود کوشش اس شعر سے اجتماعِ ردیفین نہ نکل سکا۔ ظہیر صاحب استاذ الشعرا کہے جاتے ہیں وہ اس کو اس طرح درست کردیں کہ شعر کی تاثیر میں کمی واقع نہ ہو تو یہ بڑی بات ہوگی

اجتماع ردیفین کے بارے میں اب تک جو کچھ کہا گیا اس سے امام احمد رضا کے شعروں پر کیے گئے اعتراضوں کا دفاع نہیں ہوتا۔ یہ تمہید محض فن سے ناواقف قارئین کو اجتماع ردیفین کے ہر دو پہلو سے واقف کرانے کی معمولی سی سعی تھی۔ اب آگے عرض کیا جاتا ہے۔

اوپر عرض کیا جاچکا ہے کہ اجتماع ردیفین سے واسطہ ہر شاعر کو پڑتا ہے۔ جب اس سے بچنے ساری کوششیں بے سود ثابت ہوجاتی ہیں تو حل کی ایک آخری اور آسان مگر تکلیف دہ صورت باقی رہ جاتی ہے اور اس پر ہی عمل کیا جاتا ہے۔ وہ صورت یہ ہے کہ ایسے شعر کو ہی غزل سے خارج کردیا جاتا ہے۔ شعر کا خون ہوتا ہے۔ اس سے تکلیف تو ہوتی ہے، لیکن زندگی بھر اور بعد وفات بھی ظہیر غازی پوری جیسے نکتہ چینیوں کی نکتہ چینیوں سے محفوظ رہنے کے خیال سے جو راحت نصیب ہوتی ہے وہ وقتی تکلیف کا بڑا اچھا مداوا بن جاتی ہے۔ لیکن نعت میں معاملہ اس کے برعکس ہے۔ غزل ستائش کی تمنا کے ساتھ ہی کہی جاتی ہے۔ نعت گوئی کے محرکات یہ ہیں:

۱۔ سرکار دو عالم ﷺ کی خوشنودی اور ثواب کا حصول۔

۲۔ ثواب اور ستائش دونوں کی تمنا۔

۳۔ صرف ستائش کی تمنا۔

دُنیا جانتی ہے کہ امام احمد رضا ستائش کی تمنا اور دنیاوی صلے کی پروا، دونوں سے بے نیاز تھے (وہ آخرت میں ملنے والے صلے کی خاطر شعر کہتے تھے) ورنہ نواب نانپارہ کی فرمائش کو یوں کہہ کر رد نہ فرماتے:

کروں مدح اہل دول رضا، پڑے اس بلا میں مری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا، مرا دین پارۂ ناں نہیں

ان کی نظر سرکار دو عالم ﷺ کی خوشنودی پر ہی رہتی تھی اور نعت گوئی ہی کیا ان کا ہر فعل خدا اور رسول ﷺ کو راضی کرنے کے لیے تھا۔ خود فرماتے ہیں:

ثنائے سرکار ہے وظیفہ، قبول سرکار ہے تمنا
نہ شاعری کی ہوس نہ پروا روی تھی کیا کیسے قافیے تھے

فن شاعری سے بھی وہ بے بہرہ نہیں تھے (دیکھیے، فتاویٰ رضویہ جلد۱۲، جس میں ایک سوال کے جواب میں عروض و فن شاعری پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے) لیکن ہر شعر حصول ثواب کی نیت سے ہی کہتے تھے۔ اجتماع ردیفین یا کسی دیگر مبینہ عیب کے آجانے اور کوشش کے باوجود اس کے نہ نکل پانے پر وہ بھی اس شعر کو نعت سے خارج کرسکتے تھے۔ مگر اس میں ان کو خسارۂ عظیم نظر آتا تھا، جو ان کے لیے ناقابل برداشت تھا۔ وہ اس طرح کہ رسول اللہ ﷺ کی تعریف میں کوئی شعر جو اس وقت دیوان میں موجود ہے اس کو اب تک کتنے لوگ پڑھ چکے ہیں اور کتنی کتنی بار پڑھ چکے ہیں اور قیامت تک کتنے لوگ کتنی کتنی بار پڑھیں گے اور کا اندازہ بھی نہیں لگایا جاسکتا۔ ایسے شعر کو سن کر کتنے لوگ متاثر ہوئے اگر اس کو بھی نظر میں رکھا جائے تو ایک ایک شعر کی خواندگی و شنید کروڑوں بار تک پہنچے گی۔ اللہ تعالیٰ کی اس عطا سے بھی اہل ایمان محروم نہیں کہ ہر نیک کام کے ایجاد یا شروع کرنے والے کو اس کا ثواب دوسروں کے دہرانے پر بھی ملتا ہے۔ اب اگر ایک شعر کی ایک خواندگی یا شنید پر اللہ رب العزت صرف ایک نیکی کا ثواب بھی شاعر کے نامۂ اعمال میں لکھے تو ایک ہی شعر کروڑوں نیکیوں کے حصول کا سبب بن جاتا ہے۔ اگر فن شاعری کے کسی معمولی عیب کے سبب غزل کے شعر کی طرح نعت کے اس شعر کو بھی شروع میں ہی دیوان سے خارج کردیا جاتا تو شاعر علیہ الرحمہ کروڑوں نیکیوں سے محروم ہوجاتے اور انھیں یہ ہرگز برداشت نہیں تھا۔ چند نکتہ چینوں کے اعتراضات کی ان کے نزدیک اس ثواب کے سامنے کوئی اہمیت اور حیثیت نہیں تھی اس لیے شاعر علیہ الرحمہ نے معمولی سقم رکھنے والے اشعار کو اپنی نعتوں سے خارج نہیں کیا۔ وہ جانتے تھے کہ دنیا میں بہت تھوڑی مدت رہنا ہے، معاندین اپنے دل کے پھپھولے پھوڑ لیں اور حسرتیں نکال لیں۔ ابدالآباد تک تو ان اشعار کا اچھا صلہ ہی ملنا ہے۔

یہ ہے امام احمد رضا کے شعروں میں اجتماع ردیفین کے مبینہ عیب کی حقیقت۔

قارئین یہاں یہ بھی جان لیں کہ امام احمد رضا کے نعتیہ اشعار میں فنی نقائص تلاش کرنے والے ظہیر غازی پوری وہی صاحب ہیں جو اپنے استاد اکبر احسنی گنوری کے شعری مسلک کے خلاف ''ایطا'' جیسے قبیح ترین عیب کو، جو نظام قوافی کو چوپٹ کردیتا ہے، بہت معمولی اور ہلکا عیب تصور کرتے ہیں اور اس کی حمایت میں دلائل دیتے رہتے ہیں۔

ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد۔ بھارت

اردو ادب میں محسن کاکوروی کا مقام

اردو ادب میں محسن کاکوروی کی شخصیت کئی اعتبار سے منفرد اور مثالی ہے۔ انھوں نے اردو شاعری کو ایک نئی جہت اور نعت کے فن کو ایک نیا آہنگ دیا۔ وہ بلاشبہ ایک زندہ جاوید فنکار ہیں۔

فن کار کی شخصیت اور اس کی تخلیقات پر اس کے عہد، ماحول اور ورثہ کا زبردست اثر پڑتا ہے۔ ان ہی کے زیرسایہ اس کی جبلی اور اکتسابی صلاحیتیں نشوونما پاتی ہیں اور ان ہی کے زیراثر اس کی فکر ونظر میں وسعت اور تخیل میں رفعت اور بلندی پیدا ہوتی ہے۔ شاعر کے جذبات و احساسات عہدی محرکات سے برانگیختہ ہوتے ہیں... خانوادۂ محسن کا ہر بزرگ طریقت وشریعت کا برزخ عظمیٰ رہا ہے۔ ان کے بیش تر اسلاف عالم، زاہد، عابد، حافظ و قاری ہوئے اور مذہب وتصوف، زہد و اتقا اور فضل و کمال میں وحید عصر رہے۔ اسلاف محسن کے اکثر افراد کوتصنیف و تالیف کا شوق تھا۔ سات سال کی کچی عمر میں حضرت یوسفؑ کے دیدار سے اور نو سال کی عمر میں سیّد المرسلین نبی مکی و مدنی ﷺ اور صحابۂ کرام کی زیارت سے خواب میں مشرف ہوجانا وہ مبارک شرف ہے جو بڑے بڑے زہاد و عباد کو ساری عمر کی عبادت و ریاضت کے بعد بہ مشکل نصیب ہوتا ہے۔ دوسری طرف عہد محسن کشاکش حیات رنگینی اور بوالہوسی کا ترجمان تھا۔ عالم میں انتخاب شہر دلّی کو فلک نے لوٹ کر ویران کردیا تھا اور اس پر ادبار و افلاس، آلام و مصائب اور انقلاب و حوادث کی حکمرانی تھی۔ لکھنؤ میں دلّی کی بہ نسبت سکون تھا۔ لیکن افراط زر نے اس کو طاؤس و رباب کی طرف مائل کردیا تھا اور شاعری کا بیش تر حصہ لذت کوشی اور ہوس پرستی کا ترجمان بن کر رہ گیا تھا۔ ادب کے صاف و شفاف چشمے کا پانی گدلا ہوگیا تھا اور بہ قول حالؔی شاعری ایک ناپاک دفتر بن گئی تھی جو عفونت میں سنڈاس

سے بدتر تھی، لیکن میر ضمیر، میر خلیق، میر انیس، مرزا دبیر، منیر شکوہ آبادی، امیر مینائی اور محسنؔ کاکوروی نے زمانہ کی اس کج روی کو محسوس کیا اور مذہبی شاعری کا سہارا لیکر اردو ادب کو اعلیٰ جذبات اور پاکیزہ خیالات سے مالا مال کردیا، جس سے ظلمت زدہ قلوب میں علم و عرفان کی شمع روشن ہوئی مولانا الطاف حسین حالیؔ کا مقدمہ شعر وشاعری ۱۸۹۳ء میں منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوچکا تھا۔ محسنؔ کا سرمایۂ نعت اس سے قبل منظر عام پر آچکا تھا۔

تعجب و حیرت ہے کہ حالیؔ نے اپنے اس مقدمے میں شعر و شاعری پر بحث کرتے ہوئے اور مسدس میں شعر و قصائد کو ناپاک دفتر کہتے وقت اردو ادب کی نعتیہ شاعری سے کیسے اغماض کرلیا اور ان کی نظر صرف ان قصائد میں کیوں الجھ کر رہ گئی جو ارباب دول کی جھوٹی تعریف اور ان کی بے جا خوشامد میں لکھے گئے تھے اور ان کی دوربیں نگاہ نعتیہ مثنویات و قصائد اور نعتیہ غزلوں تک نہ جاسکی۔ کلیم الدین احمد نے "اردو شاعری پر ایک نظر" دو حصوں میں تصنیف کی۔ انھوں نے مرثیہ کا تفصیلی ذکر کیا۔ اصناف سخن میں ہجویات کو بھی موضوع سخن بنایا اور اردو شاعری کی بیش تر اصناف کا مضحکہ اُڑایا، لیکن وہ بھی نعت کی بے لوث، پاکیزہ اور لطیف شاعری کو بالکل نظرانداز کر گئے، حالاں کہ وہ موضوع، صنف اور فن ہر نقطۂ نگاہ سے اہم اور قابل اعتناء ہے۔

محسنؔ کا شعری سرمایہ نعت کے مقدس موضوع میں محصور ہے، اسی لیے شاعری میں نعت کا تذکرہ آنے پر ذہن کا محسنؔ کی جانب مبذول ہونا فطری بات ہے۔ انھوں نے خود اس حقیقت کا اعتراف بیش تر مقامات پر کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

سخن کو رتبہ ملا ہے مری زباں کے لیے
زباں ملی ہے مجھے نعت کے بیاں کے لیے
ازل میں جب ہوئیں تقسیم نعمتیں محسنؔ
کلام نعتیہ رکھا مری زباں کے لیے

☆

سوا تیرے کسی کی مدح کرنا جن کا شیوہ ہے
یہ سچ ہے وہ لیے پھرتے ہیں جھوٹا قفل ابجد کا

محسنؔ نے اپنے کو نعت کے لیے وقف کردیا تھا، جس کا اظہار انھوں نے متعدد

مقامات پر کیا ہے:

ہے تمنا کہ رہے نعت سے تیری خالی
نہ مرا شعر، نہ قطعہ، نہ قصیدہ، نہ غزل

☆

یہ خواہش ہے کروں میں عمر بھر تیری ہی مداحی
نہ اٹھے بوجھ مجھ سے اہل دنیا کی خوشامد کا

محسن نے قصیدہ، مثنوی، رباعی اور مسدس کے علاوہ انیس بندوں کی ایک تضمین اور چار غزلیں لکھی ہیں۔ ان کے شعری سرمایہ کی صنف وار تفصیل حسب ذیل ہے:

قصائد:

۱۔ گل دستہ، کلام رحمت　۱۸۴۲ء مطابق ۱۲۵۸ھ
۲۔ ابیات نعت　۱۸۵۷ء مطابق ۱۲۷۴ھ
۳۔ مدیح خیر المرسلین　۱۸۷۶ء مطابق ۱۲۹۳ھ
۴۔ نظم دل افروز　۱۹۰۰ء مطابق ۱۳۱۸ھ
۵۔ انیس آخرت　۱۹۰۴ء مطابق ۱۳۲۲ھ

مثنویات:

۱۔ صبح تجلی　۱۸۷۲ء مطابق ۱۲۸۹ھ
۲۔ فغان محسن　۱۸۷۲ء مطابق ۱۲۸۹ھ
۳۔ چراغ کعبہ　۱۸۸۳ء مطابق ۱۳۰۱ھ
۴۔ نگارستان الفت　۱۸۷۶ء مطابق ۱۲۹۳ھ
(المعروف بہ پیاری باتیں)
۵۔ شفاعت ونجات　۱۸۹۳ء مطابق ۱۳۱۱ھ
یا اسرار معانی وردعشق
۶۔ مسدس حلیہ مبارک　۱۸۴۹ء مطابق ۱۲۶۶ھ
سراپائے رسول (ﷺ)　۱۸۴۹ء مطابق ۱۲۶۶ھ

رباعیات...۲۳ جو ۱۸۵۷ء کے آس پاس معرض وجود میں آئیں۔

ان کے نعتیہ قصائد خیالات کی نظامت، جذبات کی صداقت، زبان کے شکوہ، بیان کی قدرت اور اسلوب کی تازگی و شگفتگی سے معمور ہیں۔ قصیدہ لامیہ میں مقامی فضا مستولی ہے۔ مثنویوں میں نادر تشبیہات اور قرآنی و احادیثی اصطلاحات، جس حسن و خوبی اور خوش اسلوبی سے منظوم ہیں، اس کی نظیر اردو شاعری میں بہ مشکل ملتی ہے۔ محسن کے صنائع و بدائع اور تلمیحات و تشبیہات ایضاح مطلب میں قاری و سامع کی بھرپور مدد کرتی ہیں۔ محسن کی نعتیہ غزلوں کا رنگ و آہنگ اور حسن کا نکھار امتیازی شان رکھتا ہے۔ محسن کا محبوب روایتی نہیں بلکہ حقیقی ہے، اسی لیے ان کی محبت بھی مجازی نہیں بلکہ حقیقی ہے۔ ان کے روحانی عشق نے ان کی شاعری کو مقدس، طاہر و مطہر اور لطیف و نظیف بنادیا ہے۔ ان کا احساس غم، حیات و کردار میں نکھار لاتا ہے اور سیرت کو بلند کرتا ہے۔

مولوی محسن کے کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے مشہور تذکرہ نگار مولانا حکیم عبدالحئی رقم طراز ہیں:

"عام جوہر ان کے کلام کا مضامین کی بلند پروازی، الفاظ کا شان و شکوہ، بندش کی چستی، استعاروں کی رنگینی اور قصہ طلب تلمیحات ہیں، جس میں ان کے معاصرین میں کوئی ان کا شریک نہیں بلکہ اردو شاعری میں اس کا جواب نہیں۔"☆۱

حکیم صاحب نے مولوی محسن کی شاعرانہ قدر و قیمت کی وضاحت کرتے ہوئے "مکتوبات امیر مینائی" کے مقدمے سے ثاقب صاحب کا درج ذیل واقعہ نقل کیا ہے:

"میں (ثاقب) نے ایک مرتبہ منشی امیر احمد امیر سے محسن کاکوروی کی سخن آفرینی اور بلاغت کلام کا تذکرہ کیا، تو فرمایا کہ "ان کا کلام ایک عالم ہے خیالات نادرہ کا، کہ اس کو دیکھ کر انسان حیران ہوجاتا ہے اور ان کا ہر شعر معراج بلاغت ہے۔"☆۲

ڈاکٹر ابواللیث صدیقی وہ پہلے ناقد ہیں، جنھوں نے مولوی محسن کاکوروی پر قدرے تفصیل سے خامہ فرسائی کی ہے۔ موصوف نے لکھنؤ کے دبستان ادب کے خارجی پہلو کا

تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

”برخلاف اس کے محسن کا کلام جذبات کی غیرفانی بنیادوں پر استوار ہے خلوص اور محبت، شیفتگی اور عقیدت، جو محسن کی زندگی کے عناصر تھے، انھی سے ان کی شاعری نے ترکیب پائی ہے اور یہی وجہ ہے کہ اب بھی اس میں صوری اور معنوی دلکشی پائی جاتی ہے۔ اس اعتبار سے لکھنوی شعرا میں محسن اپنی آپ مثال ہیں۔“ ☆۳

ڈاکٹر موصوف نے محسن کی شاعری میں تشبیہات و استعارات، تلمیحات و کنایات، صنائع و صنعت گری اور تہ داری و تخیل آفرینی پر فیصلہ کن انداز میں بات کرتے ہوئے بڑے پتے کی بات کہی ہے:

”محسن کا کلام بھی شاعرانہ صنائع کا نادر نمونہ ہے۔ تشبیہات، استعارات اور کنائے، مضمون اور معنی آفرینی، ایک طور پر صنعت گری ہی کے لوازم ہیں اور اس اعتبار سے انھیں آورد اور تصنع سمجھنا چاہیے، لیکن یہ محسن کا کمال شاعرانہ ہے کہ ان کی آورد بھی کلام میں زور لاکر آمد کا لطف پیدا کردیتی ہے۔ تشبیہات، استعارات اور کنائے آسانی سے فہم کے قابو میں آجاتے ہیں۔ مضمون آفرینی میں تخیل پرواز کرکے آسمانوں میں غائب نہیں ہوجاتا، صنعت گری کی نمائش اور بھرمار کا شوق پڑھنے والے کے لیے وبال جان نہیں بن جاتا اور مضمون سے علیحدہ ہوکر محض صنعت برائے صنعت کا عیب بھی نہیں ملتا۔“ ☆۴

محسن کے کلام میں خلوص و محبت اور اصلیت و صداقت کے ساتھ ساتھ بھرپور شعریت ہے۔ اس کے علاوہ ان کے کلام میں مذہب اور شعریت کا حسین امتزاج بھی ہے، جس کے بارے میں ڈاکٹر ابواللیث صدیقی یوں رقم طراز ہیں:

”قرآن اور حدیث پر ان کی نظر تھی، اس لیے حالات و واقعات کے بیان میں ان کا مضمون کبھی ان کے حدود سے باہر نہیں نکلتا تھا، لیکن اسی کے ساتھ فن شاعری کے ایسے کمالات کا اظہار کرتے تھے کہ ان پابندیوں کے باوجود کلام میں زور اور تاثیر پیدا کرلیتے تھے۔ شاعری

اور وعظ میں یہی فرق ہے۔ وعظ کی خشکی سے سامعین گھبرا اٹھتے ہیں، لیکن جب شعر کا ساز بجنے لگے اور اس کے پردوں سے وہی راگ نکلے، جو پہلے واعظ کی زبان سے ادا ہورہا تھا، تو سننے والے مسحور ہوجاتے ہیں۔ انھوں نے اپنے کلام میں شاعری اور مذہب کے امتزاج سے ایسا مرقع پیش کیا ہے کہ مادیت اور الحاد کے اس دور میں بھی، اس کی جاذبیت اور کشش باقی ہے۔''☆۵

محسنؔ اس معنی میں بھی منفرد ہیں کہ وہ خالص ہندوستانی فضا کے شاعر ہیں۔ انھوں نے اپنی شاعری میں اپنے ماحول کی سچی ترجمانی کی ہے ان کے خیالات، ان کی زبان اور ان کی تشبیہات و استعارات اسی ملک کی پیداوار ہیں۔ اسی لیے ان کے کلام میں بلا کی تاثیر ہے۔ اس سلسلے میں ان کا لامیہ قصیدہ (مدیح خیرالمرسلین) پورا کا پورا لائق صد ستائش ہے۔

مولوی محسنؔ نے اپنے کلام میں جس قدر تلمیحات و محاورات استعمال کیے ہیں اتنے شاید ہی کسی دوسرے شاعر نے استعمال کیے ہوں، لیکن ان کے کلام کی فطری سلاست اور بندش کی لطیف چستی نے ان میں اتنی روانی پیدا کردی ہے کہ ان پر طبیعت رُک کر نہیں رہ جاتی بلکہ یہ تلمیحیں اور یہ محاورے ان کے کلام کو سمجھنے میں ممد و معاون ہوتے ہیں۔ ان کی تشبیہیں فطری اور سریع الفہم ہیں اور ان میں کافی جدت اور تازگی ہے۔ مضمون اور بیان دونوں اعتبار سے ان کا شعری سرمایہ اردو شاعری میں بیش بہا اضافہ ہے۔

محسنؔ کی شاعرانہ عظمت کے بارے میں پروفیسر سیّد محمد عقیل رضوی لکھتے ہیں:

''ان کی شاعری کا رجحان نعت کی طرف تھا، جسے انھوں نے فن کی سان پر چڑھا کر اردو ادب کے ذخیرے میں شامل کردیا۔ محسنؔ نے خاص طور پر نعت گوئی کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا اور اس میں تمام شاعرانہ خصوصیات، جو ایک بلند شاعری کے لیے ضروری تھیں، اس طرح شامل کیں جو ان سے پہلے اردو ادب کیا فارسی میں بھی اس کامیابی کے ساتھ نظر نہیں آتی ہیں۔''☆۶

محسنؔ کی شاعری کی امتیازی خصوصیات کی عدد شماری کرتے ہوئے مخمور رضوی اکبرآبادی نے ان کی عظمت وضخامت کا راز یوں بیان کیا ہے:

"اس (محسنؔ) کی شہرت و عظمت کا دارومدار نعت پر ہے۔ اس نے روایتی خیالات میں ایک نئی راہ نکالی اور اپنے تخیل کی ندرت اور اپنے بیان کی لطافت سے نعت کو جو اب تک ایک مذہبی موضوع تھا، ایک پروقار و اہم صنفِ سخن بنادیا۔ اس کی نعت اس کی اچھوتی انفرادیت کا کارنامہ اور اردو ادب کا مستقل سرمایہ ہے۔"☆

تشبیہاتِ محسنؔ کی زود فہمی کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر محمود الٰہی نے درست لکھا ہے کہ:

"وہ تشبیہوں سے اپنی بات کو آسان بنا دیتے ہیں۔ بعض مقامات پر وہ بڑے گنجلک اور پیچیدہ موضوع کو ہاتھ لگاتے ہیں مگر ایک تشبیہ سے ساری پیچیدگی دُور کر دیتے ہیں۔ ان کے اکثر استعارے نفسِ مضمون کو دھندلا کرنے کے بجائے قاری کو اس کی گہرائی تک پہنچا دیتے ہیں۔"☆[86]

محسنؔ کی تلمیحات کے بارے میں اپنی گراں مایہ رائے ظاہر کرتے ہوئے ڈاکٹر سید محمد عقیل رضوی یوں گرم سخن ہیں:

"محسنؔ کی تمام شاعری اور خاص طور سے ان کی مثنویوں میں تلمیحات ایک اہم درجہ رکھتی ہیں۔ یہ لہر اقتدارِ لکھنؤ کے زوال کے بعد خاص طور سے شعرا میں نظر آتی ہے۔ منیرؔ شکوہ آبادی اپنے قصیدے اور مثنویوں میں بھی اسی طرح کی تلمیحات اور اشاروں سے کام لیتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ یہ بھی صنعت گری کا ایک رخ ہے، جس میں مشکلیں اور بڑھ جاتی ہیں مگر ایک پڑھا لکھا جب بیٹھتا ہے، تو ایسے اشارے اس کے نزدیک عام فہم ہوتے ہیں وہ محض مرعوب کرنے کے لیے ان چیزوں کو استعمال نہیں کرتا۔ کرسٹوفر کاڈول اپنی کتاب "دھوکا اور حقیقت" (Illusion and Reality) میں سائنس، فلسفہ، طبیعیات، سیاسیات، عمرانیات، معاشیات سب طرف اشارے کرتا جاتا ہے اور یہ نہیں خیال کرتا کہ اس کے پڑھنے والے ان تمام باتوں سے بہ یک وقت واقف نہیں ہوسکتے یا نہیں ہیں۔ محسنؔ کی پہنچ، قرآن و

حدیث پر اچھی خاصی تھی، جس کے باعث وہ آیتوں کے مفہوم، قرآن کے واقعات و قصص کی طرف اشارے کرتے جاتے ہیں اور ان کا طرزِ بیان یہ نہیں ظاہر کرتا کہ وہ ایسے تذکرے پڑھنے والے کو مرعوب کرنے کے لیے کرتے ہیں۔''[۹]

ڈاکٹر گیان چند جین نے خالص اسلامی مصطلحات و تلمیحات کے کیف و کم سے کماحقہ ناآشنا ہونے کی بنا پر لکھا ہے کہ:

''منیر اور محسن کے یہاں لکھنؤ کے چیستانی طرز کی معراج ہے۔ محسن کی شاعری دماغی شاعری ہے، اس میں ناسخ، امانت اور غالب کے ابتدائی دور کے رنگ کا امتزاج ہے۔ دور کے استعارے، غیر معروف تلمیحات، عربی و فارسی الفاظ کی کثرت، تناسب لفظی اور ایہام کی شدت، سنگلاخ اسلوب، ثقیل زبان یہ ان کی شاعری کے عناصر ترکیبی ہیں۔ ان کے نزدیک شاعری زیادہ سے زیادہ دقت آفرینی اور زیادہ سے زیادہ تصنع کا نام ہے۔''[۱۰]

پروفیسر موصوف نے محسن کے خلاف جو فردِ جرم تیار کی ہے، اس میں ان کی اسلام، اسلامی معاشرہ، اسلامی تہذیب و تمدن، اسلامی کتب، اسلامی معتقدات اور قرآن و حدیث کی کنہ سے حسبِ ضرورت ناواقفیت کا دخل کافی ہے۔ محسن نے اپنی شاعری میں جو بھی تلمیحات یا مصطلحات استعمال کیں ہیں، وہ اسلام سے اچھی طرح آگاہ شخص کے لیے نامانوس نہیں ہیں۔ یہ تلمیحات و مصطلحات ایک مسلمان کے ذہن میں بچپن ہی سے میلاد و مواعظ کی مجالس میں شرکت سے محفوظ ہونے لگتی ہیں... یہ بات صد فی صد درست ہے کہ محسن کی تلمیحات کو سمجھنے کے لیے احادیث و قرآن بلکہ کہیں کہیں پر فقہ، تفسیر اور منطق و فلسفہ کا مطالعہ ناگزیر ہوجاتا ہے، لیکن اس سے ان کی عظمت پر کوئی حرف نہیں آتا۔ قرآن مختلف علوم و فنون کا منبع ہے۔ حضرت عائشہؓ نے نبیﷺ کی بابت ''خلقہ القرآن'' کی بات کہہ کر مسئلہ کی وضاحت فرما دی ہے۔ آپﷺ کی ذاتِ اقدس کو سمجھنے کے لیے قرآن پاک کی طرف رجوع کرنا پڑے گا اور قرآن پاک کی تفہیم کے لیے آنحضرتﷺ کی مقدس ذات کی جانب لوٹنا پڑے گا۔ نعت نام ہے رسولِ اُمّی و عربیﷺ کی ذات، آپﷺ کی صفات اور آپﷺ کے متعلقات و منسلکات

کے شعری بیان کا... اس لیے اچھی نعت کو عالم وجود میں لانے کے لیے قرآن و حدیث کا استیعابی مطالعہ لازمی ہے۔ اس لیے ظاہر ہے کہ محسن کا نعتیہ کلام قرآن پاک کی تفسیر ہے اور یہی وجہ ہے کہ محسن کی صنائی اور لفظی رعایات اور شعری تلازمات کی ساری صورتیں حدیث و قرآن کے محور پر گردش کرتی نظر آتی ہیں... زبان سدا سے اپنے موضوع کے تابع رہی ہے اور چوں کہ محسن کا موضوع عظیم و ضخیم اور بلند و بالا ہی نہیں بلکہ اپنی پاکیزگی کے لحاظ سے نہایت ارفع و اعلیٰ ہے، اس لیے اس کی ادائیگی میں انھیں اسی پایہ کی زبان بھی استعمال کرنی پڑی۔ محسن کم سے کم لفظوں میں زیادہ سے زیادہ مطلب بیان کرنے کی قدرت رکھتے ہیں، جو قرآن پاک اور حدیث شریف کے وسیع مطالعے کا ثمرہ ہے۔

محسن نے اپنی نعتیہ مثنویوں کے ذریعے منظرنگاری میں مثالی درک کے ثبوت دیے ہیں۔ انھوں نے اپنی منظرنگاری میں جزئیات و تفصیل سے کام لے کر موقع و محل کا ہو بہ ہو نقشہ پیش کیا ہے۔ منظرنگاری میں تخیل کی رنگ آمیزی بھی ہوتی ہے اور تشبیہ و استعارے کی آب و تاب بھی۔ ان کی منظرنگاری کا یہ وصف قابل داد ہے کہ انھوں نے منظرنگاری میں صنعت گری کے بیش بہا نمونے پیش کیے ہیں۔ لیکن انھوں نے واقعیت و اصلیت کے دامن کو کبھی بھی اور کہیں بھی ہاتھ سے چھٹنے نہیں دیا۔ ان کے یہاں مضمون آفرینی، خیال بندی، رعایت لفظی اور صنائع و بدائع کا استعمال بہ کثرت ہے، لیکن اس لکھنوی خارجی تصنع کے باوجود ان کے ہاں فضا ہر جگہ پاکیزہ ہے۔ اس سلسلے میں محسن کے "سراپائے رسول ﷺ" کا استحضار کریں، جس میں جزئیات نگاری قابل داد ہے۔ اس کے علاوہ موضوع اور فن کے لطیف امتزاج میں ان کا قابل تحسین سلیقہ بھی خاصے کی چیز ہے، محسن کے یہاں تفصیل و جزئیات میں کہیں بھی بے اعتدالی نہیں ہے اور ہر جگہ حفظ مراتب کا مکمل پاس ہے۔ پروفیسر یونس سلیم لکھتے ہیں:

> "محسن کی شاعری ایک زوال آمادہ معاشرے میں پروان چڑھی، مگر یہ عشق رسول ﷺ کا فیض تھا کہ وہ اپنے زمانے کے کثیف ماحول میں بھی ایسا رنگ اختیار کرنے میں کامیاب ہوئے، جسے تا قیامت زوال نہیں آسکتا۔"☆۱۱

محسن کی اکثر تشبیہیں متحرک اور کیف آور ہیں۔ یہ تشبیہیں فرسودہ نہیں بلکہ اچھوتی

ہیں اور روزمرہ کے تجربات و مشاہدات سے مستعار ہیں۔ناقدین و محققین محسن نے محسن کی مندرجہ ذیل خصوصیات پر کافی زور دیا ہے:

۱۔ موضوع کی مناسبت سے لفظوں کا انتخاب

۲۔ پاکیزہ اور اچھوتی تشبیہات و استعارات

۳۔ تلمیحات اور صنائع و بدائع کا حسین وقار اور

۴۔ منظر نگاری

اردو نعت کی ترویج و اشاعت میں محسن کاکوروی کا حصہ بلاشبہ سب سے زیادہ ہے اور یہ بات بھی بلاخوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ مولانا احمد رضا خان صاحبؒ کے استثنا کے ساتھ دوسرے کسی ایک شاعر نے اردو نعت پر اتنے دور رس اثرات نہیں چھوڑے۔ مذہبی تلمیحات کا اژدحام لائق اعتراض نہیں۔ ملٹن کی ''فردوس گم شدہ''(Paradise Lost) اور تلسی داس جی کی ''رام چرت مانس'' کا شمار عالمی ادب کی عظیم تخلیقات میں ہوتا ہے۔ یہ دونوں عظیم تخلیقات پر اس شخص کے لیے دقیق اور عسیرالفہم ہیں، جس کا عیسائی اور ہندو دھرم کا مطالعہ ناقص ہے۔ عیسائی اور ہندو مذاہب سے ناواقفیت کی بنا پر ان اہم کتابوں کو دماغی شاعری کا نتیجہ کہہ کر نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ محسن کے کلام کے اسی پہلو کی جانب اشارہ کرتے ہوئے اردو نعت کے پہلے پی ایچ ڈی سند یافتہ ڈاکٹر سیّد رفیع الدین اشفاق لکھتے ہیں:

> ''ان کے یہاں زبان کی سلاست، روانی، سادگی اور صوفیت ایک موسیقی کا سماں باندھ دیتی ہے جو سمجھ کر پڑھتا ہے، سر دھنتا ہے اور جو سمجھ کر نہیں پڑھتا، وہ بھی لطف اندوز ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ یہ ضرور ہے کہ مطلب پر احاطہ کرنے کے لیے اور محاسن کو پوری طرح سمجھنے کے لیے کچھ علمی استعداد کی ضرورت ہے، ایسی استعداد، جس میں دینی معلومات کو بھی دخل ہو۔''[۱۲]

محسن کے قصیدے ''مدیح خیرالمرسلین'' کی بابت ڈاکٹر سیّد اعجاز حسین رقم طراز ہیں:

> ''نعتیہ قصیدہ میں وہ (محسن) کاشی، متھرا، برج، کنہیا، برہمن اور گوپیوں کو جگہ دے کر تشبیب کو دلکش بنادیتے ہیں۔ ہندوؤں کے رسوم نظم کر کے اپنی جدت پسندی اور واقفیت کا مسلسل ثبوت دیتے ہیں۔''[۱۳]

ڈاکٹر ابو محمد سحر کا کہنا ہے کہ:

''ان کے قصیدے مدیح المرسلین کو غیر معمولی شہرت حاصل ہوئی اور اس میں شک نہیں کہ ان کا یہ قصیدہ اردو قصائد میں ایک منفرد اور امتیازی مقام کا مالک ہے۔''☆۱۴

اسی قصیدے کی بابت ڈاکٹر شاہدہ پروین اپنی رائے کا اظہار ان لفظوں میں کرتی ہیں:

''ہندوستانی رسم و رواج، ہندوستانی میلوں ٹھیلوں اور ہندوستانی تشبیہات و استعارات سے بھرپور فائدہ اٹھایا گیا ہے۔ اس میں مسلمانوں کے مقامات مقدسہ کے لیے ہندوؤں کے پوتر استھانوں کو استعارہ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ یہاں دجلہ و فرات کے بجائے گنگا جمنا اور کاشی متھرا کو بہ طور پس منظر استعمال کیا گیا ہے۔''☆۱۵

حیرت و استعجاب اس بات پر ہے کہ پروفیسر گیان چند جین نے اپنی نگاہ قصیدہ لامیہ (قصیدہ مدیح المرسلین) سے کیوں ہٹائی، جس میں ہندوانی تلمیحات کا استعمال بہ کثرت ہے مثوی ''نگارستان الفت'' عرف پیاری باتیں کس طرح ان کی نگاہ سے اوجھل ہوگئی، جو مضمون اور لفظیات دونوں اعتبار سے کافی سہل اور آسان ہے۔ ڈاکٹر سیّد رفیع الدین اشفاق کی یہ رائے درست ہے کہ:

''محسن نے معانی کے دریا بہا دیے اور الفاظ کی نشست، محل استعمال مضمون سے ان کی مناسبت کی نئی نئی صورتیں پیدا کر کے تخیل کے لیے بے پایاں وسعت کا سامان کیا، اس ہمہ گیری کے باوجود خیال اپنے مرکز سے ہٹنے نہیں پاتا۔''☆۱۶

محسن کی انفرادیت کی نقشہ کشی کرتے ہوئے ڈاکٹر سیّد رفیع الدین اشفاق رقم طراز ہیں:

''نعت گو شعرا میں محسن کی یہ خصوصیت نہایت ممتاز ہے کہ ان کی شعر گوئی کی ابتدا نعت سے ہوئی ہے۔ محسن کے ذہنی ارتقا کو ہم ان کے کلام کی روشنی میں جانچیں، تو ہمیں یہ کہیں نظر نہیں آتا کہ شاعر

شاہد مجازی کی محبت کے مضامین سے گزر کر آخر عشق نبی ﷺ کی طرف
لوٹا ہے۔ دیگر شعرا کا مقام بھی نعت گو کی حیثیت سے نہایت بلند
ہے۔ ان کے نعتیہ کلام کی گوناگوں خصوصیات نے انھیں اردو ادب میں
ایک خاص رتبہ بخشا ہے، لیکن انھیں یہ سعادت نصیب نہیں ہوئی کہ ان
کی زبان کھلی تو ذکر محمدی ﷺ سے۔ محسن کے حسن کلام کا آغاز اور انجام
دونوں صرف نعت ہیں اور ان کی ادبی عظمت کا سارا دارومدار ہی
نعت گوئی پر ہے۔"☆۱۷

واضح ہو کہ محسن نے اپنا پہلا نعتیہ قصیدہ موسومہ "گل دستۂ کلام رحمت"
۱۲۵۸ھ/۱۸۴۲ء میں اس وقت لکھا تھا جب کہ وہ عمر کی سولھویں منزل پر تھے اور یہی قصیدہ ان
کے نعتیہ کلام کے ارتقا کی پہلی کڑی ہے۔ پروفیسر سیّد یونس شاہ محسن کی اسی انفرادیت کے
بارے میں اپنی گراں بہا رائے یوں حوالۂ قرطاس کرتے ہیں:

"بلاشبہ محسن نے ہی نعتیہ شاعری میں آب و تاب اور چمک دمک پیدا
کی اور اسے فنی حیثیت بخشی۔ ان سے پہلے اردو کے کسی شاعر نے
باقاعدہ طور پر نعتیہ شاعری کو اپنا مسلک و منشا قرار نہیں دیا تھا۔ محسن
بڑے ذہین اور طباع انسان تھے۔ نعت کو ایک لحاظ سے انھوں نے
اپنی زندگی کا مقصد بنالیا تھا۔ اسی لگاؤ کی وجہ سے اس میں وہ شاعرانہ
صناعیاں پیدا کیں کہ اگر انھیں اس صنف کا امام قرار دیا جائے تو
بے جا نہ ہوگا۔"☆۱۸

صنف نعت میں محسن کاکوروی کی اولیت و اولویت کے اعتراف میں عالمی شہرت
کے مایہ ناز محقق و ناقد پروفیسر فرمان فتح پوری یوں رقم طراز ہیں:

"محسن کاکوروی متوفی ۱۹۰۵ء مطابق ۱۳۲۲ھ اردو کے پہلے شاعر ہیں
جنھوں نے نعت گوئی کو سنجیدگی سے ایک مستقل فن کی حیثیت سے اپنایا
اور اس بلند سطح تک لے گئے، جس سے آگے بڑھنا دوسروں کے لیے
آسان نہ رہا۔ محسن نے دوسرے شعرا کی طرح نعت گوئی کو جزوی اور
رسمی طور پر نہیں اپنایا بلکہ اسے پوری توجہ اور پورے شعور کے ساتھ

اپنے فکر و فن کی جولان گاہ بنایا ہے۔ انھوں نے مروّجہ شاعری کی ہر صنف مثلاً قصیدہ، رباعی، غزل اور مثنوی سبھی میں نعت کے فن کو برتا ہے اور ایسی انفرادیت کے ساتھ کہ اردو شاعری کی تاریخ میں نہ ان سے پہلے کوئی اس کی مثال نظر آتی ہے اور نہ ان کے بعد۔''☆۱۹

محترم المقام ڈاکٹر طلحہ رضوی برقؔ، محسنؔ کو ان لفظوں میں خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں:

''حضرت محسنؔ نے نعت گوئی کا حق ادا کرنے کی کوشش ہے، آپ کا نعتیہ کلام وفورِ جذبات دروں کا آئینہ ہے۔''☆۲۰

ڈاکٹر سیّد شمیم گوہرؔ، محسنؔ کاکوروی کے نعتیہ اثاثہ کا جائزہ لیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''محسنؔ نے اپنے طور پر جس تلاش و جستجو کا کارنامہ انجام دیا ہے، وہ نعتیہ شاعری کے سر پر تاج کی حیثیت رکھتا ہے۔ عظیم سے عظیم شاعری میں جن تشبیہات و استعارات، لفظیات، معنی آفرینی اور تہ داری کا پتہ چلتا ہے، یہ ساری خوبیاں حضرت محسنؔ کی شاعری میں موجود ہیں۔ محسنؔ کی شاعری معنوی گہرائیوں، عالمی بلاغتوں، فنی خوبیوں اور جذباتی امنگوں کی آئینہ ہے۔ اس کے علاوہ زبان کی سلاست، بیان کی صداقت، بندشوں کی چستی، محاوروں کا برمحل استعمال اور لفظوں کا عالمانہ انتخاب کلامِ محسن کی انفرادیت ہے۔''☆۲۱

پاکستانی محقق نعت ڈاکٹر ریاض مجید، محسنؔ کے مقام کا تعین کرتے ہوئے یوں گرم سخن ہیں:

''سیّد محمد محسن کاکوروی (م ۱۲۲۳ھ) کے ہاں پہلی بار اردو نعت کا فن تکمیل آشنا ہوتا نظر آتا ہے۔ ان کی نعت اب تک کہی گئی نعت کا ماحصل ہے۔ تقلیدی روش اور تشکیلی مراحل کے بعد محسنؔ کے ہاں پہلی بار اردو نعت فن کا ایک مثالی معیار اور ایک جداگانہ صنفِ سخن کا اعلیٰ درجہ حاصل کرتی ہے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ محسنؔ کا شغفِ نعت ہے۔ انھوں نے اس صنف پر خصوصی توجہ دی۔ اردو کے دوسرے

شاعروں نے تو دیگر اصناف کے ساتھ بھی نعت لکھی مگر محسنؔ نے صرف نعت ہی لکھی۔ یہی وجہ ہے کہ اردو نعت کے ساتھ ہی محسنؔ کاکوروی کا نام ذہن میں آجاتا ہے۔ ان کا نعتیہ کلام پڑھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے محسنؔ نعتیہ شاعری کو بام عروج پر پہنچانے کے لیے پیدا کیے گئے تھے۔'' ☆۲۲

نعت کے ہندوستان محقق ڈاکٹر عبدالنعیم عزیز کی رائے ہے کہ:

''محسنؔ کا عہد لکھنؤ کی شعری صنعت گری کے شباب کا عہد ہے۔ انھوں نے نعت کے توسط سے لکھنوی ماحول کے بگاڑ اور نری لفظی صنعت گری میں اصلاح کی راہیں ہموار کیں۔'' ☆۲۳

موصوف ایک دوسرے مقام پر اپنی وقیع رائے کا اظہار ان لفظوں میں کرتے ہیں:

''سیّد محسنؔ کاکوروی نے بلاشبہ نعت کو فن و ادب کے مقام پر پہنچا کر اسے ایک اعلیٰ شاعری کا درجہ دیا یہ فن پہلی بار انھیں کے یہاں تکمیل آشنا ہوتا نظر آتا ہے۔'' ☆۲۴

ڈاکٹر فرحانہ شاہین، محسنؔ کاکوروی کی بابت لکھتی ہیں کہ:

''خانۂ دل میں حضور ﷺ کے عشق عقیدت کی شمع روشن تھی، نبی کریم ﷺ سے والہانہ خلوص و محبت تھی، چناں چہ ان کی شاعری اس کی بہترین غماز ہے۔'' ☆۲۵

ڈاکٹر شاہ رشاد عثمانی نے محسنؔ کے مشہور قصیدے ''مدیح خیرالمرسلین'' پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے:

''نعت میں بھی محسنؔ نے بڑی حد تک معنی آفرینی جوش بیان، روانی اور برجستگی کی ان ہی خصوصیات کو برقرار رکھا ہے، جو قصیدے کے دوسرے اجزا میں پائی جاتی ہیں۔'' ☆۲۶

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ذیل میں محسنؔ کے بارے میں ان تین خواتین کی رایوں کو درج قرطاس کر دیا جائے، جنھوں نے نعت کے مقدس موضوع پر راقم السطور کی زیرنگرانی

تحقیقی کام کر کے پی ایچ ڈی کی ڈگریاں حاصل کی ہیں:

ڈاکٹر نگار سلطانہ:

"محسن کاکوروی اردو کے نعت گو شعرا کے مابین ایک دراز قد کے مالک ہیں۔"☆۲۷

"ڈاکٹر شکیلہ خاتون:

محسن نے صد ہا ہندی مصطلحات کے ذریعے نعت گوئی کی ایک منفرد ہندوستانی تاریخ کی بنیاد رکھی۔"☆۲۸

قریشہ بانو:

"محسن کے نعتیہ کلام میں تغزل، ترنم، حسن معانی و بیان اور حسین و لطیف تشبیہات و استعارات کا استعمال قابل توجہ ہے۔ ان کے نعتیہ کلام میں لطافت اور تغزل کی جو چاشنی ملتی ہے، وہ نعت و غزل دونوں کا لطف دیتی ہے۔"☆۲۹

ماقبل میں محسن کے بارے میں اپنی زبانی یا دوسروں کی زبانی، جو کچھ بھی عرض کیا گیا ہے، اس سے اردو ادب میں مقام محسن نے اپنی شاعرانہ صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر اردو شاعری میں نعت کی اہمیت دل نشین کرادی موصوف نے منتخب تراکیب، اچھوتے اسالیب، دقیق معانی، متنوع و منفرد تلمیحات، شیریں زبانی، ملیح سادگی، محبت کے میٹھے انداز، پیار کے لطیف پہلو، صداقت کے وفور، حقائق کی فراوانی، مجاز کی جھلک تشبیہات و استعارات کی رنگینی، ادب و لحاظ کے لہجے، رتبہ شناسی کے ڈھنگ، مقبول مبالغے، سنجیدہ و متین تصریحات، واضح و سلیس توضیحات، پرشکوہ تعبیرات اور شگفتہ بندشوں کے ذریعے اپنے کلام کو مزین کیا۔ انھوں نے اپنی نعتوں میں سبھی شاعرانہ لوازم بڑی سلیقگی کے ساتھ برتتے ہیں۔ ان کے عظیم کارناموں کے مدنظر حسان الہند کا لقب انھیں بہت زیب دیتا ہے۔ ان کا شعری سرمایہ اپنی کمیت اور کیفیت کے اعتبار سے نعت کے اعلیٰ ترین کائناتی ادب کا ایک اہم حصہ ہے۔

ابھی تک، ہندوستان کے مولانا عبدالسلام ندوی اور پاکستان کے ڈاکٹر جمیل جالبی کی وسیع رائیں اس مقالے کی زینت نہیں بن کیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ انھیں ذیل میں

نقل کر کے اس مقالے کو اختتام پذیر کر دیا جائے:

"استعارات کی جدت، تشبیہات کی لطافت، بندش کی چستی اور الفاظ کی متانات اور جزالت میں کلام نہیں۔ ان باتوں کے ساتھ جہاں صفائی اور سادگی کی بھی آمیزش ہوگئی ہے، وہاں ان کا کلام کیف و اثر سے خالی ہوتو ہو، لیکن لطف سے خالی نہیں۔ (مولانا عبدالسلام ندوی) ☆۳۰

نعت گو شعرا میں محسن کاکوروی سب سے الگ حیثیت کے مالک ہیں، انھوں نے ساری عمر صرف اور صرف نعتیہ شاعری کی... سوز و گداز فکر آفرینی اور فنی شعور کے اعتبار سے محسن کاکوروی نعت گوئی میں ایک منفرد حیثیت کے مالک ہیں۔" (ڈاکٹر جمیل جالبی) ☆۳۱

☆

حواشی و تعلیقات

محسن کے پانچ قصائد میں سے صرف دو قصیدے ۱۸۹۳ء کے بعد کی تخلیق ہیں۔ سراپائے رسول ﷺ رباعیات اور مثنویات اس سے پیش تر منظرِ عام پر آچکی تھیں۔ مثنوی شفاعت و نجات کی تخلیق کا سن ۱۸۹۳ء ہے۔

☆۱۔ گل رعنا، حکیم عبدالحئی، صفحہ ۴۵۷، مطبع "معارف" اعظم گڑھ، طبع چہارم ۱۳۷۷ھ
☆۲۔ مکتوبات امیر مینائی مقدمہ، بہ حوالہ گل رعنا، صفحہ ۴۵۷
☆۳۔ لکھنؤ کا دبستان شاعری، ڈاکٹر ابواللیث صدیقی، صفحہ ۴۳۵۔۴۳۶، مطبع نظامی پریس لکھنؤ، نیا ایڈیشن ۱۹۷۳ء
☆۴۔ ایضاً صفحہ ۴۳۶۔۴۳۷
☆۵۔ ایضاً صفحہ ۴۴۶
☆۶۔ اردو مثنوی شمالی ہند میں، ڈاکٹر سید محمد عقیل، صفحہ ۲۳۲، پبلشر الٰہ آباد یونی ورسٹی، بار اول ۱۹۶۵ء
☆۷۔ صحیفہ تاریخ ادب اردو، تمنور اکبر آبادی، صفحہ ۲۸۱
☆۸۔ اردو قصیدہ نگاری کا تنقیدی جائزہ، ڈاکٹر محمود الٰہی، صفحہ ۴۱۸، جمال پرنٹنگ پریس دلی، بار اول فروری ۱۹۷۳ء
☆۹۔ اردو مثنوی کا ارتقا شمالی ہند میں، صفحہ ۴۳۵
☆۱۰۔ اردو مثنوی شمالی ہند میں، ڈاکٹر گیان چند جین، صفحہ ۲۵۵، جمال پرنٹنگ پریس دہلی، اشاعت ۱۹۸۷ء، جلد دوم
☆۱۱۔ تذکرۂ نعت گویان اردو، یونس سلیم، حصہ دوم صفحہ ۶۴، مکہ بکس ۵، بخشی اسٹریٹ، متصل چوک اردو، لاہور ۱۹۸۴ء
☆۱۲۔ اردو میں نعت گوئی، ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق، صفحہ ۳۲۱، اردو اکیڈمی سندھ کراچی، ۱۹۷۶ء
☆۱۳۔ مذہب اور شاعری، ڈاکٹر سید اعجاز حسین، صفحہ ۱۹۸
☆۱۴۔ اردو میں قصیدہ نگاری، ڈاکٹر ابومحمد سحر، صفحہ ۲۳۹، نسیم بک ڈپو، لاٹوش روڈ، لکھنؤ، چوتھا ایڈیشن دسمبر ۱۹۷۹ء

☆۱۵۔ اردو کی نعتیہ شاعری کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ، ڈاکٹر شاہدہ پروین، صفحہ۱۹۳، غیر مطبوعہ تحقیقی مقالہ، کانپور یونی ورسٹی، کانپور، ۱۹۹۰ء

☆۱۶۔ اردو میں نعت گوئی، صفحہ۳۲

☆۱۷۔ ایضاً صفحہ۳۶۶

☆۱۸۔ تذکرۂ نعت گویان اردو، حصہ دوم، صفحہ۴۹

☆۱۹۔ اردو کی نعتیہ شاعری، ڈاکٹر فرمان فتح پوری، صفحہ۵۶

☆۲۰۔ اردو کی نعتیہ شاعری، ڈاکٹر طلحہ رضوی برق، صفحہ۷۴، مطبع لیبل لیتھو پریس رمنہ روڈ پٹنہ نمبر ۴، بار اول جنوری [illegible]

☆۲۱۔ نعت کے چند شعرائے متقدمین، ڈاکٹر سید شمیم گوہر، صفحہ۶۷۔۶۸، اشاعت اکتوبر۱۹۸۹ء

☆۲۲۔ اردو میں نعت گوئی، ڈاکٹر ریاض مجید، صفحہ۳۶۳، حمایت اسلام پریس، لاہور، طبع اول ۱۹۹۰ء

☆۲۳۔ امام احمد رضاؔ اور محسنؔ کاکوروی، مضمون مصنفہ ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی، مشمولہ نعت رنگ ۳، صفحہ۹۸، ناشر اقلیم نعت کراچی اشاعت اوّل ستمبر۱۹۹۶ء

☆۲۴۔ ایضاً صفحہ۱۰۲

☆۲۵۔ بہار میں اردو کی نعتیہ شاعری کا تنقیدی مطالعہ، ڈاکٹر فرحانہ شاہین، صفحہ۱۲۸، پرنٹ انٹرنیشنل دہلی، اشاعت جنوری۱۹۹۷ء

☆۲۶۔ اردو شاعری میں نعت گوئی (ایک تنقیدی مطالعہ) ڈاکٹر شاہ رشاد عثمانی، صفحہ۱۱۶، بار اول۱۹۹۱ء

☆۲۷۔ بیسویں صدی میں اردو کے غیر مسلم نعت گو شعرا، ڈاکٹر نگار سلطانہ، صفحہ۱۵۲، غیر مطبوعہ تحقیقی مقالہ، کانپور یونی ورسٹی، کانپور۱۹۹۳ء

☆۲۸۔ اردو نعت کا صنفی و ہیئتی مطالعہ، ڈاکٹر شکیلہ خاتون، ص۱۶۲، غیر مطبوعہ تحقیقی مقالہ، کانپور یونی ورسٹی، کانپور ۱۹۹۸ء

☆۲۹۔ ہندوستان اور پاکستان میں اردو نعت کا تقابلی مطالعہ، قریشہ بانو، غیر مطبوعہ تحقیقی مقالہ، پیش کردہ سی ایس جے ایم یونی ورسٹی، کانپور ۱۹۹۹ء

☆۳۰۔ شعرالہند حصہ دوم، مولانا عبدالسلام ندوی، صفحہ۲۱۲، مطبع ''معارف'' اعظم گڑھ، طبع چہارم۱۹۵۴ء

☆۳۱۔ معاصر ادب، ڈاکٹر جمیل جالبی، صفحہ۴۵، عفیف پرنٹرس، لال کنواں۔ دہلی، سنہ اشاعت۱۹۹۶ء

نوٹ: راقم الحروف کی دانست میں محسن کاکوروی پر کوئی تحقیقی مقالہ برائے پی ایچ ڈی ان کے تمام اثاثۂ شعری کو مدنظر رکھ کر کسی یونی ورسٹی میں اب تک پیش نہیں کیا گیا، جب کہ ان سے فروتر کئی شاعروں پر ایک نہیں کئی کئی تحقیقی مقالے لکھے جاچکے ہیں، محسنؔ پر اب تک کوئی تحقیقی کتاب بھی راقم السطور کی آگاہی میں اشاعت پذیر نہیں ہوئی۔ بحمدللہ راقم کی نگرانی میں عزیزی گوہر مسعود سلمہ اس موضوع پر ''محسنؔ کاکوروی: حیات اور کارنامے'' کے عنوان سے ایک اچھا معیاری کام کررہے ہیں، جو جلد ہی سی ایس جے ایم یونی ورسٹی، کانپور کو پیش ہونے والا ہے۔ انھوں نے اپنے مقالے میں محسنؔ کے یہاں مستعمل تمام محاورے اور تلمیحیں بہ قید صفحہ و تشریح جمع کردیا ہے اور محسنؔ کی فرہنگ بھی دے دی ہے۔ ان شاء اللہ ان کا یہ کام خود مکتفی اور مثالی ثابت ہوگا۔ (محمد اسماعیل آزاد فتح پوری)

ڈاکٹر سیّد یحییٰ نشیط۔ بھارت

مہاتما جیوتی باپھلے کی نعت رسول ﷺ

ثنائے محمد ﷺ اور وصف محمود رسول ﷺ سے دنیا کی کسی بھی زبان کا ادب ناآشنا نہیں ہے۔ یہی وہ ذات ہے جس کا تذکرہ بالواسطہ یا بلاواسطہ ہر دو طرح سے ادبی دنیا کے لیے سبب شان و عظمت بنارہا ہے اور جس کے ذکر کی لذت انسانیت کی فلاح و کامیابی کی ضامن بنی۔ شاید یہی وجہ رہی ہے کہ آپ ﷺ کے نہ ماننے والے بھی آپ ﷺ کی عظمت کے قائل رہے ہیں اور والہانہ انداز میں آپ ﷺ کی ثناگستری کو شعار حیات بنایا۔

مراٹھی ادب میں ''ناتھ سنپردائے'' کے گل سرسبد ایکناتھ مہاراج (م۱۶۵۰ء) نے لکھی نعت مراٹھی ادب کی اولین نعت ہے۔ اس نعت کی زبان اگرچہ دکنی ہے لیکن ان کے مراٹھی کلام کے ساتھ ہے اور ناگری رسم خط میں ہے اس لیے مراٹھی ادب میں شمار کی جاتی ہے۔ ان ہی کے معاصر عبدل مراٹھی کے صوفی شاعر ہوئے ہیں۔ انھوں نے مراٹھی میں ''روایتی'' لکھی ہیں جو صنف مرثیہ/نوحہ سے قریب کی چیز ہے۔ ان ''روایتوں'' میں عبدل نے ذکر رسول ﷺ کو مقدم جانا اور آپ ﷺ کی وصف بیانی کرتے ہوئے آپ ﷺ کو ''ایشورا اچامیتر'' (حبیب اللہ) کہا ہے اور آپ ﷺ پر درود و سلام پیش کیا ہے۔ سنت تکارام کے کلام میں بھی حضور پرنور ﷺ کی تعریف و توصیف ہوئی ہے۔ تکارام نے آپ ﷺ کو ''نبی اللہ'' کہا ہے۔ اس کے بعد تو دیال ناتھ، دیوناتھ اور ان کے معاصر سنت شاعروں نے فارسی جاننے کی وجہ سے مراٹھی اور اردو میں نعتیہ اشعار کہے ہیں۔ جو دست برد زمانہ سے محفوظ رہے لیکن تاحال اردو ادب میں انھیں کوئی جگہ نہیں دی گئی۔ بیسویں صدی کے نصف آخر میں مراٹھی کے سریشٹھ سنت مکڑوجی مہاراج نے اپنی مشہور کتاب ''گرام گیتا'' میں دو جگہوں پر حضور ﷺ کی

مدحت سرائی کی ہے۔ دورِ جدید کے مراٹھی غزل گو سریش بھٹ کی نعت تو برصغیر میں مشہور ہے۔ مراٹھی ادب میں انیسویں صدی میں ایک اچھی نعت لکھی گئی تھی لیکن اس کا نہ مراٹھی ادب میں ذکر ہے نہ اردو والوں نے اس پر توجہ دی۔ ضروری تو یہ تھا کہ اس کا اردو ترجمہ کیا جاتا اور اسے شائع کیا جاتا۔ اس نعت کا خالق مہاراشٹر کا ایک غیر معمولی آدمی ہے جس نے اپنے پیچھے ایک تاریخ چھوڑی ہے اور آج اس کی عظمت و وقار کے گیت گائے جاتے ہیں۔

مہاتما جیوتی با پھلے (۱۸۹۰۔۱۸۲۷ء) ہندوؤں کے مالی سماج سے تعلق رکھتے تھے۔ انھوں نے دلت سماج (پچھڑی قوم) کی فلاح و بہبودی کے بہت سے کام کیے۔ مہاراشٹر میں ہندو قوم کے مصلح کی حیثیت سے ان کی شخصیت تاریخ ساز رہی ہے۔ چونکہ ہندو قوم کے سماجی طبقاتی نظام سے وہ بیزار تھے اور ایسی گروہ بندی کے وہ روادار نہ تھے اس لیے انھوں نے فرقہ پرستی کے خلاف آواز اٹھائی، جس کی وجہ سے ہندوؤں میں ''اسپرش'' مانے جانے والے طبقے کی انھیں تائید و نصرت حاصل رہی۔ انھوں نے اپنی بیوی ساوتری بائی کو اس دور میں تعلیم دلوائی جب عورت کی تعلیم کا تصور بھی مہاراشٹر میں نہیں تھا۔ پھر اس پر مستزاد یہ کہ ساوتری بائی پھلے نے عورتوں کی تعلیم کا اسکولی نظام بھی چلایا۔ یہ ساری اصلاحات ہندو طبقے کے ایک گروہ کو بڑی ناگوار گزریں اس لیے منظم طریقے سے مہاتما جیوتی با پھلے اور ان کی اہلیہ ساوتری بائی کا سماجی مقاطعہ کیا گیا، لیکن اس کسمپرسی کی حالت میں بھی یہ دونوں برابر اپنی قوم کی اصلاح کرتے رہے۔ ایسے ناگفتہ بہ حالات میں منشی غفار بیگ اور عثمان شیخ ان دونوں مسلمانوں نے جیوتی با پھلے کا ساتھ دیا اور ان کی معاونت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ چھوڑا۔ ساوتری بائی کے ساتھ عثمان شیخ کی بہن فاطمہ نے بھی تعلیم حاصل کی تھی، اس لیے ان دونوں عورتوں نے سماجی بائیکاٹ کی پروا نہ کرتے ہوئے عورتوں کی تعلیم برابر جاری رکھی اور انھیں زیورِ تعلیم سے آراستہ کرتی رہیں۔

مہاتما جیوتی با پھلے نے مراٹھی میں کئی کتابیں لکھی ہیں۔ حکومت مہاراشٹر نے ان کی تمام کتابوں کو ''مہاتما پھلے سمگر وانگمیے'' کے نام سے شائع کر دیا ہے جو کئی جلدوں میں دستیاب ہے۔ ان کتابوں میں انھوں نے مسلمانوں کو ''محمدی لوک'' (امت محمدیہ ﷺ) کہا ہے۔ پھلے اسلام اور عیسائیت سے حد درجہ متاثر تھے۔ اسلام کو ''منوواد'' کے خلاف ہتھیار سمجھتے تھے۔ وہ مغلوں کو ''نعمت'' اور عیسائیوں کو ''مسیحا'' سمجھتے تھے۔ اپنی کتابوں میں انھوں نے جگہ جگہ

اسلام کے نظریۂ مساوات اور انصاف پسندی کا ذکر کیا ہے اور مسلمانوں کی بہادری کو سراہا ہے۔

''مہاتما پھلے سمگر وانگمیہ'' ص ۵۷۲ پر پھلے کی لکھی ہوئی مراٹھی نعت بعنوان ''مانو محمدؐ'' درج ہے۔ اس میں آپ ﷺ کی ذات اقدس، آپ ﷺ کے اوصاف اور اخلاق کریمانہ کا بیان ہے۔ ''اودی'' طرز میں لکھی یہ مراٹھی نعت عقیدت و محبت کا مرقع دکھائی دیتی ہے۔ شاعر چوں کہ اسلامی تعلیمات سے کماحقہ واقف نہیں (اور نہ اس کے لیے یہ ممکن تھا) اس لیے اسلامی نقطۂ نظر سے اس نعت میں چند غلطیاں درآئی ہیں، جوعقیدتاً نہ سہی فنی اعتبار سے نظر انداز کر دینے کے قابل ہیں۔ مثلاً پھلے نے قرآن کو آپ ﷺ کی تصنیف بتایا ہے اور اسلام کی خاطر ''ترک دنیا'' کرنے والا کہا ہے وغیرہ وغیرہ۔ ان غلطیوں کے علاوہ ساری نعت ایک غیر مسلم کی حضور ﷺ سے رکھی جانے والی عقیدت کی غمازی کرتی ہے۔ پھلے چوں کہ مصلح تھے مذاہب کے مناقشات سے زیادہ ان کے نزدیک انسانیت مقدم تھی اس لیے اسلام کا فلاح انسانیت والا نظریہ انھیں بھا گیا اور آپ ﷺ کی ذات کا مشاہدہ انھوں نے اسی عینک سے کیا۔ اس نعت میں پھلے نے آپ ﷺ کے اصلاحی کاموں کی طرف زیادہ توجہ مرکوز کی ہے۔ یہ نعت مراٹھی کی مستقل نعتوں میں اولین نعت قرار پاتی ہے کہ اس سے پہلے مراٹھی میں آپ ﷺ کی ذات بابرکات پر جو لکھا گیا ہے وہ محض اشعار کی شکل ہی میں ملتا ہے۔ سریش بھٹ کی نعت پھلے کی نعت سے کم از کم سو سال بعد لکھی گئی ہے۔ اس لیے ایکناتھ کی دکنی نعت کو اگر نظر انداز کر دیا جائے تو پھلے کی نعت مراٹھی کی مستقل نعتوں میں اوّل شمار ہوگی سریش بھٹ کی نعت دوسرے نمبر پر آئے گی۔

ذیل میں پھلے کی نعت کا آزاد منظوم ترجمہ پیش کیا جارہا ہے جو خاکسار نے محض اردوداں طبقے کی معلومات کے لیے کیا ہے۔ اس ترجمے میں پھلے کے خیالات کو مقدم رکھنے کی کوشش کی گئی ہے، شعری حسن کاری پر غور نہیں کیا گیا۔ جیسا کہ اوپر کہا گیا اس نعت کا مراٹھی عنوان ''مانو محمدؐ'' ہے میں نے اس عنوان کا ترجمہ ''خیرالبشر'' کیا ہے۔ اب ترجمہ ملاحظہ کریں:

۱۔ محمد ﷺ صادق و عادل جواں مردی میں لاثانی
کہ جس نے حق کی خاطر ثروت دُنیا بھی ٹھکرا دی

۲۔ وہ جس کا نعرۂ حق، ترغیب دیتا ترک باطل کی
خدائے لم یزل کی بندگی میں عمر سب تج دی

۳۔ وہ قرآں، جو ہدایت متقی لوگوں کو دیتا ہے
اسی قرآں کے حامل ہیں محمدﷺ فاتح عالم

۴۔ محمدﷺ وہ جو رب لم یزل کی بندگی ہر وقت کرتے تھے
وہ حق آگاہ تھے، حق آشنا، حق پر ڈٹے رہتے

۵۔ ارادوں میں اٹل لیکن امیدیں رب سے تھیں ان کو
تفرق و تنفر سے نہیں تھا واسطہ ان کو

۶۔ محمدﷺ وہ تکبر جو نہیں کرتے کبھی اصلاح امت پر
جنھوں نے نذر آتش کر دیا تھا کبر کو یک سر

۷۔ وہ ایسے مرد، جو باطل پرستوں میں اپاہج تھے
مگر حق آشنا لوگوں میں وہ پیکر عمل کے تھے

۸۔ سہارا ان کا کوئی تھے نہ کوئی غم گسار ان کے
اکیلے ہی وہ دعوت حق کی پیہم دیتے رہتے تھے

۹۔ فقط اک ''تیغ حق'' کی تھی انھیں ہمت بڑی بھاری
اسی حق کی دھدھکتی رہتی ان کے دل میں چنگاری

۱۰۔ یہ ''نصرت حق'' کی انﷺ کو بے سہاروں میں سہارا تھی
''نشان بے خطر'' جس نے زمانے بھر میں گڑوادی

۱۱۔ تفوق و تفضل جیسے سب الفاظ تھے گونگے
نہ تھی تفریق کچھ باقی وہاں آقا غلاموں میں

۱۲۔ نشان ذات اور فرقہ وہاں سب مٹ گئے یک سر
فقط اک ''بے نشانی'' رہ گئی تھی واں ''نشاں'' بن کر

۱۳۔ ہوا باطل بھی چکنا چور، اختلاف بھی سارا
بنا مرصوص کی ہو جیسے ان میں اتفاق آیا

۱۴۔ کما کر گھر میں رکھنے کی انھیں مطلق نہ خواہش تھی
یتیم و بے کس و غربا کو دینا ان کی عادت تھی

۱۵۔ مدد، نصرت، محبت، باہمی الفت کے عنواں سے
اُتر جاتے تھے ہر انسان کے دل میں مہرباں سے

۱۶۔ صنم کے پوجنے والوں کے سارے کفر کو توڑا
پھر ان باطل پرستوں کا خداوندا سے دل جوڑا

۱۷۔ خدائے وحدہ کی روح دل میں اس طرح پھونکی
موحد سارے عالم کے ہوئے آپس میں سب بھائی

۱۸۔ مگر مشرک اڑے تھے پھر بھی کچھ باطل پرستی پر
صنم کی کارسازی پر بتوں کی سجدہ ریزی پر

۱۹۔ انھوں نے آپ ﷺ کو مائل بہ ہجرت کردیا آخر
پناہ لی آپ ﷺ نے دشمن سے غارِ ثور میں جا کر

۲۰۔ وہاں قدرت نے نصرت آپ ﷺ کی ہر طرح کر ڈالی
خجستہ حال لوٹے سارے دشمن لے کے ناکامی

۲۱۔ بالآخر دعوت حق دیتے دیتے چل دیے آقا
ہزاروں سوگواران نبی ﷺ کو غمزدہ چھوڑا

۲۲۔ نبی ﷺ کے بعد اصحاب نبی ﷺ کو جب ہوا معلوم
زمین آریہ سے ظلم سارا کردیا معدوم

۲۳۔ جو ہوتے آرین حائل مقدس دیں کی دعوت میں
تو بیڑی حق کی پہناتے خلیفہ ان کے پاؤں میں

۲۴۔ غلاموں کو کیا آزاد ان کو حق کی دعوت دی
شرف دے ہم طعامی کا مٹایا فرق باہمی

۲۵۔ شریف و نیچ مسجد میں گئے بن کر سبھی مسلم
اخوت، انسیت ان میں تبھی قائم ہوئی باہم

اس نعت کے پہلے شعر میں پھلے نے حق کی خاطر آپ ﷺ کے "تارک الدنیا"

ہوجانے کا ذکر کیا ہے جو اسلام کے عین منافی اور تاریخ سے یکسر فراموشی کا نتیجہ ہے۔ اسلام کے علاوہ دیگر ادیان میں ''تارک الدنیا'' ہوجانا ''کمال انسانیت'' سمجھا گیا ہے۔ ہوسکتا ہے پھلے کے ذہن میں یہی خیال رہا ہو اور آپ ﷺ کی مدح میں یہ بات کہہ دی گئی ہو یا ''تیاگی سے سنسارا'' سے مراد انھوں نے ''دنیا کی ثروت سے دست برداری'' کی ہو۔ مگر میں نے ترجے میں یہی دوسرے معنی مراد لیے ہیں۔ کیوں کہ سیرت رسول ﷺ میں حق کی خاطر آپ ﷺ کا ساری آسائشوں کو تج دینے حتیٰ کہ چاند سورج کو ٹھکرا دینے کا ذکر ملتا ہے۔

تیسرے شعر میں پھلے نے ''جگ ہتا ساٹھی لیھلے قرآن'' کہا ہے۔ جو اسلامی تعلیم کے خلاف ہے۔ مستشرقین اور اسلام کے منکرین کے یہاں بالعموم یہ خیال ملتا ہے کہ (نعوذباللہ) قرآن خود اللہ کے رسول نے لکھی ہوئی کتاب ہے۔ لیکن پھلے نے لگتا ہے زیاد گہرائی میں جانے کی ضرورت محسوس نہیں کی اور آپ ﷺ کی بڑائی خاطر ایک عظیم کتاب کو عقیدتاً آپ ﷺ سے منسوب کردیا۔ انھیں کیا معلوم کہ ایسا سوچنا بھی گناہ ہے۔ میں نے ترجے میں اسے بدل دیا اور آپ ﷺ کی ذات کو ''حامل قرآن'' لکھ دیا۔

پانچویں شعر میں ''من کیلے دھیٹ'' کا ترجمہ ''ارادوں میں اٹل'' کیا گیا ہے اور ''ناہی بھیدا بھید، ٹھاوا جیالا'' کو میں نے، تفرق تنفر سے نہیں تھا واسطہ ان کو'' میں ڈھال دیا۔

بادی النظر میں ساتویں شعر کا لفظ ''اپاج'' آپ ﷺ کی شان وعظمت کے منافی استعمال ہوا محسوس ہوتا ہے لیکن میں نے پھلے کے اس اچھے خیال کو جوں کا توں رکھنے کی خاطر اس لفظ کا استعمال کرلیا۔ اسلامی ادب میں یوں بھی ایسے الفاظ جن سے ذم کا پہلو نکلتا ہے، اوصاف حمیدہ کے اظہار کے لیے استعمال کیے جانے کی مثالیں ملتی ہیں، مثلاً ابوصالحؒ (والد ماجد حضرت عبدالقادر جیلانیؒ) کی حیات طیبہ میں ایک واقعہ ملتا ہے کہ ان کے خسر نے اپنی لڑکی کے متعلق ابوصالحؒ سے کہا تھا کہ وہ ''اندھی'' ہے، ''بہری'' ہے، ''گونگی'' ہے، ''لولی'' ہے، ''لنگڑی'' ہے۔ لیکن شادی کی رات اس لڑکی کو حسین وجمیل پایا تو آپ نے اپنے خسر سے اس کی وضاحت چاہی تو انھوں نے فرمایا تھا کہ وہ اندھی یوں ہے کہ اس کسی غیرمحرم کو نہیں دیکھا، بہری اس لیے کہ اس نے خلاف شریعت کوئی بات نہیں سنی۔ گونگی اس لیے کہ اس نے اپنی زبان سے کبھی کوئی غلط بات نہیں کی۔ ادب میں خیالات کا ایسا اظہار ایک طرز یا اسلوب مانا جاتا ہے۔ پھلے نے آپ ﷺ کی تعریف کرتے ہوئے اسی اسلوب کو اپنایا ہے۔

آپ ﷺ ''ڈھونگیات پانگڑے ہوتے'' سے مراد ہے کہ آپ ﷺ باطل پرستوں کے سے عمل نہیں کرتے تھے۔

تیرھویں شعر میں پھلے نے استعمال کیے الفاظ ''ٹھام کیلا'' مضبوطی کے لیے آئے ہیں۔ قرآنی زبان میں اتحاد کی ایسی مضبوطی کے لیے ''بنیان مرصوص'' کی لفظی ترکیب استعمال ہوئی ہے۔ میں نے اس ترجمے میں اسی ترکیب سے استفادہ کیا ہے۔

انیسویں شعر میں ہجرت کے واقعے کی طرف اشارہ ہے۔ پھلے نے ''دوری لپلا ڈونگراچیا'' کہا ہے۔ میں نے اس کا ٹھیٹھ ترجمہ یوں کر دیا ''پناہ لی آپ ﷺ نے دشمن سے غارِ ثور میں جا کر۔''

اکیسویں شعر میں پھلے نے صرف آپ ﷺ کی وفات کا لفظ استعمال کیا ہے۔ یہاں سیاق و سباق کے لحاظ سے اس کی توضیح ضروری تھی۔ ترجمے میں اس کمی کو پورا کر دیا گیا ہے۔ اگر پھلے کے شعر کو ہی منظوم کردیا جاتا تو نعت کے تسلسل میں فصل کا شبہ ہوتا۔ نعت کا تسلسل برقرار رکھنے کے لیے چند زائد الفاظ ترجمے میں شامل کرنے پڑے جو پھلے کی نعت میں نہیں ہیں۔ لیکن ان زائد الفاظ سے پھلے کے نعتیہ خیال میں فرق نہیں آیا۔

بائیسویں شعر میں آپ ﷺ کے بعد اسلامی فتوحات کو ایک شعر میں پھلے نے سمیٹ لیا جس کی وجہ سے نعت کا شعری تسلسل مجروح ہوگیا تھا۔ مثلاً اکیسویں شعر میں صحابہ کا قبرِاطہر کی زیارت کرنا اور بائیسویں شعر میں آریوں کی زمین میں پھیلے شرک کو ختم کرنے کے لیے ان کا نکل پڑنا وغیرہ واقعات شامل کر لیے گئے۔ ان دونوں اشعار کو مربوط کرنے کے لیے زائد الفاظ جو ضروری تھے، ترجمے میں شامل کر لیے گئے ہیں۔ پھلے کے نزدیک ''آریہ بھومی'' سے مراد ''مشرق وسطیٰ'' سے لے کر ہندوستان کی سرزمین تک ہے۔ خلفائے راشدین کے دور خلافت میں مسلمانوں کی فتوحات کا یہ علاقہ مرکز بن گیا تھا۔

تیئیسویں شعر سے چھتیسویں شعر تک پھر فتوحات اسلامیہ کا ذکر ہے جو نعتیہ مضمون سے علیحدہ چیز ہے، پھر نعت کا دوسرا باب شروع ہوتا ہے، اس میں ہندوستان میں مسلمانوں کی فتوحات کا اجمالی بیان ہے۔ یہ حصہ بھی نعت میں شمار نہیں ہوسکتا۔ اس لیے دانستہ میں نے ان اشعار کے ترجمے سے احتراز برتا۔ غرض کہ یہ مراٹھی نعت ایک طرف حضور ﷺ سے پھلے کی عقیدت کی گواہی دے رہی ہے تو دوسری طرف اسلام کے متعلق پھلے کے دل میں نرم گوشے

کو بھی واشگاف کر رہی ہے۔

اس نعت کی ادبی لحاظ سے بڑی کم زوری یہ رہی ہے کہ تاریخ ساز واقعات کو بھی پھلے نے اشاروں کنایوں میں بیان کیا ہے جس کی وجہ سے وہ لوگ جو اسلام سے ناآشنا ہیں، انھیں اس نعت میں کوئی خوبی نظر نہیں آتی۔ جہاں تفصیل کی گنجائش تھی وہاں بھی پھلے نے اجمال سے کام لیا ہے۔ مثلاً ہجرت کا واقعہ، غارِ ثور میں آپ ﷺ کا چھپنا، مشرکین مکہ کا آپ ﷺ کو تلاش کرنا، آپ ﷺ کا مدینہ پہنچنا اور کم و بیش ۱۰ سال قیام فرمانا پھر فتح مکہ اور بعد میں آپ ﷺ کا وصال۔ اتنی لمبی تاریخ کو پھلنے نے صرف دو اشعار میں بیان کردیا ہے۔ نتیجتاً بیچ کے سارے تاریخی واقعات اس نعت میں آنے سے رہ گئے اور ان واقعات کے درمیان آپ ﷺ کے اوصاف و کمالات جو نعتیہ شاعری کی جان ہیں، یہاں بیان نہیں ہوسکے۔

اس نعت کا اسلوب تقابلی ہے۔ اس میں دو مذاہب کے تفوق و تذلل کو اجاگر کیا گیا ہے اس لیے بھی اس نعت کی پذیرائی نہ ہوسکی۔ یوں بھی حق و باطل کے معرکے کا صاف صاف بیان دلوں کو توڑتا ہے۔ (حق ہمیشہ کڑوا ہوتا ہے نا!) اور عناد کو ہوا دیتا ہے، پھلے کی نعت میں یہی ذہنیت کارفرما دکھائی دیتی ہے۔ انھوں نے اسلام کے حقائق بہ بانگ دہل بیان کردیے ہیں۔

قیصرالجعفری (بھارت)

(امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابتؒ کی عربی نعت کا منظوم ترجمہ)

اے سیّد السادات! ترے در پہ کھڑا ہوں
خوشنودی کی اُمید پہ مصروف دعا ہوں

اللہ کی مخلوق میں تو بہتر و برتر
میں شیفتہ "دیوانہ" ترا صرف ترا ہوں

یہ دل تری عزت کی قسم، تجھ پہ نچھاور
رب جانے ہے کس پہ میں دل وجاں بے فدا ہوں

کوئی بھی نہ ہوتا جو تری ذات نہ ہوتی
دُنیا ترے قدموں میں پڑی دیکھ رہا ہوں

تو وہ ہے کہ بولا شب معراج فلک بھی
آجائیے! میں منتظر بوسۂ پا ہوں

بندوں کے لیے مانگی تھی رو رو کے شفاعت
اللہ کا وعدہ کہ میں دینے پہ تلا ہوں

ایسے میں ترا نام بنا جد کا وسیلہ
آدمؑ نے جو سوچا کہ میں تصویر خطا ہوں

شعلوں نے براہیمؑ کو جلنے سے بچایا
وہ آتش نمرود سمجھتی تھی، خدا ہوں

ایوبؑ کے کام آئی برے وقت تری یاد
بیماری تو کہتی تھی بڑی ہوش رُبا ہوں

عیسیٰؑ کی بشارت کا تعلق تھا تجھی سے
انجیل بھی کہتی تھی تری مدح سرا ہوں

موسیٰؑ کی زباں پر یہی ہوگا سر محشر
میں تیری حمایت کی تمنا میں کھڑا ہوں

وہ معجزے تیرے تھے کہ مخلوق تھی عاجز
کیا ذکر فضائل ہو کہ بے نطق و نوا ہوں

اک گوشت کے ٹکڑے نے کہا زہر ہے مجھ میں
اک گوہ پکاری کہ میں حاضر بہ صدا ہوں

اک بھیڑیا بولا کہ ہوں بھوکا کئی دن سے
ہرنی کا گلہ، میں بھی تو محروم غذا ہوں

جنگل کے درندے تجھے دیتے تھے سلامی
اک اونٹ کا شکوہ تھا میں دنیا سے خفا ہوں

جب تو نے درختوں کو اشارے سے بلایا
ہر پتہ پکارا کہ میں قدموں میں پڑا ہوں

تو وہ کہ کفِ دست سے پانی ہوا جاری
کنکر کی صدا آئی کہ میں محو ثنا ہوں

بادل نے کیا صرف تری راہ میں سایا
اک پیڑ کا رونا کہ میں ملنے کو کھڑا ہوں

بیمار تھی دنیا، ترے ہاتھوں نے شفا دی
ہر زخم پکارا، میں طلب گار دوا ہوں

وہ قحط کے حالات وہ پانی کا برسنا
ہر بوند کا کہنا تھا، محمدﷺ کی دعا ہوں

مخلوق کو دی دعوت اسلام، سرعام
ہر دل سے صدا آئی کہ میں محو صدا ہوں

اک شمع ہدایت نے کیا کفر کو پسپا اسلام نے سمجھایا کہ میں دینِ ہدیٰ ہوں
ناکامی کی خندق میں گرا دشمن جانی اب چیخ رہا ہے کہ جہنم میں پڑا ہوں
جب بدر میں نصرت کے لیے آئے فرشتے پردے سے صدا آئی میں دشمن کی قضا ہوں
نہلا گیا جو ھودؑ کو یونسؑ کو وہی نور کہتا ہے کہ پیشانی یوسفؑ کی ضیا ہوں
طٰہٰ کے پس پردہ، کوئی بول رہا ہے وہ پاک ہے میں جس سے سرِ عرش ملا ہوں
یٰسین،، ترے خلق کے بارے میں ہے شاہد میں رب کی قسم، تجھ کو نبی جان چکا ہوں
خوبی تری کملی کی لکھے کیا کوئی شاعر درماندہ ہوں گو تنکے کی طرح میں بھی کھڑا ہوں
انجیل سے میں نے تری روداد سنی ہے میں تیرے خد و خال سے قرآں میں ملا ہوں
کیا مدح کرے کوئی کہ ممکن ہی نہیں ہے کیا وصف بیاں ہو کہ میں محروم نوا ہوں

دُنیا کے درختوں کو قلم کر لیا جائے
دریاؤں کے پانی کو بہم کر لیا جائے

انسان کے بس میں تری تعریف نہ جن کے اوصاف فرشتے بھی نہ گن پائیں، میں کیا ہوں
سرکار! دل شیفتہ قابو میں نہیں ہے میں تیری محبت میں چھلکنے سا لگا ہوں
چپ رکھتا ہے جو مجھ کو وہ ہے تیرا تصور میں مدح سرا ہوں تو ترا مدح سرا ہوں
اقوال ترے گونجیں تو کھلتی ہے سماعت میں چاروں طرف صرف تجھے دیکھ رہا ہوں
محشر میں مجھے تیری شفاعت ہو میسر اے سرورِ کونین ﷺ میں محتاجِ عطا ہوں
اے صاحبِ لولاک! سبھی تیرے خزانے بخشش کی خبر بھیج میں راضی بہ رضا ہوں
دنیا میں اکیلا ہے ترا یہ بوحنیفہؒ بخشش کی تمنا میں حریصانہ کھڑا ہوں
جب وقت حساب آئے گا، کیا وقت وہ ہوگا گھبرا کے ترے سایۂ داماں میں چھپا ہوں
ہے سب سے بڑا تیری شفاعت کا سہارا میں تیری پناہوں کے لیے دیدۂ وا ہوں
اس وقت تلک در پہ برستی رہے رحمت جب وقت کہے، آخری زائر کی صدا ہوں

تجھ پر ترے اصحاب پہ اللہ کی رحمت
میں سب کے لیے، سب کے لیے محوِ دعا ہوں

جگر مرادآبادی

(۱)

اے از لبِ صادقت شنیدہ — نادیدہ خدا، خدائے دیدہ
اے مثلِ تو در جہاں نگارے — یزداں دگرے ناآفریدہ
اے آں کہ بہ امتزاج کامل — در جملہ صفات برگزیدہ
تو پرتوِ حسنِ ذات و از تو — یک شمہ بہ دیگراں رسیدہ
اے ہمہ خلق، و باہمہ خلق — اے از ہر خلق، برگزیدہ
آں خیر کہ بود در زمانت — بعد از تو زمانہ ہم نہ دیدہ
در عشق و صفا دگر مثالے — نے دیدۂ و نے زِ کس شنیدہ
امروز ببیں، کہ مرداں را — کارے بہ ہلاکتے رسیدہ
اے آں کہ درونِ پردۂ راز — از خویش بہ خویشتن رسیدہ
از سدرہ بہ منتہائے قوسین — با عظمتِ خاص رہ بریدہ
طے کردہ مراحل و منازل — تا سدرہ بہ ساعتے رسیدہ
اے آں کہ ز شوق بے نہایت — حق را ہمہ آشکار دیدہ
مشرق ہمہ پر ز فتنہ و شر — مغرب ہمہ مست و سرکشیدہ
کے عقل تو آں رسد بہ پایاں — آں عشق ہنوز نارسیدہ
لولاک لما خلقت الافلاک — در مدح تو جانِ ہر قصیدہ
اے اسم تو حرزِ جانِ عشاق — اے ذکر تو نورِ قلب و دیدہ
اے بر تو نثار "شرمِ عصیاں" — اے بر تو فدا "دلِ تپیدہ"

یک گوشۂ چشم التفاتے　　بر اُمتیان غم رسیدہ
رحمت بہ اشارۂ تو جو شاں　　جنت بہ نکہت آرمیدہ
استادہ بہ پیش بارگاہت　　پیرے بہ زنخ آستیں کشیدہ

شاید جگر حزیں ہمین است
از بار گناہ سر خمیدہ

ڈاکٹر امانت (پونا۔ بھارت)

(۲)

یہ راز کیا لبوں سے افشا　　ان دیکھے خدا کو تم نے دیکھا
محبوب کوئی جہاں میں تم سا　　ہوگا، نہ ہوا ہنوز پیدا
تم وہ کہ بہ امتزاج کامل　　تھے جملہ صفات تم میں یکجا
تم پرتو حسن ذات جس کا　　اک شمہ ہی دوسروں کو پہنچا
تم ساتھ میں ہو بھی اور نہیں بھی　　ہو خلق میں، پھر بھی سب سے یکتا
جو خیر تھا عہد میں تمھارے　　پایا نہ جہاں نے وہ دوبارہ
تم سا کوئی عشق اور وفا میں　　ہم نے نہ سنا کبھی نہ دیکھا
امروز کا حال کچھ نہ پوچھو　　انساں ہے ہلاکتوں کو پہنچا
تم وہ کہ درونِ پردۂ راز　　درکار نہ تھا کوئی سہارا
تھا سدرہ سے منتہائے توسین　　اک عظمت خاص کا اُجالا
طے کر کے مراحل و منازل　　پہنچے تھے بس اک گھڑی میں سدرہ
ہمراہ رہا جو شوق بے حد　　تھا جلوۂ حق بھی آشکارا
مشرق میں بھرا ہے فتنہ و شر　　مغرب میں ہے سرکشی کا ڈیرا
کب عقل کا کام ختم ہوگا　　ہے جذبۂ عشق بھی ادھورا

لولاک لما خلقت الافلاک
ہے مدح میں جانِ ہر قصیدہ

ہے اسم جو حرز جان عشاق
ہے ذکر بھی نور چشم و دل کا

تم پر ہے نثار "شرم عصیاں"
قرباں یہ "دل تپیدہ" میرا

ہو چشم عنایت و کرم کی
ہر فرد ہے یاں غموں کا مارا

رحمت کو تھا اک اشارہ کافی
جنت کو سکوں نظر سے بخشا

استادہ تمھارے آستاں پر
منہ ڈھانپے ہے آستیں سے بوڑھا

شاید جگر حزیں یہی ہے
ہے بار گنہ سے سر خمیدہ

ایم اے تشنہ (ممبئی۔ بھارت)

(۳)

ہم نے تو محمد ﷺ کی زبانی یہ سنا ہے
دیکھا تو نہیں اس کو مگر ایک خدا ہے

دنیا کے کسی گوشے میں ثانیٔ محمد ﷺ
اس خالق کونین نے پیدا نہ کیا ہے

ہر طرح کے اوصاف جمیلہ کو ملا کر
اللہ نے محبوب کو تخلیق کیا ہے

حضرت ہیں مرے پیکر انوار الٰہی
اک عکس انھیں کا ہے جو اوروں کو ملا ہے

وہ پیکر اخلاق ہیں مخلوق خدا میں
خالق نے انھیں خلق میں ممتاز کیا ہے

جو خیر کا ماحول محمد ﷺ نے دیا تھا
اللہ کے بندوں کو وہ اب تک نہ ملا ہے

چاہت کا وفاداری کا وہ جذبۂ صادق
اس دور کے انسان نے دیکھا نہ سنا ہے

اب آج یہ حالت ہے کہ آدم کا یہ کنبہ
طوفان تباہی و ہلاکت میں گھرا ہے

معراج میں خلوت کدۂ خاص کے اندر
اک نور نے خود اپنا ہی دیدار کیا ہے

سدرہ کی بلندی سے وہ قوسین کی جانب
پاکیزہ سفر آپ ﷺ نے کیا خوب کیا ہے

افلاک کی منزل سے گزرتا ہوا رفرف
اک آن میں سدرہ کی بلندی پہ گیا ہے

اللہ کو نزدیک سے دیکھا ہے انھوں ﷺ نے
یہ رتبۂ بے مثل محمد ﷺ کو ملا ہے

نغموں سے ہیں معمور یہ مشرق کی فضائیں　　مغرب ہے کہ تاریکی نخوت میں پڑا ہے

پائی ہے وہاں عقل نے کب ایسی بلندی　　وہ عشق کا جذبہ اسے ہرگز نہ ملا ہے

وہ صاحب اوصاف کہ اللہ نے خود بھی　　لولاک لما کہہ کے جنھیں یاد کیا ہے

ہے تقویت قلب و جگر نام محمد ﷺ　　آنکھوں کی بصارت میں وہی نور چھپا ہے

عصیاں کی ندامت ہے، نثار شہ والا　　ٹوٹا ہوا دل آپ ﷺ کی عظمت پہ فدا ہے

ہو جائے نوازش کی نظر ان کی طرف بھی　　یہ آپ کے مجبور غلاموں کی دعا ہے

رحمت کی گھٹا چھائے جو ہو جائے اشارہ　　محتاج نظر آپ کی جنت کی فضا ہے

آقا! در دولت پہ کوئی پیر گنہگار　　چہرے کو چھپائے ہوئے شرمندہ کھڑا ہے

شاید یہی جذبہ لیے آیا ہے جگر بھی
سر اس کا بھی احساس ندامت سے جھکا ہے

☆

عزیز احسن۔ کراچی

نعتیہ ادب میں تنقید اور مشکلات تنقید

(ایک مطالعہ)

ادیبؔ رائے پوری صاحب، فداؔ خالدی دہلوی کے سینئر شاگرد ہونے کے ناطے میرے بزرگ استاد بھائی ہیں۔ آپ دنیائے نعت میں کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ نعت خوانی اور نعت گوئی آپ کی پہچان ہے۔ آپ کی علمی سرگرمیوں کی بھی خاصی دھوم ہے۔ نعتیہ ادب میں تنقید اور مشکلات تنقید، آپ کی تازہ ترین تصنیف ہے۔ ۲۱ر فروری ۲۰۰۱ء کی شام آرٹس کونسل کراچی میں ادیبؔ صاحب نے بڑے دکھ سے اپنی اس کتاب کے شائع نہ کرسکنے کا شکوہ کیا تھا۔ الحمدللہ کہ مئی ۲۰۰۱ء میں یہ کتاب زیور طباعت سے آراستہ ہوگئی۔ یہ الگ بات کہ کتاب پر تاریخ اشاعت ستمبر، اکتوبر ۱۹۹۹ء ہی درج کی گئی ہے۔

آج کل کتابیں کم چھپتی ہیں، مضامین کے مجموعے زیادہ۔ کتاب لکھنے کے لیے جس یک سوئی کی ضرورت ہوتی ہے وہ کم لوگوں کو میسر ہے۔ پیش نظر کتاب کو تعین موضوع کے اعتبار سے کتاب ہی کا درجہ دیا جائے گا، لیکن مصنف سے یہ شکایت ضرور کی جائے گی کہ انھوں نے موضوع کے راست ابعاد (Correct Dimensions) سے ذرا کم ہی سروکار رکھا ہے۔ مصنف نے موضوع کے گرد غیر ضروری حاشیوں اور غیر متعلق تفصیلات کا ہالا بناکر قاری کو اُلجھایا ہے، اور اسکے باوجود کوئی relevant سوال حل نہیں کیا ہے۔ مثال کے طور پر ایک عنوان ''تنقید کیا ہے؟'' کا مکمل متن ملاحظہ فرمایئے:

> تنقید انسانی فطرت کا جوہر ہے جس کی بہ دولت وہ اچھائی اور برائی میں تمیز کرتا ہے، اپنی گرد و پیش کو تجسس کی نگاہوں سے دیکھنے، ان پر غور و فکر کرنے اور ان کے متعلق جو رائے قائم ہو، اسے دوسروں تک

پہنچانے کا یہ شرف انسان کو تمام مخلوقات میں افضل کرتا ہے، اگر یہ
وصف اس میں نہ ہوتا تو انسانوں، درندوں، پرندوں، زورآور
جانوروں، ہوائی اور آبی مخلوقات پر قابو پانا، یہ تمام اس کی دسترس سے
باہر ہوتے حتیٰ کہ صوری و معنوی کمال میں بھی کوئی چیز انسان کی
برابری کا دعویٰ نہیں کرسکتی۔ یہ سب کچھ اس لیے کہ ہوش و خرد، فکر و
نظر اور قیاس و استنباط کی بے نظیر قوتیں خدا نے اسے بخشی ہیں یہ
باتیں صرف انسانی سوچ کا نتیجہ نہیں، قرآن کریم میں شرف انسانی کا
اعلان سورۂ والتین میں ہوا، ''لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم.''
''بے شک ہم نے انسان کو پیدا کیا (عقل و شکل کے اعتبار سے)
بہترین اعتدال پر۔'' (ص۳۱)

میں نے، تنقید کیا ہے؟ کے ذیل میں لکھی جانے والی تحریر کا مکمل متن (Text) یہاں نقل کردیا ہے۔ میں اس تعریف سے منشائے مصنف پانے میں ناکام رہا ہوں۔ مجھے اعتراف ہے کہ اگر مصنف کا یہ دعویٰ ہوتا،

آگہی دام شنیدن جس قدر چاہے بچھائے
مدعا عنقا ہے اپنے عالم تقریر کا
(غالبؔ)

تو بے جا نہ ہوتا، لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ یہ دعویٰ صرف شاعری میں بھلا لگتا ہے۔ نثر میں یہ روش حسن کے بجائے قبح اور خوبی کے بجائے خامی شمار ہوتی ہے... کسی شے کی تعریف کرنا مشکل ترین کام ہوتا ہے، اس لیے کہ حکماء نے تعریف کو مختصر الفاظ میں سمونے کی کوشش کی ہے۔ ادیب صاحب تو اتنی تفصیل دینے کے باوجود یہ بتانے میں کامیاب نہ ہوسکے کہ ''تنقید کیا ہے؟'' چلیے اگلا پیراگراف دیکھتے ہیں جو ''ابن عربی کا خیال'' کے زیرعنوان لکھا گیا ہے۔

اس پیراگراف میں ادیبؔ صاحب لکھتے ہیں:

ابن عربی نے اس آیت کے ضمن میں لکھا: لیس اللّٰہ تعالٰی خلق
احسن من الانسان فان اللّٰہ خلقه حیاً عالماً قادراً مریداً متعلماً
سمیعاً بصیراً مدبراً حکیماً (قرطبی)

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ نے انسان سے زیادہ خوب صورت کوئی چیز پیدا نہیں کی، اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا ہے اور اسے ان عظیم صفات سے متصف فرمایا، حیّ، عالم بااختیار، باارادہ، متکلم، شنوا، بینا، مدبر اور حکیم۔''

اس سے متصل عبارت ملاحظہ فرمالیجیے:

غور و فکر، تحقیق و تلاش کی اس نمو پذیر فطرت کا نتیجہ ہے کہ زندگی زیادہ دل کش ہوتی جا رہی ہے، انسان ہر لحہ زندگی پر گہری نظر ڈال رہا ہے اور ماحول پر اپنی گرفت مضبوط کر رہا ہے۔ انسانی فطرت کے اس جوہر کو تنقید کہا جاتا ہے۔''

اس طرح صرف آخری جملے سے یہ متشرح ہوتا ہے کہ قرآنی آیت کا حوالہ اور ابن عربی کا خیال صرف اس لیے نقل کیا گیا تھا کہ بتایا جائے ''انسانی فطرت کے اس جوہر کو تنقید کہا جاتا ہے۔'' اگر اب بھی قاری یہ نہ سمجھ سکے کہ تنقید کیا ہے؟ تو یہ اس کے فہم کا قصور ہوگا۔

خط کشیدہ الفاظ کو ذرا دوبارہ پڑھنے کی زحمت فرمائیے بالخصوص یہ فقرہ ''اگر یہ وصف اس میں نہ ہوتا تو انسانوں، درندوں، پرندوں، زورآور جانوروں، ہوائی اور آبی مخلوقات پر قابو نہ پاتا۔'' اس فقرے سے یہ مفہوم برآمد ہو رہا ہے کہ انسان کا دوسرے انسانوں پر قابو پانے کا عمل بھی تنقیدی عمل ہے۔ حالاں کہ انسانوں کا انسانوں پر قابو پانا جبر و استحصال سے ہو تو غلام بنانے کا عمل ہے، جو ناپسندیدہ ہے اور اگر کسی آئین کے تحت ہو تو سیاست کہلاتا ہے۔ اسی طرح حیوانات پر قابو پانے کا عمل انسانی قوت اور عقل کی بیداری سے متعلق ہے اور کسی نہ کسی طور سائنس سے متعلق ہے۔ اس تمام عمل کا تعلق تنقید سے کیا ہے؟ پھر اسی ذیل میں قرآنی حوالے سے انسانی عظمت کا بیان اور اس میں ابن عربی کی تفسیر کا ذکر کس قدر relevant ہے؟

صفحہ نمبر ۳۲ پر ایک عنوان قائم کیا گیا ہے، ''تنقید پر مختلف نظریات'' اور اس عنوان کے تحت ڈرائیڈن، ایمرسن، بائرن، ایڈیسن اور اسکاٹ جیمس کی وہ آراء دی گئی ہیں جو انھوں نے ''نقاد'' کی شخصیت یا اس کے فرض منصبی کے حوالے سے دی ہیں... ان تمام آراء میں کوئی بھی، عنوان یعنی ''تنقید'' سے متعلق نہیں ہے۔ قبل اس کے کہ میں ان تمام آراء کو یہاں نقل کروں ''تنقید پر مختلف نظریات'' کے زیر عنوان نگارش کے ابتدائی جملے ملاحظہ فرمالیجیے۔

''قرآن کریم کے حوالے سے قرآن کا جو تصور پیش کیا گیا اس کی آفاقیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہم ان نظریات کو بالاختصار پیش کرتے ہیں جو ادب وشاعری پر تنقیدی حوالوں سے پیش ہوتے رہے ہیں۔''

خط کشیدہ الفاظ غور سے پڑھیے ''قرآن کریم کے حوالے سے قرآن کا جو تصور پیش کیا گیا'' کے الفاظ سے کیا مترشح ہو رہا ہے، یہی نا کہ مصنف نے قرآن کریم کے حوالے سے قرآن کی تعریف یا اس کی عظمت کا ذکر کیا ہوگا؟ لیکن نہیں، بات تنقید کی ہے جس کا اختتام انسانی عظمت کے ذکر پر ہوا تھا اور اس پر قرآن کریم سے استشہاد کیا گیا تھا۔ بہرحال اس طرح کی طول طویل اور بے ربط عبارت میں کہیں کہیں ادیب صاحب نے اپنا منشا بھی ظاہر کردیا ہے۔ مثلاً اسی عنوان کے تحت ہمیں یہ سطور بھی نظر آجاتی ہیں، ''یوں تو انگریزی میں تنقید کے لیے Criticism کا لفظ ہے جس کا مطلب عدل یا انصاف ہے، عیب و ہنر میں تمیز کرنا، برے بھلے کا فرق معلوم کرنا پھر اس اندازے کو اپنی رائے میں پیش کرنا تنقید کا عام مفہوم ہے۔''

خط کشیدہ عبارت اگر ''تنقید کیا ہے؟'' کے عنوان کے تحت لکھی جاتی تو قاری کی مشکلات میں غیرضروری اضافہ نہ ہوتا۔ زیرتبصرہ عنوان ''تنقید پر مختلف نظریات'' کے تحت دی گئی آراء کی ایک جھلک بھی دیکھتے چلیے... ''نقادوں میں نفرت کا جذبہ بہت شدید ہوتا ہے جس کے باعث وہ اچھائیوں میں بھی چشم پوشی کرجاتے ہیں۔'' (ڈرائیڈن)... ''نقاد وہ شخص ہوتا ہے جس کو شعرگوئی میں ناکامی ہوتی ہے اور اس ناکامی کے بعد وہ جھنجھلا کر تنقید نگاری کا پیشہ اختیار کرلیتا ہے۔'' (ایمرسن)... ''ہر ناممکن بات کے متعلق یقین کرلو، قبل اس کے کہ تم نقادوں پر بھروسہ کرو۔'' (بائرن)... یہ تمام آراء نقاد کے بارے میں ہیں، جب کہ عنوان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ''تنقید'' پر مختلف اہل علم کے نظریات پیش کیے گئے ہوں گے۔

صفحہ نمبر۱۵۴ پر ایک سرخی ہے... ''ہر ترقی پسند لینن کا ایجنٹ نہیں'' قطع نظر اس کے کہ یہ سرخی موضوع سے کس قدر متعلق ہے، یہ بات بڑی حیرت انگیز ہے کہ اس ''عنوان'' کے ذیل میں مولانا اشرف علی تھانوی کی اس سماجی تنقید سے اقتباس دیا گیا ہے جو عیدمیلادالنبی ﷺ کی رسوم سے متعلق ہے۔ ادبی تنقید کا تعلق لکھے ہوئے لفظ (Written Word) سے ہوتا ہے یعنی ادبی تنقید کسی تحریر پر ہوتی ہے، کسی سماجی عمل یا رسم پر ہونے والی

تنقید ادبی تنقید کے ذیل میں نہیں آتی۔

صفحہ نمبر ۶۸ پر ممتاز حسن مرحوم کی ایک تحریر سے اقتباس نقل کر کے ادیب صاحب نے جو اعتراض کیا ہے وہ عبارت کی عدم تفہیم پر مبنی لگتا ہے، اس لیے اس کی وضاحت ضروری ہے۔ ممتاز صاحب فرماتے ہیں، ''صحیح معنوں میں نعت وہ ہے جس میں محض پیکر نبوت کے صوری محاسن سے لگاؤ کے بجائے مقصد نبوت سے دل بستگی پائی جائے۔''

اس جملے سے ادیب صاحب یہ مطلب لیتے ہیں کہ گویا ممتاز صاحب صوری محاسن سے لگاؤ کے ترک کرنے کا مشورہ دے رہے ہیں۔ حالاں کہ اس جملے میں استعمال ہونے والے لفظ ''محض'' سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ ممتاز صاحب ''صرف اور فقط'' صوری محاسن سے لگاؤ کافی نہیں سمجھتے جیسا کہ اسی عبارت کے اگلے الفاظ سے واضح ہو رہا ہے، جو ادیب صاحب نے نقل نہیں کیے... ''رسالت مآب ﷺ سے صرف رسمی عقیدت کا اظہار نہ ہو بلکہ حضور ﷺ کی شخصیت سے قلبی تعلق موجود ہو۔'' اس جملے میں ''شخصیت'' کا لفظ پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ لکھنے والے کے ذہن میں حضور ﷺ کی ذات والا صفات کا صوری حسن بھی تھا، کیوں کہ صوری پیکر کے بغیر شخصیت کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ کاش ادیب صاحب پوری عبارت پر غور فرما لیتے!

صفحہ نمبر ۱۴۵ پر ایک عنوان کچھ اس طرح جلی حروف میں لکھا ہے ''مذہبی موضوعات سے اختلاف کی مثال'' اور اس عنوان کے تحت احمد ندیم قاسمی کی نظم کے چار مصرعے دیے گئے ہیں، جن میں یہ اعلان کیا گیا تھا کہ:

محمد ﷺ عربی پر مجھے یقیں ہے ابھی

اس جذبے کے حوالے سے عارف عبدالمتین مرحوم کی بیزاری کا ان ہی کے الفاظ میں ذکر ہے۔ یہاں جس بات کا ذکر مقصود ہے وہ یہ ہے کہ عنوان بدلے بغیر عارف عبدالمتین کی نعتیہ شاعری اور ان کی قلب ماہیت Metamorphosis کا احوال بھی رقم کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح صفحہ ۱۳۵ پر ایک عنوان دیا گیا ہے، ''ترقی پسند ادب کیا ہے؟'' اس عنوان کے تحت گفتگو کا سلسلہ ۱۴۵ تک دراز ہوا ہے اور صفحہ ۱۴۲ پر وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کا ذکر بھی آ گیا ہے۔

پوری کتاب کا یہی حال ہے۔ ادیب رائے پوری کا مطالعہ بڑا وسیع ہے۔ اس بات کا اندازہ تو اس کتاب کے حرف حرف سے ہو رہا ہے، لیکن اپنے مطالعے سے درست علمی مواد

اخذ کرنا اور نتائج کو رطب و یابس سے محفوظ رکھتے ہوئے موزوں طریقے سے موزوں الفاظ میں پیش کرنا (اس مقالے کی حد تک) ممکن نہ ہوسکا۔ ''تنقید اور مشکلاتِ تنقید'' کے سیاق کو انھوں نے غیر ضروری طوالت سے ہم کنار کردیا ہے، اس کے باوجود درِ مقصود ان کے ہاتھ نہیں آسکا۔ یوں تو کتاب کا ہر عنوان غیر ضروری طوالت کے بار سے بوجھل ہے لیکن کتاب کو تحقیقی بنانے کی غرض سے خواجہ بندہ نواز گیسو درازؒ کے حوالے سے نعت کے اولین نمونے کی تلاش اور جستجو میں جو طویل سفر طے کیا گیا ہے وہ موضوع سے بالکل میل کھاتا ہوا نہیں لگتا۔ اسی طرح قلی قطب شاہ کے حوالے سے طویل بحث کا دروازہ کھولنا بھی، علمی لحاظ سے چاہے کسی قدر وسیع گردانا جائے، موضوع سے گریز کا آئینہ دار رہے گا۔ پھر ترقی پسند ادب کے حوالے سے جو مصنف نے صفحات کے صفحات کالے کردیئے ہیں، اس کا جواز بھی موضوع کے تناظر میں ملنا مشکل ہے۔ محمد قلی قطب شاہ کو مصنف نے ایک ''عیاش حکمراں'' بتایا ہے اور ہندو مسلم تہذیب کا سنگم، دکھانے کے لیے شب براٗت اور ہولی کے حوالے سے کی جانے والی شاعری کے کچھ نمونے بھی پیش کردیئے ہیں لیکن مضمون سے اس طویل بحث کا جوڑ ثابت نہ کرسکے۔ مولود ناموں پر بہت سا تحقیقی مواد زینتِ کتاب بنا ہے لیکن تنقیدی حوالے سے اس مواد کی پرکھ کا کام دوسروں پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ حد یہ ہے کہ حالؔی کے مولود شریف کا ذکر بھی ہے اور اس ضمن میں سرسیّد اور حالؔی کے اختلاف کے متعلق ایک عنوان بھی قائم کیا گیا ہے لیکن حالؔی کے مولود نامے کے مافیہ (Content) کی کوئی جھلک نہیں دکھائی ہے۔ حد ہے کہ تصوف کا اہم نظریہ ''وحدۃ الوجود'' جس کا تعلق توحید باری تعالیٰ کی تفہیم سے تو ہے لیکن رسالت محمد ﷺ سے نہیں ہے، وہ نظریہ بھی غیر ضروری طوالت کے ساتھ اس کتاب میں زیر بحث آگیا ہے۔ جب کہ اسی فلسفے میں بیان ہونے والا مقام ''حقیقت محمد ﷺ'' جس کا نعت سے تعلق تھا، بالکل نظر انداز کردیا گیا۔ وہ تو بھلا ہو حضرت ممتاز احمد صابری کا کہ انھوں نے شطحیات کے سوال کا جواب دیتے ہوئے ضمناً (ص۲۵۳) حقیقت محمد ﷺ کا ذکر بھی کردیا۔ کتاب میں، صوفیائے کرام کے احوال کے حوالے سے انتہائی غیر ضروری بحث، انتہائی ضروری ظاہر کرتے ہوئے پیش کی گئی ہے۔ یہ بحث ''شطحیات'' کی ہے۔ اسی بحث کے ضمن میں ممتاز احمد صابری صاحب سے مصنف کی خط و کتابت ہوئی اور صابری صاحب نے موصوف کو مشورہ دیا ''آپ میرے ایک اچھے دوست ہیں، میرا خیال ہے کہ میری حیثیت کے مطابق اس سے

مجتنب رہنے ہی میں رعایت ہے، کہیں ایسا نہ ہو سارا سفر بے کار ہوجائے۔"... لیکن مصنف علام نے مرد درویش کی اس ہدایت کو نظرانداز کرتے ہوئے اپنی کتاب میں "شطحیات" کا عنوان قائم کر کے غیرضروری بحث چھیڑ دی۔

"شطح" کے معنی یہ ہیں کہ خدا شناسوں (عارفوں) کے ظرف استعداد کے پر ہوجانے پر اس سے عرفان کے پانی کا چھلک جانا۔" (ص۲۴۸)

اس تعریف سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ "شطحیات" تخلیق نعت اور تنقید نعت کے لیے کتنا ضروری موضوع ہے۔ بہرحال بقول مصنف "چوں کہ یہ مقالہ تنقید کے موضوع پر ہے اور نقاد حضرات ہی کے لیے یہ تمام بحث ہے" (ص۲۴۹) اس لیے انھوں نے نقادوں کی علمی پیاس بجھانے کے لیے جو مناسب سمجھا لکھا... وحدۃ الوجود کے مضامین اور شطحیات پر مبنی افکار (جن کی تصدیق کا کوئی سائنٹنک طریقہ نہیں ہے) کی شرعی گرفت کرنے سے تو ادیب صاحب نے نقادوں کو ڈرایا ہے لیکن اللہ کا شکر ہے کہ انھوں نے خود ہی حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد پاک بھی نقل کردیا ہے، نحن نحکم بالظاھر (ہم ظاہر پر حکم کرتے ہیں) واللہ یتولی السرائر (اور اللہ تعالیٰ سرائر کا ذمے دار ہے، یعنی باطن سے اللہ تعالیٰ واقف ہے)۔ اس حدیث کی روشنی میں ہر نقاد شریعت سے متصادم افکار کی نشاندہی کرنے کا پابند ہے۔ احوال صوفیا کا معاملہ اللہ پر چھوڑا جاسکتا ہے لیکن شریعت کے خلاف نظریے کو فروغ کسی بھی صورت نہیں دیا جاسکتا۔

اس حقیقت کا اظہار بہرحال ضروری ہے کہ حضرت ادیب رائے پوری نے بعض معاملات پر اپنی علمی بصیرت کا بھرپور ثبوت فراہم کیا ہے۔ راقم الحروف ان کا شکرگزار ہے کہ انھوں نے اس ناچیز کے تسامح سے اس کو آگاہ فرمایا۔ "اردو نعت اور جدید اسالیب" میں ڈاکٹر ذکی مبارک کی ایک تحریر سے اقتباس نقل کیا گیا تھا، جس سے یہ تاثر ملتا تھا کہ نعت کی طرف عرب کے سکہ بند شعرا نے توجہ ہی نہیں کی۔ یہ بات تاریخی طور پر درست نہیں تھی، اس لیے ادیب صاحب نے اس علمی تسامح کی نشان دہی فرمائی۔ اللہ انھیں خوش رکھے۔ (ص۸۸) "نعت رنگ" سے استفادے کے آثار تو پوری کتاب میں کہیں نہیں ملے لیکن "نعت رنگ" میں چھپنے والے تنقیدی مضامین سے مصنف نے اپنی آگاہی کا ذکر صفحہ نمبر۲۲۱ پر ان الفاظ میں کیا ہے "کراچی سے "نعت رنگ" جسے نعت کو نوجوان شاعر صبیح رحمانی شائع کرتے ہیں، خصوصیت

سے تنقیدی مضامین شائع کر رہے ہیں اور پذیرائی بھی ہو رہی ہے۔"

کتاب صفحہ نمبر ۲۶۸ پر مکمل ہوئی ہے۔ صفحہ نمبر ۲۲۵ سے اختتام تک ایک ہی مسئلہ زیرِ بحث آیا ہے، جس کا عنوان ہے "نعتیہ کلام میں فلسفہ وحدت الوجود کی علمی بحث۔" ص ۲۶۶ پر جو اشعار بہ طور مثال پیش کیے گئے ہیں وہ سب توحید سے متعلق ہیں۔ جن میں نفی اثبات کا مسئلہ نظم کیا گیا ہے مثلاً:

مقابل آئینہ ہے میں نہیں ہوں
حقیقت میں خدا ہے میں نہیں ہوں
بہ قیدِ عبدیت، مشتاق میں ہوں
باطلاقاً خدا ہے، میں نہیں ہوں

ان اشعار کے اندر بیان کیے گئے اسرار و رموز کے ضمن میں مصنف نے لکھا ہے "کوئی نقاد تصوف کے ان اسرار و رموز سے باخبر نہیں وہ ایسے اشعار کو خارج از اسلام اور زیادہ جذباتی ہو تو کفر قرار دے سکتا ہے، انھی تمام مسائل کے سبب مشکلاتِ تنقید کا عنوان قائم ہوا تھا جو دقیع بھی ہے نازک تر بھی۔" (ص ۲۶۸) اور پھر اختتامی کلمات لکھ کر بات مکمل کردی گئی ہے۔ اس طرح "نعتیہ ادب میں تنقید اور مشکلاتِ تنقید" کے موضوع پر لکھی جانے والی کتاب توحیدی مضامین پر ختم ہوئی۔

کتاب کی آخری سطور ملاحظہ فرمایئے "یہ ایک چراغ ہے جس کے جلنے کے بعد مجھے یقین ہے کہ اور بھی چراغ جلیں گے اور پھر یہ روشنی نعتیہ ادب میں فقدانِ تنقید اور جمود کے اندھیروں پر غالب آجائے گی، میرے بعد لکھنے والے یقیناً مجھ سے بہتر لکھیں گے، میں نے جو کچھ لکھا بہت کم لکھا بہت کچھ لکھنا تھا، لیکن خوشی اس بات کی ہے کہ سب سے پہلے لکھا اور یہی خوشی میرا انعام ہے۔"

میں نے "نعتیہ ادب میں تنقید اور مشکلاتِ تنقید" کا لوح سے تمت تک مطالعے کا صبر آزما سفر طے کرلیا تو ایک بار پھر صفحہ نمبر ۱۹ کھولا اس صفحے پر ایک اشتہار نما تحریر ہے... "اس مقالے میں اعتدال کو ہاتھ سے کسی حال نہ جانے دوں گا اور مجھے یقین ہے کہ میں آخر دم تک اس قول پر ثابت قدم رہا۔ کسی غیر متوازن پلڑے میں نہیں گیا۔ انتہاپسندی کی شدومد سے مخالفت کی ہے اور اس عیب سے خود بھی اپنا دامن بچایا ہے..." کیا یہ سب درست ہے؟ براہ

کرام اپنا فیصلہ دینے سے قبل مقالہ اور اس کے قبل مقدمہ کتاب ضرور پڑھ لیں۔" "ادیب رائے پوری۔" اس کتاب کو پڑھنے کے بعد ہی مجھے حوصلہ ہوا کہ اپنے بھائی کو آگاہ کردوں کہ تنقید اور تحقیق کو گڈمڈ کرنے سے مقالے کی تحریر میں صرف ہونے والی محنت اگر بالکل رائیگاں نہیں گئی تو مطلوبہ اہداف کے حصول میں پوری طرح کامیابی بھی نہیں ہوسکی۔

ہر علمی کام کرنے سے قبل اس میدان میں ہونے والے معتد بہ کام کی آگہی بھی ضروری ہے اور اس سے خاطر خواہ استفادہ کرنا بھی لازمی ہوتا ہے۔ حیرت ہے کہ فہرست مآخذ کتب میں مصنف علام نے کتابی سلسلے "نعت رنگ" کو یکسر نظرانداز کردیا جس کے اب تک گیارہ شمارے آچکے ہیں اور جس کا پہلا شمارہ، اپریل ۱۹۹۵ء میں "تنقید نمبر" کے طور پر شائع ہوا تھا جس میں خود ادیب رائے پوری کا ایک مضمون "نعتیہ ادب میں تنقیدی جمود" کے عنوان سے شائع ہوچکا ہے۔ مصنف نے ماضی میں ہونے والی کسی بھی ایسی مثال کو شامل مقالہ نہیں کیا جس سے "نعت پر ہونے والی تنقید" کا سراغ لگ سکے۔ وگرنہ نعت پر تنقید کے حوالے سے "محسن کاکوروی" کے قصیدے، "سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل" کا تذکرہ بھی ہوسکتا تھا اور اس قصیدے کی تشبیب کے ضمن میں اٹھنے والے سوالات اور ان کے جوابات بھی حیطۂ تحریر میں لائے جاسکتے تھے۔ لیکن مصنف نے اس قصیدے کا سرے سے ذکر ہی نہیں کیا جس کے باعث نعتیہ ادب میں تنقید کا باب کھلا تھا۔ نعتیہ ادب پر کسی بڑے نقاد کی اگر کوئی تحریر ہے تو لے دے کے صرف اس قصیدے پر محمد حسن عسکری کی ہے۔ اسی طرح مصنف نے ممتاز حسن کی تحریر کا حوالہ دے کر اس پر اعتراضات کا محل تعمیر کرنے کی کوشش تو کی لیکن اس کتاب کو مآخذ کتب میں شامل نہیں کیا جس میں وہ تحریر چھپی تھی۔ ممتاز حسن کا وہ تنقیدی مضمون ان کے مرتب کردہ انتخاب نعت "خیرالبشر ﷺ کے حضور میں" کے مقدمے کے طور پر شامل تھا۔ رشید وارثی صاحب کے مضامین مسلسل "نعت رنگ" میں شائع کیے جارہے ہیں اور ان کے تقریباً ہر مضمون کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور بلاشبہ وہ سب کے سب مضامین "تنقید نعت" ہی سے متعلق ہیں، لیکن ادیب صاحب نے نہ تو ان مضامین کا ذکر مناسب جانا اور نہ ہی ان مضامین سے استفادہ کیا۔ ڈاکٹر سید ابوالخیر کشفی صاحب کے مضامین بھی مسلسل "نعت رنگ" کی زینت بنتے رہے ہیں لیکن ان کی اہمیت بھی محسوس نہیں کی گئی۔ اس سلسلے میں راقم الحروف اپنی کسی تحریر کا حوالہ نہیں دینا چاہتا، ورنہ دو چار لفظ جوڑنے کی سعادت تو

خاکسار نے بھی حاصل کی تھی۔

یہ روش بہرحال لائق ستائش ہے کہ مصنف موصوف بڑے اعتماد سے فرماتے ہیں، ''میرے اس مقالے میں جو کچھ میں نے لکھا ہے اس پر بھی اہل نقد وتبصرہ کی تنقید کا میں بے چینی سے منتظر رہوں گا تاکہ مجھے مستقبل میں اگر مزید کچھ لکھنے کا حوصلہ ملا اور مواقع میسر آئے تو مجھ پر کی جانے والی تنقید کے سبب میری رہنمائی ہوگی اور میں بہتر مواد فراہم کرسکوں گا۔''

کتاب میں بعض مقامات بڑے اہم ہیں، مثلاً ''بازار عکاظ میں تنقید کی مثال'' اور ''خنساء کا مقام شعر گوئی''، نیز ''تنقیدی ادب میں جمود اور اس کے نقصانات'' والی بحث، کاش دوسرے موضوعات پر بھی اسی احتیاط کے ساتھ قلم اٹھایا جاتا! کتاب میں فہرست عنوانات تو موجود ہے لیکن اس میں صفحات کے نمبر درج نہیں کیے گئے ہیں جس سے مطلوبہ عنوان تلاش کرنے میں آسانی ہو۔ ابتدا میں، میں نے عرض کیا تھا کہ آج کل کتابیں کم شائع کی جاتی ہیں، مجموعہ ہائے مضامین زیادہ چھپتے ہیں۔ ادیب صاحب کی کتاب بھی اگر مضامین کے مجموعے کے طور پر پیش کی جاتی تو اس کے بیش تر مضامین وقعت کی نظر سے دیکھے جاسکتے تھے۔ لیکن ان تمام مضامین کو ایک ہی سلک خیال میں شیرازہ بند کرنے کی کوشش نے یہ صورت حال پیدا کردی۔

کتاب پر رائے دینے والوں میں جناب انوار احمد زئی اور جناب مختار اجمیری کے اسمائے گرامی زینت کتاب ہیں۔ دونوں نے تقریظیں لکھی ہیں اور خوب لکھی ہیں۔

اس قدر تفصیل سے کتاب کا جائزہ لینے کا خیال مجھے اس لیے آیا کہ ادیب صاحب نے نعتیہ ادب میں تقریظ نویسی کے اس پہلو کو جس میں کتاب اور صاحب کتاب کی صرف تعریف کردی جاتی ہے، ان الفاظ میں رد کیا ہے... ''اس طرز عمل کا بنیادی نقصان اول تو مصنف کتاب کو پہنچتا ہے کہ وہ اپنی کتاب (نثر ہو کہ نظم) کی خامیوں کو جاننے سے محروم ہوجاتا ہے کیوں کہ وہ تنقید نگار پر بھروسہ کرتا ہے اگر مصنف کا ارادہ مزید تخلیقی امور انجام دینے کا ہے تو وہ اس پسندیدگی کو معیار سمجھ کر آگے بڑھ جاتا ہے اس طرح ایک فنکار قتل ہوجاتا ہے۔'' (ص ۴۹) اب اگر مصنف موصوف اس خاکسار کی معروضات پر غور فرمائیں گے تو اس کتاب کے آئندہ ایڈیشن میں ضروری ترمیمات فرمالیں گے۔

☆

عزیز احسن۔ کراچی

''تیرا وجود الکتاب''... ایک مطالعہ

پروفیسر محمد اقبال جاوید اپنے علمی کاموں اور طرز نگارش کی طرفگی کے باعث ایک منفرد حیثیت رکھتے ہیں۔ پروفیسر صاحب کی نثر، مولانا محمد حسین آزاد، ابوالکلام آزاد اور مولانا عبدالماجد دریاآبادی کی نثر کی طرح دل موہ لینے والی ہوتی ہے۔ ہمارے، عہد میں علمی گہرائی اور نکتہ رسی کے حوالے سے اس قدر جذب و کشش رکھنے والی نثر لکھنے والوں میں محمد اقبال جاوید صاحب کا نام بہت ممتاز ہے۔

جس طرح مولانا ابوالکلام کی نثر کے لیے مولانا حسرتؔ موہانی نے کہا تھا:

جب سے دیکھی ابوالکلام کی نثر
نظم حسرتؔ میں کچھ مزہ نہ رہا

اسی طرح راقم الحروف کو یہ احساس ہوتا ہے کہ پروفیسر موصوف کی نثر بہت سے شعرا کی شاعری کے چراغ گل کرنے کے لیے کافی ہے، بلکہ نثری نظم کا غلغلہ بلند کرنے والوں کو تو ان کی نثر سے اکتساب فیض کرنا چاہیے۔

''تیرا وجود الکتاب'' موصوف کی دسویں تصنیف ہے جب کہ کئی کتابیں زیر طبع ہیں۔ اس کتاب میں چودہ ایسے بزرگوں کی نعت گوئی کا جائزہ لیا گیا ہے، جن کی زندگیاں سیرت سرکار دو عالم ﷺ پر عمل کی بہترین مثالیں پیش کرتی ہیں اور جن کی شاعری، ان کی کیفیات، احوال اور اعمال کی سچی عکاس تھی۔ ان بزرگوں میں سے کوئی بھی اہل قال نہیں بلکہ اہل ''حال'' تھا۔ آج کے تو شعرا، ادبا اور عوام الناس اس بات کا صحیح ادراک بھی نہیں کر سکتے ہیں کہ کوئی تحریر (بالخصوص تخلیقی نثر اور شعر) ''آئینۂ حال'' بھی ہو سکتی ہے۔ لیکن متصوفانہ شاعری

کے سلسلے میں بالخصوص اور نعتیہ شاعری کے معاملے میں بالعموم بعض اہل سلوک نے ایسا ہی رویہ رکھا تھا کہ ان کی شاعری ان کے احوال کا آئینہ بنی رہی اور انھوں نے ایک لفظ بھی اپنی اصل کیفیتوں اور عملی حالتوں کے خلاف نہیں لکھا۔ آج چوں کہ نعت گوئی کا رواج عام ہے اور نعتوں میں بیان کیے جانے والے مضامین کی واقعاتی، حسی، احوالی اور عملی صداقتوں کی طرف دھیان دینے کا رویہ مفقود، اس لیے ضرورت محسوس کی گئی کہ نعت گو شعرا کو ایسے نعت گو شعرا کے شعری عمل (Poetic Work) سے بھی آگاہ کر دیا جائے جن کی نعت ''برائے شعر گفتن خوب'' نہیں تھی بلکہ نعت شہ کونینﷺ ان کی کیفیات، احوال اور ان کی حب رسولﷺ کا سچا اظہار تھی۔ ان کے الفاظ ان کے عمل کی روشنی سے جلا پاتے تھے اور ان کی شاعری سے ان کے اعمال تپش آمادہ ہو جاتے تھے۔ راقم الحروف نے ایک جگہ لکھا تھا ''نعت کے ذریعے حضور رسالت مآبﷺ کی خدمت اقدس میں خراج عقیدت پیش کیا جاتا ہے اور خراج عقیدت پیش کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ آپﷺ کی تعلیمات پر مکمل طور پر عمل کیا جائے اور نعت میں استعمال کیے جانے والے الفاظ جوہر عمل سے قوت پاتے رہیں۔ ایسی نعت عہد رسالت مآبﷺ کے تمام شعرا نے لکھی، جن میں عبداللہ بن رواحہؓ، حسان بن ثابتؓ، کعب زہیرؓ و کعب بن مالکؓ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ اس عہد کے بعد بہ تدریج الفاظ عمل کی قوت سے محروم ہوتے چلے گئے اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ علم کے بغیر عمل وبال اور عمل کے بغیر علم ضال ٹھہرا... پھر یوں ہوا کہ حروف کے کھوکھلے در و بام اور لفظوں کے بے بنیاد قصر تعمیر ہونے لگے، کیوں کہ اہل حال کی مسندوں پر اہل قال کے قبضے نے قحط الرجال کی مدت دراز کر دی اور باعمل باکمال آنکھوں سے اوجھل ہو گئے۔'' (اردو نعت اور جدید اسالیب ص ۱۵) آج مجھے یہ نکتہ اس لیے یاد آیا کہ پروفیسر محمد اقبال جاوید نے آج کے نعت گو شعرا اور نعت سے قلبی تعلق ظاہر کرنے والوں کے لیے اسلاف میں سے چند اہل حال کی نعتیہ شاعری کے نمونے پیش کیے ہیں۔ مصنف علام فرماتے ہیں ''غیر شرعی ظاہر و باطن کے ساتھ نعت کہنا، ذوق نعت سے ایک خوفناک تلعب ہے۔ سوچتا ہوں کہ ایسے لوگ تمازت آفتاب سے کیسے بچ سکیں گے کیوں کہ خراج عقیدت سے کہیں زیادہ خراج اطاعت مطلوب ہے۔'' (ص ۹۷)

''تیرا وجود الکتاب'' بیک وقت کئی زاویوں سے دیکھی جا سکتی ہے۔ یہ کتاب نعت گو شعرا کا ایک تذکرہ بھی ہے۔ صوفیائے کرام کی واردات قلبی اور تعلق مع اللہ کی دستاویز بھی

ہے۔ نعت کے مافیہ (Content) کی صداقتوں کا احوال بھی ہے، تصوف کی شعری اساس کا اعلان نامہ بھی ہے۔ انتخاب نعت کے حوالے سے ایک تنقیدی اور تحقیقی کاوش بھی ہے۔ نثر کی لطافت اور بیان کی نظافت اس پر مستزاد۔

نعت گو شعرا کے تذکرے کے ضمن میں ہم اس کتاب میں چودہ شاعروں کا ذکر دیکھتے ہیں... (۱) حضرت احمد جام ژندہ پیلؒ (۲) حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ (۳) حضرت معین الدین چشتیؒ (۴) شیخ قطب الدین بختیار کاکیؒ (۶) حضرت بوعلی قلندرؒ۔ (۷) حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ (۸) مولانا نورالدین جامیؒ (۹) حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ (۱۰) حضرت مولانا احمد رضا خاںؒ (۱۱) حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ (۱۲) قاضی محمد سلیمانؒ منصور پوری (۱۳) حضرت بیدم شاہ وارثیؒ (۱۴) خواجہ محمد یار فریدی چشتیؒ۔

اس فہرست سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف موصوف نے بڑے اخلاص کے ساتھ اخیار امت کا انتخاب کیا ہے۔ ان کے اس انتخاب سے اخلاص کے ساتھ ساتھ علمی سطح پر ان کا معروضی زاویۂ نظر بھی سامنے آتا ہے۔ انھوں نے کسی اہم نام کو کسی مسلک کی جوئے کم آب کی نذر نہیں ہونے دیا ہے۔ سب کو عشاق رسول ﷺ اور شمع رسالت ﷺ کے پروانوں کی حیثیت سے دیکھا ہے۔ اس رویے سے ایک تأثر یہ بھی ملتا ہے کہ تذکرۂ نعت گویاں کے وسیلے سے مصنف اتحاد بین المسلمین کی فضا قائم کرنے کے متمنی ہیں۔

''تیرا وجود الکتاب'' کا مقصد تصنیف، مصنف نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے

''قدیم تذکروں میں صوفی شعرا کی فنی، علمی اور فکری حیثیت کا اعتراف بہت کم کیا گیا ہے اور مجازی شعرا ہی کو اہمیت دی گئی ہے۔ حقیقت نگار شعرا کی خصوصیات کلام کا اگر ذکر بھی ہوا تو ان کی شاعری کے حمدیہ اور ناصحانہ پہلوؤں کی تو کچھ نہ کچھ نشاندہی کی گئی مگر نعتیہ گوشوں سے اغماض برتا گیا۔ یہ چشم پوشی در اصل اسلام سے گریز کی شعوری یا لاشعوری ادبی کوشش تھی، جب کہ حضور ﷺ کے حوالے کے بغیر حمد، مجرد توحید اور ناصحانہ امور مجرد تصوف ہیں جن کا اسلام سے کوئی سا تعلق بھی نہیں ہے کیوں کہ ہمارا ہر عقیدہ اور ہر نظریہ رسول پاک ﷺ ہی سے وابستہ ہے۔'' (ص ۹)

مقصد تصنیف کا یہ اجمالی ذکر ہی تفصیلاً حقیقت نگار شعرا کے مذکور کا پیش خیمہ بنا ہے اور اس طرح یہ ''عشق محمدی علی صاحبہا ﷺ'' ایک زندہ قوت کے طور پر ان شعرا کی

زندگیوں میں محرک اعمال حسنہ کے طور پر جاری اور ساری نظر آتا ہے۔ پروفیسر صاحب لکھتے ہیں ''ہمارے اسلاف علم و عمل میں پختہ تر ہو کر، توصیف رسالت مآب ﷺ کے لیے قلم اٹھانے کی ہمت کیا کرتے تھے اور ہم دین کی زیبائی اور عمل کی رعنائی کے بغیر صرف غزل کی ضمیر کا مرجع بدل کر اسے نعت بنانے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔'' اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف علام اپنی تصنیف کے ذریعے نعت گو شعرا کو حسن عمل کی طرف راغب بھی کرنا چاہتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے موصوف چراغ لے کر شہر کے گرد چکر لگاتے ہوئے یہ نعرہ لگا رہے ہیں:

کز دام و دد ملولم و انسانم آرزوست

لیکن انھیں اسلاف کے معیار کا کوئی آدمی نہیں ملتا تو اسلاف کے قصے سنا کر اپنا احساس و تاثر اس طرح حوالۂ قرطاس کرتے ہیں، ''کیسے شاداب زمانے تھے اور کیسی کیسی نایاب شخصیات عام تھیں! دور حاضر کہ قرب قیامت بھی ہے اور فتنوں سے پر بھی اور ساتھ روحانی عظمتوں کے اعتبار سے قحط الرجال کا شکار بھی، اس میں ڈھونڈے سے کوئی ایسی نگاہ بھی میسر نہیں آتی جو سانس لینے والے مردوں کو زندگی کی رمق دے سکے۔ نہ چراغ رخ ہے، نہ شمع وعدہ، نہ موج صبا نہ باد بہار، کلیاں ہیں کہ سر شاخ سلگ رہی ہیں... یا تو یہ دور ہی تہی دامن ہے یا ہماری طلب ہی ناقص ہے۔'' (ص ۴۸) اسی احساس نے کہ ہمارا عہد قحط الرجال کا شکار ہے، مصنف سے یہ داستان اخیار لکھوائی ہے۔

حضرت احمد جام ژندہ پیلؒ (۱۰۴۹ء۔۱۱۴۱ء) کا ذکر ان کے اس شعر سے ہوا ہے جس کی شہرت تو بہت ہے لیکن جس کے خالق سے بہت کم لوگ واقف ہیں۔ اس شعر کی شہرت حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کے حوالے سے اس قدر پھیلی کہ یہ شعر اپنے خالق کے نام سے بہت زیادہ آگے نکل گیا:

کشتگان خنجر تسلیم را
ہر زماں از غیب جانے دیگر است

اس کے بعد حضرت احمد جامؒ کی تیرہ نعتیں زیب قرطاس کی ہیں اور ان پر تنقیدی بصیرت کے ساتھ تبصرہ بھی کیا ہے۔ اب کچھ اشعار ملاحظہ فرمایئے:

اقبال و جاہ ما توئی پشت پناہ ما توئی
چوں عذر خواہ ما توئی، دریاب آخر کار ما

☆

ہر کسے باہر کسے در التجا
من بسوئے مصطفیٰ(ﷺ) در التجا

☆

حق رضا باد زآل و صحب او
کہ ہمہ ہادی اندو راہ نما

ان نعتوں پر تبصرہ کرتے ہوئے مصنف نے بتایا ہے کہ عہد حاضر میں ''غم دوراں'' نعت کا موضوع بنتا ہے تو ''احمد جامؒ ایسا قدیم صوفی شاعر بھی آلام روزگار کی تلخیوں کے لیے اسی نگہ کرم کے لیے ترستا ہے۔ اور اپنی ظلمتوں کو اجالنے کے لیے اسی شمع ضو بار کا تمنائی ہے۔'' احمد جامؒ ہی کی ایک نعت کے بارے میں لکھتے ہیں ''یہ نعت بہ یک وقت اپنے اندر رب العالمین کی رفعت، توحید کی عظمت، حدیث کی صداقت اور ان کے اپنے دل کی عقیدت کا ایک دل آویز اظہار ہے کہ کائنات کی وسعتیں ان کی ذات اور بات میں سمٹتی محسوس ہوتی ہیں۔'' (ص ۱۸)

ایک نعت جس کا مطلع ہے:

اے شب گیسوئے تو روز نجات
خاک پایت چشمۂ آب حیات

پر جو تبصرہ کیا ہے اس سے پروفیسر اقبال جاوید کے تنقیدی شعور اور آگاہیٔ فن کا بھرپور اندازہ کیا جاسکتا ہے وہ فرماتے ہیں ''یہ نعت افکار عالیہ کے اعتبار سے بھی اور حسن بدیع کے لحاظ سے بھی فن کا ایک نادر نمونہ ہے۔ تشبیہات و استعارات کا جمال منتہائے کمال پر پہنچ کر لو دے رہا ہے۔ حضورﷺ کے دہن مبارک سے بکھرنے والے پھولوں کو راح و روح دل کہنا، صنعت تجنیس کی شان بڑھا رہا ہے۔ دوسری طرف ہوا کی بے قراری کا باعث حضورﷺ کے غصے اور پہاڑ کے ثبات و قیام کو حلم رسالت مآبﷺ کی وجہ سمجھنا، صنعت حسن تعلیل کا ایک نادر نمونہ ہے۔'' (ص ۲۴) ان تنقیدی آرا سے پتا چلتا ہے کہ صاحب تذکرہ تحسین (Appreciation) کلام کے قدیم اسلوب سے اور قدیم شعرا کے فن کی باریکیوں سے بخوبی آگاہ ہیں۔ اس کے علاوہ وہ اپنے قارئین کو بتاتے ہیں کہ صوفیائے کرام نے اپنی تحریر، تقریر

اور عمل سے واضح کیا کہ تصوف کی اساس "قرآن و سنت" ہے۔ تصوف پر پڑنے والے یونانی، ہندی، یہودی اور مسیحی اثرات سے بھی اقبال جاوید صاحب پوری طرح آگاہ ہیں اور اسلامی تصوف کو ان کے اثرات سے محفوظ رکھنے کے لیے ہمارے صوفیائے کرام نے جو راہ اختیار کی اس کے نقوش بھی ان کے لوحِ دل پر واضح ہیں۔ حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا تھا "جس شخص نے تصوف سے پہلے قرآن حفظ نہ کیا ہو اور حدیث میں سند حاصل نہ کی ہو، اسے دوسروں کی رہنمائی کا کوئی حق۔" (ص۲۹) یہ قول نقل کرنے کے بعد پروفیسر صاحب لکھتے ہیں "تاریخ جانتی ہے کہ صوفیائے کرام کی اکثریت قرآن و حدیث کی منتہی تھی۔ زبان و قلم کی بہترین صلاحیتوں سے متصف تھی، طبعی موزونیت کی بنا پر بیش تر صوفیا بہترین شاعر بھی تھے۔ وہ فلسفہ اور منطق کی گہرائیوں اور کمزوریوں دونوں سے کماحقہ آشنا تھے۔ دوسری طرف ذکر و فکر اور مجاہدات و مراقبات نے ان کے علم کو حسنِ عمل کی دل آویزیوں سے نوازا تھا۔" (ص۲۹)

حضرت سیّد عبدالقادر جیلانیؒ (۱۰۷۷ء۔۱۱۶۶ء) حنبلی فقہ کے پیرو اور قادری سلسلے کے بانی تھے۔ آپؒ کے تذکرے میں اقبال جاوید صاحب نے عجیب نکتہ بیان کیا ہے، لکھتے ہیں "آپؒ کی حیاتِ مستعار کو اگر "کمالِ عشق" قرار دے لیا جائے تو بے جا نہ ہوگا بلکہ صدق آفرینی ہوگی کہ عشق کے عدد ۴۷۰ ہیں، جو آپ کا سن پیدائش ہے اور کمال کے عدد ۹۱ ہیں اور ۹۱ برس ہی کی عمر میں آپؒ نے رحلت فرمائی۔" (ص۳۴) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پروفیسر صاحب نے کتاب میں ہر ہر نکتے پر خاصا غور و فکر کیا ہے اور یہ کہ موصوف کو علم الاعداد سے بھی شغف ہے۔

شیخ جیلانؒ کے اشعار ملاحظہ ہوں:

خدام ترا غلام گشتہ
کیخسرو و کیقباد و فغفور

☆

روشن ز جود تست کونین
اے ظاہر و باطنت ہمہ نور

☆

ہر کس بہ جہان گناہگار ست

گشتہ بہ شفاعت تو مغفور

☆

تحی بہ غلامئ تو زد لاف
از راہ کرم بدار معذور

☆

در مقام قاب قوسینت خدا کردہ سلام
تو رسایندی سلام حق بامت یک بہ یک

☆

از خدایت رحمت و از تو شفاعت روز حشر
در نجات عاصیان امت تو نیست شک

حضرت معین الدین چشتیؒ (۱۱۴۱۔۱۲۳۶ء) کے بارے میں مصنف نے بتایا ہے کہ ہندوستان میں تبلیغ دین متین کے سلسلے میں حضرت معین الدین چشتیؒ نے پچاس سال میں یہاں کی زبانیں بھی سیکھیں اور رسوم و رواج کا بھی مطالعہ کیا اور ہندی تہذیب میں، موسیقی کی اہمیت کے پیش نظر سماع کو اسلامی سانچے میں ڈھال کر اپنے سلسلے میں رائج کیا۔ لیکن ساتھ ہی پروفیسر صاحب نے اس بات کی طرف بھی دھیان دلایا ہے کہ ''سماع'' اس وقت کی اہم ضرورت تھی اور یہ کہ ہر بوالہوس کے واسطے اسے خود بزرگوں نے جائز قرار نہیں دیا ہے۔

حضرت معین الدین چشتیؒ کی نعتیہ شاعری کا انتخاب بھی ہے، جس کی ایک جھلک ملاحظہ ہو:

یارسول اللہ شفاعت از تو میدارم امید
باوجود صد ہزاراں جرم در روز حساب
اندراں روزے کہ بہر انتقام عاصیاں
آتش دوزخ بر افروزد علم از التہاب
در خیال من نمی گنجد تمنائے بہشت
دارم از فضلت امید رستگاری از عذاب

اس کلام پر مصنف کا تبصرہ بھی ملاحظہ فرما لیجیے... ''حضرت معین الدین چشتیؒ کی طبعی موزونیت، فکری پاکیزگی اور شعری جمال، تصوف ہی کا فیض ہے۔ ان کا کلام اللہ تعالیٰ کی رضا

کے حصول کی ایک شاعرانہ تمنا ہے، یہی ان کے دل کی دھڑکن ہے، یہی ان کی نگاہوں کی تمنا ہے، یہی ان کی روح کی لرزش ہے اور یہی ان کے سلگتے مصرعوں کی پکار ہے اور نعت رسول پاک ﷺ اس تمنا، اس لرزش اور اس پکار کی تکمیل کا واحد ذریعہ ہے۔" (ص ۶۳)

شیخ سعدی شیرازیؒ (۱۱۸۴۔۱۲۹۲ء) کے احوال بھی لکھے ہیں اور شاعری کے نمونے بھی دیئے ہیں۔ ایک نعت:

چہ وصف کند سعدیؒ ناتمام
علیک الصلوٰۃ اے نبی (ﷺ) السلام

کے ضمن میں لکھتے ہیں "درج بالا سلام میں بعض امور محل نظر ہیں۔ غالباً ایسی ہی باتوں کے پیش نظر شبلی نے شعر العجم میں اس امر پر حیرت کا اظہار کیا ہے کہ ابن جوزی کی شاگردی کے باوجود سعدیؒ کے قلم سے بعض ایسی احادیث کا ذکر ہوا ہے جو اہل تحقیق کے نزدیک موضوعات میں سے ہیں۔" (ص ۷۲) اس طرح مصنف نے اپنی تاریخی باخبری اور دینی آگہی کے ساتھ ساتھ مضامین نعت کی تنقید، تنقیح اور چھان پھٹک پر زور دیا ہے۔

حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ (۱۱۸۶ء۔۱۲۳۶ء) کے احوال و اشغال کے سلسلے میں وہ واقعہ بھی مذکور ہوا ہے کہ آپؒ کا وصال حضرت احمد جامؒ کا شعر سماعت کرتے ہوئے قوالی کے دوران ہوا تھا۔ حضرت احمد جامؒ کا شعر ہے:

کشتگانِ خنجر تسلیم را
ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

(یہ شعر حضرت احمد جامؒ کے تذکرے میں نقل کیا جا چکا ہے) اور آپؒ کی وصیت کے پورا کرنے کی غرض سے سلطان التمش نے آپؒ کی نماز جنازہ پڑھائی تھی۔ نمونۂ کلام میں بہت سے اشعار اور نعتیہ غزلیں نقل کی گئی ہیں۔ دو شعر تبرکاً یہاں درج کیے جاتے ہیں:

یا محمد (ﷺ) مہر و مہ را نور چوں روئی تو نیست
کور بادا آنکہ او چشم دل سوئی تو نیست
یا محمد (ﷺ) ہر کسی را کعبہ جائے دیگر است
قطبِ دیں را کعبۂ مقصود جز کوئی تو نیست

حضرت بو علی قلندرؒ (۱۲۰۵ء۔۱۳۲۴ء) کی حیات مقدسہ کے حوالے سے لکھتے ہوئے

ان کی شاعری پر جب آتے ہیں تو مصنف علام بڑے خوب صورت انداز میں یہ نکتہ بیان کرتے ہیں... ''جب کوئی صاحب تصوف، شعر کی وادی میں قدم رکھتا ہے تو اس کا ہر شعر حقیقت کا پرتو اور پاکیزگی کی تصویر بن کر قاری کے دل میں اتر جاتا ہے۔'' (ص۱۰۲) ظاہر ہے یہ جملہ حضرت بوعلی قلندر کی شعریات (Poetics) پر پورے طور سے صادق آتا ہے۔ آپؒ کا ایک شعر ملاحظہ ہو:

غیر صلوٰت و سلام و نعت تو
بوعلی را نیست ذکر دل نشیں

اسی تسلسل میں مولانا جلال الدین رومیؒ (۱۲۰۷ء-۱۲۷۳ء) اور مولانا نور الدین جامیؒ (۱۴۱۴ء-۱۴۹۲ء) کے احوال و آثار کے ساتھ ان کی شاعری پر لکھا ہے۔ یہ دونوں بزرگ شعری دنیا میں اتنے معروف ہیں کہ ان پر دو چار فقروں میں بات کرنا ان کے شاعرانہ مرتبے سے فروتر بات ہوگی، لہٰذا اصل کتاب سے رجوع کیجیے۔

حضرت امداد اللہ مہاجر مکیؒ (۱۸۱۸ء-۱۸۹۹ء) کے تذکرے میں لکھا ہے ''آپ کی عظمت کا اندازہ اس امر سے ہوتا ہے کہ آپ کے خلفائے کرام میں ایسی ایسی نادر شخصیات موجود ہیں جن کی محراب عظمت میں تاریخ دعوت و عزیمت جھکتی اور جن کے حضور میں عفت قلب و نظر دو زانو نظر آتی ہے۔ مولانا رشید احمد گنگوہی سے لے کر مولانا قاسم نانوتوی تک۔ شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی سے لے کر مولانا اشرف علی تھانویؒ تک اور مولانا سید مہر علی شاہ گولڑویؒ سے لے کر مولانا سید حسین احمد مدنیؒ تک، سپہر دین و دانش کے کتنے ہی ماہتاب ہیں، جنھوں نے ذہن و دل کی فضاؤں کو اس مہر ضیا پاش سے منور کیا۔'' (ص ۱۹۱) اس طرح یہ معلوم ہوا کہ حضرت مہر علی شاہ صاحبؒ بھی علمائے دیوبند کے پیر بھائی تھے۔ اور پیر صاحب حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کا مسلک بھی پروفیسر صاحب نے ہفت مسئلہ کی سند کے ساتھ نقل فرمایا ہے... ''☆حق یہ ہے کہ زیارت مقابر انفراداً و اجتماعاً دونوں طرح جائز اور ایصال ثواب، قرأت و طعام بھی جائز اور تعیین بہ مصلحت بھی جائز، سب مل کر بھی جائز رہا۔ ☆مشرب فقیر کا اس امر میں یہ ہے کہ ہر سال اپنے پیر و مرشد کی روح مبارک کو ایصال ثواب کرتا ہوں، اوّل قرآن خوانی ہوتی ہے اور گاہ گاہ اگر وقت میں وسعت ہوئی تو مولود پڑھا جاتا ہے، پھر ماحضر کھانا کھلایا جاتا ہے اور اس کا ثواب بخش دیا جاتا ہے۔'' (ص۱۹۳)

یہ وہ مسائل ہیں جنھوں نے بلاوجہ ذہنوں کو اُلجھا رکھا ہے اور امت میں افتراق کی صورت پیدا کر رکھی ہے۔ نمونہ کلام:

ہے بلبلِ دل شائق گلروئے پیمبر (ﷺ)
بے دیکھے نہ ٹھہرے گا یہ مضطر کسی صورت
دل میں کافی ہے خیالِ رخِ انور تیرا
شمع و مصباح کی اس گھر میں ہے تنویر عبث
مدینہ کعبہ صفت محترم ز عالم شد
ز افتخار قیامِ تو یارسول اللہ (ﷺ)

اقبال جاوید صاحب لکھتے ہیں "آپؒ نے نعت میں جو کچھ لکھا وہ رسمی تکلفات سے مبرا ہے۔ حالاں کہ ان کے دور میں ہر کتاب کے آغاز کے لیے حمد و نعت رسماً کہی جاتی تھی مگر آپ نے شعر و سخن کی دنیا میں نعت کو ایک مستقل حیثیت سے اختیار بھی کیا اور پیش بھی کیا۔" (ص۲۰۳)

حضرت احمد رضا خاںؒ (۱۸۵۶ء۔۱۹۲۱ء) کے کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں "حضرت رضا کی نعت گوئی میں، عشق کی وارفتگی، احترام کا دامن تھام کر چلتی ہے۔ شعر کی جمالیاتی دل پذیری، احتیاط کی انگلی پکڑ کر رواں دواں نظر آتی ہے۔ ان کا علمی تبحر، دینی آگہی، قرآنی بصیرت اور روحانی گداز ایک دل آویز سلیقے کے ساتھ شعر کے سانچے میں ڈھلتا چلا جاتا ہے۔ ان کے ہاں علم و شعور اور جذب و جنوں کا ایک خوب صورت امتزاج ہے۔ الفاظ و تراکیب کی فاضلانہ جلوہ گری بھی ہے، طویل بحروں میں عالمانہ افکار کا پرشکوہ اظہار بھی جا بہ جا ملتا ہے اور مختصر بحروں میں ایک والہانہ بے ساختگی بھی موجود ہے۔" (ص۲۲۸) رضاؒ بریلوی کے کلام پر یہ تبصرہ پروفیسر صاحب کی شعری جمالیات سے آگاہی اور ان کے شعری آدرش کی بھرپور عکاسی کر رہا ہے۔ کتاب کے بیس صفحات حضرت احمد رضاؒ کے کلام کے انتخاب کے لیے مختص کیے گئے ہیں۔ آپؒ کے کلام کا کیا نمونہ پیش کیا جائے، سلام کے دو شعر ہی کافی ہیں:

جس طرف اُٹھ گئی دم میں دم آ گیا
اس نگاہ عنایت پہ لاکھوں سلام!
وہ دہن جس کی ہر بات وحیِ خدا

چشمۂ علم و حکمت پہ لاکھوں سلام

حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ (۱۸۵۹ء۔۱۹۳۷ء) کا یہ شعر شہرۂ آفاق شعر ہے:

کتھے مہر علی کتھے تیری ثنا
گستاخ اکھیں کتھے جا اڑیاں

پروفیسر صاحب کا بیان ہے کہ ۱۸۹۰ء میں حضرت مہر علی شاہ فریضۂ حج ادا کرنے کے بعد وہیں قیام کا سوچ رہے تھے لیکن آپ کے مرشد حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے آپ کو فتنۂ قادیانیت کے ظہور کی پیشگی اطلاع دے کر آپ کو اس فتنے کے سدباب کے لیے واپس ہندوستان بھجوا دیا۔ حضرت مہر علی شاہؒ کے ملفوظات کے حوالے سے ایک مبارک خواب بھی سنایا ہے جس میں حضور ﷺ نے آپؒ سے فرمایا ''غلام احمد میری احادیث کو تاویل کی قینچی سے کتر رہا ہے، تم خاموش بیٹھے ہوا اس کا تعاقب اور تدارک کرو۔'' (ص ۲۷۱) ان واقعات سے حضرت مہر علی شاہ صاحبؒ کے روحانی مرتبے کا اندازہ بہ خوبی کیا جاسکتا ہے۔ آپؒ کے علمی مراتب کے اظہار کے لیے یہی بتا دینا کافی ہے کہ علامہ اقبالؒ نے شیخ اکبرؒ کے افکار کی وضاحت، حضرت ہی سے چاہی تھی۔ (ص۲۷۱) کلام سے تبرکاً دو شعر نقل کرتا ہوں:

ساربانان، مہربانا راہیا
شالا جیویں، خیر تھیوے ماہیا

☆

اکھیں جا انہاں پیاریاں دل جانیاں
گوڑھے نیناں والیاں مستانیاں

مصنف کہتے ہیں ''ساربان اور ناقے سے سوز دل میں ڈوبی ہوئی کیف افزا باتیں کرنا، اس ممدوح (ﷺ) بے مثال کے کمال جمال کا پتا دیتا ہے جس کی بارگاہ ناز عرش سے بھی نازک تر ہے اور جس کے دیار حسیں کے کانٹے گلاب و یاسمیں سے بھی زیادہ نازک اور ریشمی ہیں۔'' (ص۲۸۲)

قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ (۱۸۶۷ء۔۱۹۳۰ء) کے بارے میں مصنف نے بتایا ہے کہ وہ مسلکاً اہل حدیث تھے۔ انجمن اہل حدیث کے صدر بھی رہے۔ آپ کی وسیع القلبی کے حوالے سے لکھا ہے کہ جمعہ تو مسجد اہل حدیث میں ادا فرماتے تھے، لیکن درس قرآن محلے

کی مسجد حنفیہ میں دیتے تھے اور تمام نمازیں بھی وہیں پڑھتے تھے۔ مدینہ شریف میں امام مسجد نبوی نے خواب میں سرورِ کائنات ﷺ کا حکم پاکر، قاضی صاحبؒ کی جوتیاں سیدھی کیں۔ آپؒ کی تصنیف "رحمۃ للعالمین" کے صلے میں آپؒ کو عالم رویا میں حضرت قاسم نانوتوی کے توسل سے بارگاہ بے کس پناہ حضور ختمی مرتبت ﷺ کی خدمت میں حاضری کا شرف حاصل ہوا۔ "غایت المرام" لکھنے کے انعام میں حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کی خواب میں زیارت اور ان نفوس قدسیہ کی خوشنودی حاصل ہوئی۔ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ نے ہی آپؒ کو تین پیشین گوئیاں کرنے کا حکم دیا اور آپؒ نے مرزا غلام احمد قادیانی کو وہ تینوں پیشین گوئیاں لکھ کر بھجوادیں (۱) تمھیں حج نصیب نہیں ہوگا۔ (۲) تم سے اس کتاب (غایت المرام) کا جواب نہیں دیا جائے گا۔ (۳) تمھاری موت میری موت سے قبل ہوگی۔ (واضح رہے کہ میں نے تینوں جملوں میں آپ کا صیغہ تم سے بدل دیا ہے۔ ع۔ ا) جناب اقبال جاوید نے لکھا ہے "ان کی طرزِ تحریر، ادبی اور شاعرانہ ہوتے ہوئے بھی مبالغہ آفرینی سے پاک ہوتی تھی۔ نثر ہو یا نظم ان کا قلم احتیاط کے دامن کو تھامے رہتا تھا اور جب ذکر رسالت مآب ﷺ کا ہو تو اس کے لیے احتیاط، ادب اور سوجھ بوجھ اور بھی لازم ہوجاتی ہے۔ ارادت کے اپنے مقام بھی ہیں اور اپنے حدود بھی، حقیقت کو بڑھا کر، مبالغہ بنادینے کا نام عقیدت نہیں، بلکہ توہین آمیز بدعت ہے۔" (ص ۳۰۰) یہ بات پروفیسر صاحب کی قلمی اور علمی دیانت کی عکاس ہے۔ حضرت قاضی صاحب کے افکار عالیہ کے تذکرے میں پروفیسر صاحب نے بتایا ہے کہ قاضی صاحبؒ لفظ "عشق" کے ذریعے حضور ﷺ سے اپنے قلبی تعلق کو ظاہر کرنا معیوب جانتے تھے کیوں کہ "عشق" میں نفسانیت کا ظہور ہوتا ہے۔ قرآن و حدیث میں تعلق خاطر کے اظہار کے لیے لفظ "حب" استعمال ہوتا ہے اس لیے حضور ﷺ کے لیے "محبت" کہنا چاہیے۔ نمونہ شعر:

شان محمدی (ﷺ) سے اندھے ہیں اہل ظلمت
وہ نورِ حق ہے جس سے دارالسلام چمکا!
تعلیم مصطفیٰ (ﷺ) نے تجھ کو کیا منور
بختِ سیاہ تیرا اے عقلِ خام چمکا!
روحِ حیات سلیماںؔ حب نبی (ﷺ) ہے یارب
نورِ یقیں عطا کر فوق المرام چمکا!

قاضی صاحب کے روحانی ترفع اور توسل کے ساتھ ان کے اہل حدیث ہونے کا ذکر کرتے ہوئے بھی پروفیسر صاحب کی طرف سے انھیں بھرپور خراج عقیدت پیش کرنا اور احتراماً ان کا ذکر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ صاحب کتاب کا معیار انتخاب ''حب رسالت ﷺ'' کے سوا کچھ نہیں۔ اتحاد بین المسلمین کے لیے یہ جذبہ، یہ معروضی نکتۂ نظر اور یہ معیار انتخاب، قابل تحسین بھی ہے اور لائق تقلید بھی۔

حضرت بیدم وارثیؒ (۱۸۸۲ء۔۱۹۳۶ء) کے شعری سرمائے ''مصحف بیدم'' میں، پروفیسر صاحب کو صرف گیارہ نعتیں ملیں جن کا اجمالی جائزہ اور تجزیاتی تذکرہ انھوں نے کیا، وہ فرماتے ہیں ''گو یہ نعتیہ سرمایہ بہت مختصر ہے مگر یہ ان کی قلبی محبتوں اور روحانی لرزشوں کا آئینہ دار ہونے کے ساتھ ساتھ ان ادبی خصائص سے بھی بہرہ ور ہے جنھیں نہ اہل نظر، نظرانداز کرسکتے ہیں نہ تماشائی... یہ ممکن ہے کہ احتیاط کے تقاضوں نے نعت کے میدان میں ان کے قلم کو سر بہ گریباں اور خود انھیں انگشت بہ دنداں رکھا ہو اور انھیں حرف حرف سنبھلنا اور لفظ لفظ سوچنا پڑا ہو اور یوں بات مختصر رہ گئی ہو... بہرکیف یہ سرمایہ اس قابل ضرور ہے کہ نعت کی دنیا میں بیدؔم کو زندہ بھی رکھ سکے، ان کے مقام کا تعین بھی کراسکے اور ان کے لیے بہترین زادراہ بھی ثابت ہوسکے۔'' (ص ۳۴۰) احتیاط نعت کے ضمن میں پروفیسر صاحب نے متعدد مقامات پر بات کی ہے، اور اس بات پر زور دیا ہے کہ عہد حاضر کے شعرا اس احتیاط شعاری کی تقلید کریں۔ یہاں یہ نکتہ از خود پیدا ہوجاتا ہے کہ آج کے نعت گوشعرا میں سے کتنے ہوں گے جو ''حب رسول ﷺ'' کا وہ وفور اور وہ والہانہ پن حقیقی طور پر محسوس کرتے ہوں جو بیدم شاہ وارثیؒ یا دوسرے بزرگوں کے ہاں پایا جاتا ہے، اس کے باوجود اگر ان کے ہاں نعت نگاری میں کمیت (Quantity) کے بجائے کیفیت (Quality) کو ترجیح دینے کا رجحان پایا جاتا ہے تو اس کی کوئی خاص ہی وجہ ہوگی۔ آج کے نعت نگاروں کو اس نکتے پر خصوصی توجہ دینی چاہیے۔ بیدم شاہ وارثیؒ کے کلام سے تبرکا دو شعر نقل کیے جاتے ہیں:

عدم سے لائی ہے ہستی میں آرزوئے رسول (ﷺ)
کہاں کہاں لیے پھرتی ہے جستجوئے رسول (ﷺ)
تلاش نقش کف پائے مصطفیٰ (ﷺ) کی قسم
چنے ہیں آنکھوں سے ذرات خاک کوئے رسول (ﷺ)

خواجہ محمد یار فریدی چشتیؒ (۱۸۸۲ء۔۱۹۴۷ء) کے شعری کمال کا احوال، کتاب مذکور میں اس طرح رقم ہوا ہے "حضرت محمد یار فریدیؒ کی شاعرانہ تاب و تب، اہل دل اور اہل نظر کے لیے سرور و کیف اور رنگ و نور کی ایک کہکشاں ہے۔ فارسی، اردو اور سرائیکی، تینوں زبانوں میں ان کا اظہار عالمانہ، گرفت فن کارانہ اور آہنگ صوفیانہ ہے۔" (ص ۳۵۲) ایک اور جگہ لکھتے ہیں "جب ایک صوفی کو حق آگاہی کی سعادت نصیب ہوجاتی ہے تو پھر اس کے دل کی ہر دھڑکن اس وجود ذی جود ﷺ کے حضور میں سراپا سپاس ہوجاتی ہے۔ جس کے لطف عمیم کے بغیر انسانی شعور و آگہی کی ہر کوشش بے ہدف ہے۔ حضرت فریدیؒ کی بصارت کو جب بصیرت نصیب ہوئی تو وہ بے ساختہ اس نعت عظمیٰ کے لیے یوں سراپا تشکر نظر آتے ہیں: (ص ۳۶۰)

ارچہ بے کارم بکردم کار را
صد ہزار الحمد آں دلدار را
تا ثنا خوان محمد (ﷺ) گشتہ ام
رشک می آید بمن ابرار را!
گرچہ حساں عیستم سحبان نیم
مدح او شیریں کند گفتار را

جن کو یہ شدید احساس ہو کہ حضور ﷺ کی مدح گفتار کو شیریں کردیتی ہے، وہ کردار کے سنوارنے میں بھی ہمیشہ کوشاں رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان اہل دل کی نعت نگاری ان کے افکار کے ساتھ ساتھ ان کے اعمال حسنہ کی بھی عکاس ہوتی ہے اور اسی لیے ان کے اشعار دلوں میں ترازو ہوجاتے ہیں، بلکہ بیش تر تو ایسا ہوتا ہے کہ ان کی باتیں دلوں کو اس طرح منور کرتی ہیں کہ دلوں سے نکلنے والی روشنی سے ان کے اعمال بھی مستنیر ہوتے ہیں۔ نعت کہنے، نعت سننے اور نعت کی ترویج و اشاعت کا یہی مقصد وحید ہے، جو صوفیائے کرام کی نعتیہ شاعری سے ہمیشہ پور ہوتا رہا ہے اور ہمیشہ پورا ہوتا رہے گا۔ یہی تاثر ہے جو اس کتاب کے مطالعے سے لوح دل پر مرتسم ہوتا ہے۔

"تیرا وجود الکتاب" ایک ایسی کتاب ہے جو آج کے نعت نگاروں کے لیے مشعل راہ اور محرک اعمال صالحہ ہوسکتی ہے اور نیتوں میں اخلاص پیدا کرنے کا باعث بھی۔ سلسلۂ گفتگو

کا اختتام میں ان دو بزرگوں کے اشعار پر کرنا چاہتا ہوں جن کا مختصر ذکر بھی میں اس مطالعے کا حصہ نہیں بنا سکا...

در دل ہر اُمتی کز حق مزہ است
روئے و آواز پیمبرؐ معجزہ است

(ہر امتی کے دل میں جو حق کا ذوق ہے اس کے لیے حضورﷺ کا چہرۂ مبارک اور آواز مبارک معجزہ ہے کہ اس سے حق کا ذوق تازہ ہو جاتا ہے) مولانا جلال الدین رومیؒ۔

السلام اے آنکہ نابودم دریں محنت سرائی
در سرم سودا و در جام تمنائی تو بود

(سلام آپ (ﷺ) پر کہ جب اس دنیا میں میرا نام ونشان بھی نہ تھا، اس وقت بھی میرے سر میں آپ ﷺ کا سودا اور میرے دل میں صرف آپ ﷺ کی آرزو تھی) مولانا نور الدین جامیؒ۔

☆
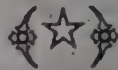
قصر بلند یعنی مطالعۂ قرآن

مصنف: امام اکبر آبادی

ناشر

آفتاب اکیڈمی

عدنان منزل، ۴۲۴۔ پی آئی بی کالونی، کراچی

غفور شاہ قاسم۔ میانوالی

”دلیلِ آفتاب“ نعتیہ سمت نما

سورج روزانہ مشرقی افق سے طلوع ہوتا روشنی اور حرارت کی سوغاتیں بانٹتا دن کے اختتام پر مغربی افق کے دامن میں غروب ہوجاتا ہے۔ اس کی فیض رسانی سے کسے انکار ہوسکتا ہے کہ ساری دنیا اس کے وجود سے متمتع ہورہی ہے، اسی طرح کچھ روشنی چکاں لوگ زمین کا سورج ہوتے ہیں ان کا وجود زمین اور اہل زمین کے لیے روشنی اور رحمت کا سرچشمہ ہوتا ہے یہ ایسے لوگ ہوتے ہیں جن کی ذات کے سورج کی تابانی، ضو فشانی اور فیض رسانی، زمان و دمکاں سے ماورا، وقت اور مقام کی قید سے ناآشنا ہوتی ہے، ایسے لوگوں کا شمار ان نابغۂ عصر شخصیات میں ہوتا ہے جو اپنے عہد کے بجائے تاریخ میں زندہ رہتے ہیں، وہ بندۂ امروز نہیں فردفردا ہوتے ہیں، ان کی غیر معمولی کاوشوں کا مہرنیم روز کبھی غروب نہیں ہوتا۔ علم کے اُفق پر ہمیشہ جگمگاتا رہتا ہے۔ وہ اپنے ذرۂ ہستی میں ایک ایک صحرا اور اپنے وجود میں ایک بے کنار سمندر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اسم بامسمّٰی ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی (شہید) بھی نقد و تحقیق نعت میں ایک آفتاب تھے، جس کی تابانی ان کی نگارشات کی صورت زندہ ہے انھوں نے محض تحریر کے ذوق کی تسکین کے لیے نہیں مجرد، قلبی طمانیت اور خالصتاً ادائے فرض کے احساس سے تحریک پاتے ہوئے ستائش اور صلے کی تمنا سے بے نیاز ہوکر نعت کی تحقیق کو اپنا تشخص اور تخصص بنالیا۔ نعت کی تحقیق، تدوین اور تنقید ان کی ذات کا مستحکم حوالہ اور شناخت ہے انھوں نے اپنی پوری زندگی نعتیہ ادب کی توسیع و فروغ کے لیے وقف کردی یہی ان کی تعریف اور تعارف ہے، یہی ان کا امتیاز اور وقار ہے، یہی ان کی سعادت اور یہی ان کی عبادت ہے۔ ریاض حسین چوہدری کے اس شعر کا ان کی ذات پر بہ خوبی اطلاق کیا جاسکتا ہے۔

مجھے خود اپنے تشخص کی کیا ضرورت ہے
ترا حوالہ ہی سب سے بڑا حوالہ ہے

گورنمنٹ کالج شاہدرہ لاہور کے میگزین ''اوج'' کے ضخیم نعت نمبر (۲ جلدیں) سے لے کر پنجابی نعت پر پی ایچ ڈی کے مقالے تک انھوں نے نعتیہ ادب کی تحقیق و توسیع میں جو شمعیں فروزاں کی ہیں، ان کی روشنی کبھی ماند نہیں پڑے گی۔

ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی کی پانچویں برسی کے موقع پر ان کے لکھے سیرت، حمد اور نعت کے وقیع مضامین کی تدوین و تسوید بہ صورت ''دلیل آفتاب'' ایک اہم علمی کارنامہ ہے جسے ان کے صاحب علم و ذوق برادر اصغر عمران نقوی نے سرانجام دیا ہے۔ پانچ سو پندرہ صفحات پر مشتمل اس کتاب میں ان کی اقلیم فکر کے شاہکار نعتیہ مطالعات کو حصہ اوّل اور دوم کے زیرعنوان یک جا کردیا گیا ہے۔ حصہ اوّل میں جو موضوعات ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی کے راہ وار قلم کی جولان گاہ بنے ہیں ان میں نعت... تمہیدی مباحث، محرکات نعت، فن نعت نگاری (لوازمات)، قرآن حکیم میں نعت رسول ﷺ کا انداز، حدیث رسول ﷺ میں نعت کا انداز، سیرت نگاری... ایک جائزہ، الہامی کتب میں بیان سیرت، اردو نعت، آغاز سے لمحۂ موجود تک، برصغیر میں فارسی نعت، تخلیق پاکستان اور ہماری نعتیہ شاعری، غیرمسلم شعرا... سرور کائنات کی بارگاہ میں، پنجابی شاعری میں نعت کا ارتقا، پنجابی نعت میں مدینۃ الرسول کا ذکر اور چند مزید نعت نمبر شامل ہیں اور حصہ دوم میں بائیس انفرادی مطالعات نعت پیش کیے گئے ہیں۔ ان متنوع موضوعات پر لکھتے ہوئے انھوں نے حمد، نعت اور سیرت کی مختلف جہتوں کو اجاگر کیا ہے۔ ہر مضمون اور مقالے میں احساس تکمیل پسندی نمایاں ہے، ان مضامین اور مقالات کا مطالعہ کیجیے، لفظ لفظ سے رس ٹپکتا ہے اور فقرے فقرے سے روح کو تقویت ملتی ہے، نعت... تمہیدی مباحث ایک جامع تحقیقی کاوش ہے، جس میں لفظ نعت کے جملہ مفاہیم کی توضیح و تشریح کے علاوہ ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی نے عربی، فارسی اور پنجابی زبان میں لفظ نعت کے معانی کا کھوج لگایا ہے قرآن و سنت میں لفظ نعت، حضور ﷺ کی صفت کے لیے لفظ نعت کا پہلی مرتبہ استعمال اور نعت کا اصطلاحی مفہوم، جیسے تنوع پر تحقیق اس تحقیقی مقالے کی اہم خصوصیت ہے' حصہ اول کے دوسرے تحقیقی مضمون کا عنوان محرکات نعت ہے۔ نعت گوئی کیوں کی جاتی ہے اور شاعر نعت لکھنے پر کیوں مجبور ہوتا ہے؟ اس مضمون میں انھیں محرکات پر روشنی ڈالی گئی ہے'

ان کے نزدیک بجا طور پر نعت گوئی کا پہلا محرک جذبہ اصل میں قرآن پاک میں وہ خاص انداز ہے جس میں اس نے اپنے محبوب پاک ﷺ کی تعریف کی ہے، نعت رسول ﷺ کا دوسرا محرک جذبہ عشق رسول ﷺ ہے۔ اسی طرح اظہار عقیدت، اطاعت رسول ﷺ، تبلیغ دین، ذکر رسول ﷺ کو عام کرنے کی خواہش، نعت وسیلۂ برکت، روضۂ رسول ﷺ پر حاضری کی خواہش اور نعت کی مقبولیت نعت گوئی کے دوسرے اہم محرکات ہیں۔ اس حصے کا تیسرا مقالہ فن نعت نگاری (لوازمات) کے زیرعنوان تحریر کیا گیا ہے۔ فاضل محقق نے عشق رسول ﷺ، قرآن و حدیث کا مطالعہ، آداب و احترام میں مضامین نعت، حقیقت نگاری، طریقۂ اظہار، انداز خطاب، شاعر کی سیرت رسول ﷺ پر نظر، تعلیمات رسالت سے واقفیت، مقصد بعثت سے آگہی، دینی علوم میں پختگی، تزکیۂ باطن اور نظر کی پاکیزگی، روح کی طہارت، خیال و عقیدے کی پختگی، واقعات کی صحت اور صداقت، زبان و بیان پر عبور، دل و دماغ کی بیداری اور سوز و گداز کی ضرورت کو لوازمات نعت قرار دیا ہے۔ چوتھے تحقیقی مضمون ''قرآن حکیم میں نعت رسول ﷺ کا انداز'' میں وہ رقم طراز ہیں کہ خداوند قدوس کے اس آخری آسمانی صحیفے کا جب اس نہج پر مطالعہ کرتے ہیں تو یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ یہ مضمون اتنا آسان بھی نہیں، جتنا عام طور پر لوگ خیال کرتے ہیں اس تمہید کے بعد انھوں نے اس موضوع کی تمام تر گہرائیوں اور وسعتوں کا نہایت عمدگی سے احاطہ کیا ہے۔ اس کے بعد اگلے تحقیقی مطالعے کا عنوان ''حدیث رسول ﷺ میں نعت کا انداز'' ہے، وہ لکھتے ہیں ''رسول اللہ ﷺ کی نعت کے مآخذات میں حدیث رسول ﷺ کو بڑا بلند مقام حاصل ہے، جس کو قرآن کے مقابلے میں تو پیش نہیں کیا جاسکتا لیکن قرآن کریم کی بعض آیات کی تشریح کے حوالے کے ساتھ اس کا مقام کم بھی نہیں ہے، قرآن حکیم میں جہاں اشارے سے بات سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے یا بہت زیادہ اختصار سے کام لیا گیا ہے، وہاں حدیث ہی شرح اور تفصیل پیش کرکے لوگوں کی رہنمائی کا فرض ادا کرتی ہے، محدثین نے اپنی حدیث کی کتب میں مناقب النبی ﷺ کے عنوان کے تحت ایک علاحدہ باب باندھا ہے جس میں آپ ﷺ کی بے شمار عظمتوں کا بیان ہے، اس کتاب کے شمولات میں ''سیرت نگاری... ایک جائزہ'' بھی نہایت اہم تحقیقی کاوش ہے، کتاب کے مندرجات میں دوسرے مقالات بھی نہایت معلومات افزا نگارشات ہیں۔ کتاب کے حصہ دوم میں شامل مضامین ممتاز اور نمایاں نعت گو شعرا کے انفرادی مطالعات پر مبنی ہیں۔ ان شعرا میں

مولانا احمد رضا خان بریلویؒ، مولانا حسن رضا بریلویؒ، مولانا ظفر علی خاں، حفیظ جالندھری، حفیظ تائب، محمد یار فریدی، ماہر القادری، طفیل ہوشیارپوری، حضرت امین نقوی، یزدانی جالندھری، قمر یزدانی، صوفی محمد افضل فقیر، ع س مسلم، محمد علی ظہوری، ریاض حسین چوہدری، ذکی قریشی، طفیل دارا، شوکت ہاشمی، پیرزادہ حمید صابری اور ندیم نیازی کے نام شامل ہیں۔ ہر مضمون میں شاعر کے شعروں کے حوالے سے اس کے رنگ مدحت اور اسلوب سخن کی اہم خصوصیات سے متعارف کرایا گیا ہے، ان مضامین کے مطالعے سے نعتیہ ادب کے طالب علم کے سامنے نعتیہ شعری منظرنامہ واضح ہوکر آجاتا ہے۔ ان مضامین میں مدحت مصطفیٰ ﷺ کے بہت سے پہلو روشن اور نمایاں ہوتے چلے گئے ہیں، کتاب کے فلیپ پر عطاء الحق قاسمی اور ڈاکٹر انور سدید کی آرا درج ہیں۔ عصر حاضر کے عظیم نعت گو حفیظ تائب نے پیشوائی کے عنوان سے اس کا پیش لفظ تحریر فرمایا ہے۔

وہ لکھتے ہیں:

> یہ کتاب شہید ڈاکٹر صاحب کی وسعت نظر، کشادگیٔ دل اور بے پایاں عقیدتوں کی شاہد ہے۔ انھوں نے یہ مضامین کسی باقاعدہ منصوبے کے تحت نہیں لکھے تھے، پھر بھی ان سے اردو حمد و نعت کی تحقیق و تنقید میں ایک نیا اور روشن باب کھلتا ہے۔ اہل نظر ان مطالعات کو معیاری اور جہت نما پائیں گے، مقالات کی فہرست پہ نظر ڈالنے سے کتاب کی افادیت اور اہمیت کا بہ خوبی اندازہ ہوجاتا ہے، اسے میری تحسین کی ہرگز احتیاج نہیں کہ یہ خود ''دلیل آفتاب'' بن کر ادب کے اُفق پر طلوع ہورہی ہے۔''

معروف صحافی اور قلم کار سیّد ارشاد احمد عارف نے ''آفتاب آمد'' کے زیرعنوان ڈاکٹر آفتاب نقوی کا نہایت عمدہ تعارفیہ قلم بند فرمایا ہے۔

''جہد مسلسل اور آثار قلم کی روشنی'' عمدہ نعت گو ریاض حسین چودھری کی نگارش کا موضوع ہے۔ انھوں نے بھی اس مضمون میں ہمیں آفتاب احمد نقوی کی شخصیت کی مختلف جہات سے روشنا کرایا ہے۔ اس کتاب میں شامل ''اک دھوپ تھی کہ ساتھ گئی آفتاب کے'' عمران نقوی کی مرثیہ نما آزاد نظم ہے، جسے بے چشم نم کوئی نہیں پڑھ سکتا۔ کتاب کے ناشر زبیر احمد

نے کتاب کی معنوی خوبیوں کو صوری آراستگی سے دوچند کر دیا ہے۔

ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی (شہید) نے اپنی چوالیس سالہ حیات مستعار میں نعت کے جن فکری اور فنی پہلوؤں پر مضامین سپرد قرطاس کیے ان کے کارگزار بھائی عمران نقوی نے انھیں کاغذی پیراہن پہنادیا ہے۔ ان قیمتی نوادرات کو کتابی صورت دے کر عمران نقوی نے نہایت قابل تحسین کام سرانجام دیا ہے۔ بلامبالغہ نعتیہ ادب کے مبتدی سے لے کر منتہی تک کوئی بھی متعلم اس کتاب سے صرف نظر نہیں کرسکتا، یہ ایک حوالہ جاتی دستاویز ہے جسے ہر گھر اور ہر ادارے کی لائبریری میں موجود ہونا چاہیے۔
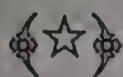
☆

تقدیسِ قلم / رشید ساقی

کلاسیکی شاعری میں لفظ لغت کے مفاہیم کے پابند اور ان کے استعمالات روایت کے دھارے کے عین مطابق ہوتے ہیں۔ یہ کام ایسے ہی شعرا سے نبھ سکتا ہے جو روایت آگاہ بھی ہوں اور کلاسیکی مزاج بھی رکھتے ہوں، کیوں کہ یہ کام بڑا پتا ماری کا کام ہے۔ روایت سے آگاہ ہونے اور کلاسیکی مزاج بنانے کے لیے کم از کم اس زبان کے معتدبہ شعری سرمائے کو تو بالاستیعاب پڑھنا ہی پڑتا ہے اور یہی کام ہے جو آج کے بیش تر شاعر نہیں کرتے ہیں۔ لیکن یہ کوئی کلیہ نہیں ہے۔ ظاہر ہے ایسے اصحاب علم بھی موجود ہیں جن کی جنبش قلم کے رُخ کو دیکھ کر حضرت احمد رضا خانؒ کا مصرع یاد آجاتا ہے:

جس سمت چل دیے ہیں سکے جما دیے ہیں

رشید ساقی صاحب کا مجموعۂ نعت دیکھ کر کچھ ایسا ہی تاثر دل نے قبول کیا۔ ان کی شاعری میں کلاسیکی رچاؤ ہے، مشق سخن کے شواہد ہیں اور روایت آگاہی کے آثار بھی۔ ظاہر ہے ان سہ گانہ عوامل نے ساقی صاحب کی شاعری میں ایک قسم کی اعلیٰ سنجیدگی (higer seriousness) پیدا کر دی ہے۔ اس کے ساتھ ہی موضوع یعنی نعت سرور کونینﷺ کے ابعاد اور حدود کی آگاہی نے ساقی صاحب کی نعتوں کو اسلوب کے ساتھ ساتھ مضمون، متن اور مافیہ (content) کے حوالے سے بھی وقیع بنا دیا ہے۔ واقعتاً موصوف نے ''تقدیسِ قلم'' صرف کتاب کا نام ہی نہیں رکھا ہے بلکہ اپنے حرف حرف اور لفظ لفظ سے تقدیس قلم کو ملحوظ رکھنے کا ثبوت بھی فراہم کیا ہے۔ مشتے نمونہ از خروارے کے مصداق چند اشعار ملاحظہ ہوں:

ایک دُنیائے سکوں، ایک جہان اُمید
آپ (ﷺ) کے ذکر سے مل جاتا ہے کیا کیا مجھ کو

☆

تقلید اُن (ﷺ) کی منزلِ مقصود کی نوید
ظلمت میں روشنی کی بشارت ہے اُن (ﷺ) کی ذات

☆

آ سکے شانِ رسالت (ﷺ) مرے ادراک میں کیا
وسعتِ دہر سمائی ہے کفِ خاک میں کیا؟

☆

خلوت گہِ حرا میں خموشی کا پاسدار
قرآن کی زباں سرِ منبر مرا رسول (ﷺ)

☆

اُن (ﷺ) کا ہر عمل قرآں، اُن (ﷺ) کی ہر نظر عرفاں
اُن (ﷺ) کی ہر ادا میں ہے درس علم و حکمت کا

اس شاعری میں ایجاز کا اعجاز بھی ہے، صداقت بیان بھی ہے اور اظہار میں کلاسیکی مزاج کا سنجیدہ رکھ رکھاؤ بھی۔ ساقیؔ صاحب نے اپنی نعتیہ شاعری کے بارے میں یہ جو کہا ہے:

شیرینیٔ احساس ملی جس سے دلوں کو
اُس حرف صداقت کی حلاوت ہے مرے پاس

تو سچ کہا ہے۔ اللہ کرے کہ ان کا یہ تحفہ دربار رسول ﷺ سے قبولیت کا شرف حاصل کرلے، انھوں نے اپنا تحفہ پیش کرتے ہوئے خلوص سے کہا ہے:

ہے میری نعت عقیدت کا آئینہ ساقیؔ
یہ اک فقیر کا تحفہ ہے اک غنی (ﷺ) کے لیے

معروف شاعر اور نعت کے حوالے سے اختصاصی درک و شہرت رکھنے والے موضوع شناس عالم جناب بشیر حسین ناظمؔ صاحب نے رشید ساقیؔ کی نعت گوئی، پر ایک مختصر مگر جامع تعارفی تحریر لکھی ہے۔

کتاب حسن معنوی کے ساتھ ساتھ حسن صوری کے اعتبار سے بھی پرکشش ہے۔ نہایت دیدہ زیب اور سادہ و پروقار گردپوش، مضبوط جلد، بہت اچھا کاغذ اور نفیس طباعت۔ ۲۸۸ صفحات کی یہ کتاب، مکان نمبر ۱۳۹، گلی نمبر ۱۵، چکلالہ ہاؤسنگ اسکیم نمبر ۳، راولپنڈی کے پتے سے حاصل کی جاسکتی ہے۔ کتاب پر قیمت درج نہیں ہے۔

(عزیز احسن)

وظیفہ / سیّد عاصم گیلانی

نعتیہ شاعری میں تین چیزوں کا ہونا لازمی ہے:

(۱) حب رسول ﷺ (۲) گداز قلب (۲) سلیقۂ اظہار۔

اور یہی تینوں چیزیں کم کم یکجا ہوتی ہیں... لیکن ہر کلیے میں کچھ استثنائی صورتیں ضرور ہوتی ہیں۔ عاصم گیلانی صاحب کی شاعری میں ان تینوں چیزوں کا حسین امتزاج محسوس ہوتا ہے۔ غزل کی ہیئت میں ویسے تو ہمارا ۸۵ فی صد شعری سرمایہ ہے، لیکن غزل کے مزاج آشنا شعرا کی تعداد دو تین فی صد سے زیادہ نہیں ہے۔ عاصم گیلانی غزل کے مزاج آشنا ہیں اس لیے غزل کی مقتضیات کا بھرپور خیال رکھتے ہیں۔ نعت میں غزل کے مزاج سے ہم آہنگ شعر کہا جائے تو اس کی ایمائیت، اشاریت اور مخصوص لہجے کے باعث شعریت کا خاص لطف آنے لگتا ہے اور یوں اس شاعری میں دلوں کو گرمانے اور آنکھوں کو نم کرنے کی خاصیت پیدا ہوجاتی ہے۔ ایسی شاعری کے ذریعے اگر کوئی پیغام بھی حوالۂ قرطاس کیا جائے تو وہ شاعری کے طور پر ہی قبول کیا جاتا ہے، لیکن ایسی شاعری جس کی قرأت سے شعر کے متن (text) کو معناً دل سے قبول کرنے اور عمل میں ڈھالنے کا داعیہ پیدا ہوجائے۔ شعر زندگی سے قریب تر ہو اور اس میں واضح پیغام بھی ہو اور وہ پیغام مقدس بھی ہو جو زندگی گزارنے کے لیے ناگزیر نصیحت کے طور پر پیش کیا جائے، لیکن اظہار میں شعریت نہ ہو تو وہ شعر پیغام کی ترسیل کے لیے ضرر رساں ہوتا ہے۔ الحمدللہ کہ عاصم گیلانی صاحب کی شاعری میں پیغام شعر کا جزو بن گیا ہے، مثلاً:

غلط کہ اُن (ﷺ) کا تعلق فقط عرب سے ہے
نبی (ﷺ) کے فیض دوامی کو ربط سب سے ہے

ہمارے دین میں یکساں ہیں ابیض و اسود
غرض سے نام سے ہم کو نہ کچھ نسب سے ہے!

مزہ تو جب ہے کہ کردار سے بھی ہو ثابت
عیاں جو بات مرے شجرۂ نسب سے ہے!

ان تینوں اشعار میں دین کا پیغام بھی ہے اور عمل کی ترغیب بھی، لیکن ان اشعار کی شعری قوت

سے پیغام میں بھی طرفگی پیدا ہوگئی ہے۔ ''وظیفہ'' میں اور بھی کئی مقامات پر یہ احساس ابھرتا ہے۔ ڈاکٹر وحید قریشی صاحب نے اپنے ''تاثرات'' میں شاعر کی craftsmanship کے کئی زاویے اور شعریت کی جہتیں دکھائی ہیں۔ وحیدالحسن ہاشمی کی تقدیم ''عاصم گیلانی اور فن نعت نگاری'' کے ذریعے بھی شاعر کے فن کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ ڈاکٹر ریاض مجید کی تقریظ سے بھی کلام کی قدر کا اندازہ ہوتا ہے۔ سعدیہ نورین نے ''اختتامیہ'' میں صاحب کتاب کی شعری لطافتوں اور فنی نزاکتوں کی طرف خصوصی دھیان دیا ہے۔ فلیپ پر جعفر بلوچ اور ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کی آرا دی گئی ہیں۔ ۱۲۸ صفحات پر مشتمل یہ مجلد کتاب سو روپے میں ''خزینۂ علم و ادب'' الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور سے حاصل کی جاسکتی ہے۔ کتاب کا ٹائٹل دیدہ زیب ہے۔ عاصم گیلانی کا یہ دوسرا نعتیہ مجموعہ ہے، پہلا ''وسیلہ'' تھا۔

(عزیز احسن)

بیاض نعتیہ / مولانا حامد حسن قادری

مولانا حامد حسن قادریؒ اردو دُنیا میں اپنی جلیل القدر تصنیف ''داستان تاریخ اردو'' کے حوالے سے معروف ہیں۔ اس کتاب کے بعد ان کی چودہ اور کتابیں شائع ہوچکی ہیں جن میں آخری کتاب ''بیاض نعتیہ'' ہے۔ اس کتاب کے کل صفحات ۶۲ ہیں لیکن آرٹ پیپر پر چھپنے اور ہر دوسرا صفحہ خالی چھوڑ دینے کی وجہ سے اچھی خاصی کتاب بن گئی ہے۔ مولانا مرحوم و مغفور قدیم شعری روایتوں کے امین تھے۔ اس لیے تاریخ گوئی میں بھی ماہر تھے، چناں چہ کتاب کا سن تصنیف انھوں نے ''بیاض نعتیہ'' یعنی ''نذر شاہ انام'' اور ''نذر نیاز کیش'' کے الفاظ سے نکالا تھا۔ ان مادوں سے ہجری سن ۱۳۴۸ھ سے برآمد ہوتا ہے۔

کتاب میں شیخ سعدیؒ کی معروف رباعی (یا قطعہ؟) کی تضمین کے علاوہ ''ذکر رسول (ﷺ)''، ''نور اسلام''، ''الہام کامل''، ''تین سلام''، ''صلوٰۃ و سلام''، ''السلام علیک یا امیرالمومنین''، ''سات نعتیہ غزلیں''، ''صلی اللہ علیہ وسلم'' اور ایک نظم ''حال دل'' یعنی کل اٹھارہ منظوم تخلیقات ہیں۔ ان منظومات میں تین سلام حضرت حسینؓ کی منقبت میں ہیں اور دو منقبتیں شیخین کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہما، یعنی حضرت سیّدنا ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر ابن خطابؓ کی شان میں ہیں۔ بقیہ تیرہ تخلیقات نعتیہ ہیں۔

قادری صاحب کی نعتوں کے مضامین میں اعتدال ہے۔ شیخینؓ کی منقبت بھی سندوں کے ساتھ ہے اور احتیاطِ روایت کی اچھی مثال بھی۔ لیکن سلاموں میں شاعر کا لہجہ اہلِ تسنن کے لہجے سے ذرا ہٹا ہوا لگتا ہے، جو ماحول کا اثر معلوم ہوتا ہے۔ مولانا کی نعتیہ شاعری میں مدینے پہنچنے کی آرزو اور شفاعت طلبی کا جذبہ موجزن ہے:

نکل ہند سے، چل، مدینے کو چل
یہاں دل ہے بکل، مدینے کو چل

☆

کریں وہ حشر میں جن عاصیوں پہ خاص کرم
اُنھی میں کاش مرا بھی شمول ہو جائے

آرٹ پیپر پر چھپی ہوئی یہ مجلد کتاب، قادری اکادمی، ۵۹۵۔اے گلشن اقبال، بلاک نمبر۳، کراچی سے صرف ۱۵۰ روپے میں حاصل کی جاسکتی ہے۔

(عزیز احسن)

جہانِ شوق / ابوبکر ناظم

زیرِ تبصرہ کتاب کے سرورق پر فارسی کا یہ شعر درج ہے:

مقامش عبدہ آمد و لیکن
جہانِ شوق را پروردگار است

دوسرے مصرعے سے ہی کتاب کا نام ''جہانِ شوق'' برآمد ہوا ہے۔ کتاب کا نام اور فارسی شعر کا انتخاب، صاحب کتاب کے علمی ذوق اور وفور شوق کا مظہر بھی ہے اور ان کی روایت آگاہی اور بزرگوں سے اکتساب فیض کا غماز بھی ہے۔

کتاب کے مطالعے سے اور امجد علی شاکر صاحب کی تقریظ سے مترشح ہوتا ہے (جس کی تصدیق سرورق کی تصویر سے بھی ہوتی ہے) کہ صاحب کتاب ابھی نوجوان ہیں۔ علم اور شوق فراواں تو ہے، لیکن کہیں، شعری بحروں کی نزاکتوں سے اغماز برتنے کا رجحان بھی ملتا ہے، مثلاً ان مصرعوں میں:

شرق و غرب ہیں تیرے قلم و لوح بھی تیرے

☆

ہے حطیم تیرا، مروہ، صفا، منیٰ تیرا

☆

کاغذ و قلم و دوات روشنائی باوضو

لیکن جہاں طبع موزوں کا مظاہرہ ہوا ہے وہاں شعر بھی خوب ہوا ہے، مثلاً:

چلچلاتی دُھوپ غم کی جب جلاتی ہے مجھے
ڈھانپ لیتی ہے مجھے فوراً ردائے مصطفیٰ (ﷺ)

☆

اب شعور زندگی جو عام ہے
آپ (ﷺ) کے لطف و کرم کی بات ہے

☆

حضور (ﷺ) کی نگاہ پاک کا کمال دیکھنا
عروج آشنا ہوا ہے ہر زوال دیکھنا
نفس نفس بشارتیں، قدم قدم سعادتیں
حضور (ﷺ) کے نہار دیکھنا، لیال دیکھنا

ایسے صاف ستھرے اور پاکیزہ اشعار دیکھ کر اُمید بندھتی ہے کہ ان شاء اللہ ابوبکر ناظم، اگر ذرا سنبھل کر شعر کہتے اور مشق کرتے رہے تو نعت کی دنیا میں کچھ ان مٹ نقوش قائم کرنے میں کامیاب ہوجائیں گے! کتاب میں ''عطائے آنحضور (ﷺ)'' کے عنوان سے جناب پروفیسر امجد علی شاکر، پرنسپل اسلامیہ ڈگری کالج، قصور کی تقدیم، جناب سیّد حسن نظامی شاہ اور جناب ایم اصغر علی چوہدری ایڈووکیٹ کی تقریظیں شامل ہیں۔فلیپ پر ریاض حسین چودھری کی جگمگاتی ہوئی تحریر ہے۔ ٹائٹل خوب صورت ہے، صفحات ۱۲۵ ہیں اور کتاب کا ہدیہ ۹۰ روپے ہے۔ قلندر بابا پبلی کیشنز، ۲ کورٹ اسٹریٹ، لاہور، سے طلب کی جاسکتی ہے۔

(عزیز احسن)

رحمت نور لم یزل / ضیا انصاری

ضیا انصاری کے بارے میں الیاس صدیقی نے ۲۳ ستمبر ۱۹۹۶ء کو لکھا کہ ضیا پہلے ''کامریڈ'' یعنی ترقی پسند تھے، پھر انھیں شاعری کرنے کا خیال آیا۔ یہ اطلاع دیتے ہوئے

انھوں نے علامہ شبلی نعمانی کا قطعہ بھی لکھا جس کا آخری مصرع تھا:

خدا کا شکر ہے یوں خاتمہ بالخیر ہونا تھا

اور کتاب چھپنے سے قبل ۵ رجون ۱۹۹۸ء کو ضیاء صاحب مرحوم ہوگئے۔ اس طرح شبلی کی بات ان پر صادق آتی ہے... کتاب چھپنے کی نوبت کہیں اکتوبر ۱۹۹۹ء میں آئی۔ کلام کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ضیا انصاری مرحوم کی مشق سخن بہت اچھی تھی۔ نعت میں انھوں نے بیش تر روایتی مضامین باندھے،، لیکن زبان کی سلاست اور بیان کی نفاست کے ساتھ۔ ان کے بعض اشعار میں فصاحت کے باعث زباں زد عام ہونے کی کیفیت بھی ہے، مثلاً:

تشنہ لبان حشر سے کہہ دو
ساقیٔ کوثر میرے نبی ﷺ ہیں

☆

میں ہوں اور اُن ﷺ کی یاد کی خوشبو
میری تنہائی کا جواب نہیں

☆

مجھ کو نسبت شہ دوسرٰی سے جو تھی
حشر کے دن وہی میرے کام آگئی

☆

آؤ کر لیں دلوں کو آئینہ
جشن میلاد سرور دیں ہے
میں غلام شہ ہدٰی ہوں ضیا
میری ٹھوکر میں تاج زرّیں ہے

اسی طرح اس مجموعے میں کچھ پابند نظمیں ہیں جو ضیاء صاحب کی قادرالکلامی پر دال ہیں۔ کتاب میں نعتوں کے علاوہ کچھ مناقب بھی ہیں۔ صحابہ کرامؓ کی محبت اور حب خانوادۂ رسول ﷺ کے شواہد بھی ہیں۔

کتاب میں الیاس صدیقی، نعیم ابن علیم، حسین گروجی اور عبدالعزیز انصاری کی تقاریظ اور رزاق انور دھولیوی، متین انور اور نعیم ابن علیم کے قطعات تاریخ ہیں۔ یہ غیرمجلد

کتاب مرحوم کے صاحب زادے کفیل احمد ابن ضیاء انصاری سے سو روپے میں حاصل کی جاسکتی ہے۔ پتا ہے: کفیل احمد محمد صدیق ضیاء انصاری، مادھوپورہ، گلی نمبر۱۴، پل کے پاس، دھولیہ ۴۲۴۰۰۱، مہاراشٹر، بھارت۔

(عزیز احسن)

روحِ کونین / عثمان ناؔعم

عثمان ناؔعم کی نعتیہ شاعری روایت آگاہی اور مضامین میں دوری، حضوری اور تعلیم رسول ﷺ سے انسلاک کی عکاس ہے۔ کسی پختہ کار شاعر کو ایسی بحروں کے استعمال کے حوالے سے بھی جانچا جاسکتا ہے جو اساتذۂ سخن نے استعمال کی ہیں، کیوں کہ ایسی بحروں میں کوئی صاف و شفاف شعر کہنا ذرا مشکل ہوتا ہے۔ عثمان ناؔعم کے ہاں مجھے غاؔلب کی زمینوں میں دو نعتیں نظر آئیں جن میں انھوں نے ایک ایک دو دو اچھے شعر نکالے ہیں، مثلاً:

شہ بحر و بر کا کرم دیکھتے ہیں
تصرف میں لوح و قلم دیکھتے ہیں
سبھی کچھ نہ کچھ دیکھتے ہیں جہاں میں
جو ہم دیکھتے ہیں وہ کم دیکھتے ہیں

☆

آپ کی غلامی نے معتبر کیا ہم کو
بخت ورنہ یاور تھا اس قدر کہاں اپنا
یہ خلا ملا کیا ہے بحر و بر کی گنتی کیا
دسترس میں ہے ناؔعم شہر لامکاں اپنا

فیض کی معروف زمین:

ہم پرورش لوح و قلم کرتے رہیں گے

میں ناعم کی نعت کے یہ اشعار دیکھیے:

عشق شہ کونین کی صہبا کی بدولت
ہر گاہ مداوائے الم کرتے رہیں گے

ناؔئم ہمہ دم ذکرِ محمد ﷺ سے جہاں میں
جینے کے سب اسباب بہم کرتے رہیں گے

یہ اشعار اپنے خالق کی افتادِ طبع، فکری رجحان اور شعری میلان کے عکاس ہیں۔ روحِ کونین میں نعتیہ شاعری کے لیے شاعر نے قدیم و جدید اصنافِ سخن کی کئی ہیئتوں کو اپنایا ہے۔ غزل، قطعہ، سانیٹ، نظم آزاد وغیرہ وغیرہ۔ اصنافِ سخن کا یہ تنوع بھی شاعر کی قادرالکلامی کا آئینہ دار ہے۔ قادرالکلامی کا ذکر آیا تو آتش کی زمین میں ناؔئم کا ایک شعر اور ملاحظہ فرمایئے:

مآلِ گلشنِ ہستی نظر میں تھا ناؔئم
ہم اور خاک تمنائے رنگ و بو کرتے

کتاب میں فارسی زبان میں بھی شاعری موجود ہے۔ جس سے ناؔئم صاحب کی فارسی کی کلاسیکی روایت سے دلچسپی ظاہر ہوتی ہے۔ آج کے زمانے میں فارسی کا مذاق زوال پذیر ہے، اس لیے ''روحِ کونین'' میں یہ شاعری دیکھ کر احساس ہوا کہ:

ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں

ناؔئم صاحب کی کتاب میں نعتیہ شاعری ایک ادبی شان سے جلوہ گر ہے اور اس کتاب سے شعری ذوق رکھنے والے اپنے اپنے ظرف و ذوق کے مطابق حبِ رسول ﷺ کی کسک محسوس کریں گے اور شاعری سے روحانی بالیدگی حاصل کریں گے۔ ''ناؔئم صاحب کی نسبت عالی'' کے عنوان سے رؤف امیر صاحب نے تقدیم لکھی ہے۔ مظفر وارثی، عابد نظامی، سیّد منظورالکونین، کرنل خالد محمود اور ملک محمد اسحاق وغیرہم نے تقاریظ لکھی ہیں۔ افتخار عارف نے فلیپ لکھا ہے۔ کتاب صوری اور معنوی دونوں اعتبارات سے لائق توجہ ہے۔ ۲۵۶ صفحات کی یہ مجلد کتاب،، واہ اسٹیشنری، اسلم مارکیٹ، واہ کینٹ سے صرف ۱۵۰ روپے میں حاصل کی جاسکتی ہے۔

(عزیز احسن)

نغمۂ روح / قادری رونقؔ بدایونی

سہل ممتنع ایسی شاعری کو کہتے ہیں جس کی زبان اُس سے زیادہ آسان اور سلیس نہ بنائی جاسکے جیسی شاعری میں استعمال ہوگئی ہے۔ ایسی شاعری میں کوئی فلسفہ، شعر کا متن بن

سکے یا نہیں، زبان زدعوام ہونے کی خوبی بہت ہوتی ہے۔ ضرب المثل بن جانے والے اشعار بھی بیش تر اسی صنعت یعنی سہل ممتنع میں ہوتے ہیں۔ نغمۂ روح کی شاعری بھی بیشتر سہل ممتنع میں ہے۔ اس شاعری میں سوز حب نبوی ﷺ بھی ہے اور یقین کی دولت بیدار بھی۔ تعلیمات رسول ﷺ سے استفادے کی آرزو بھی ہے اور اُس پر عمل کی معیاری سطح حاصل نہ کر سکنے پر ندامت بھی۔ اس کے علاوہ اس کتاب میں اُن نفوس قدسیہ کا تذکرہ بھی ہے جو اسوۂ نبوی ﷺ پر عمل کرتے کرتے خود نقش پا بن گئے۔ نعت سے منقبت کا رشتہ ایسا ہی ہے جیسے آفتاب سے ستاروں کی ضو کا تعلق۔ حضور اکرم ﷺ کی سیرت پاک کی روشنی صحابہ کرامؓ کو میسر آئی تو وہ سب نجوم بن گئے اور اب اُن کی روشنی صالحین اُمت میں جھلک رہی ہے۔ اس لیے آقائے نامدار محمد الرسول اللہ ﷺ کی مدحت کے ساتھ آپ ﷺ کی سیرت کے جوہر سے منور ہستیوں کا بھی تذکرہ کیا جائے تو اصل تعریف آقا ﷺ ہی کی ہوگی۔ اس کتاب میں رسول پاک کی مدحت کے ساتھ ساتھ صحابہ کرامؓ اور اولیائے عظامؒ کی منقبت بھی ہے۔ اب کچھ اشعار ملاحظہ فرمالیجیے:

جس کو خاک در مصطفےٰ ﷺ مل گئی
اُس کو دُنیا میں اب اور کیا چاہیے
چاہیے کوئی صدیقؓ سا راہبر
پھر عمرؓ سا کوئی حق نما چاہیے

☆

جہاں میں جو بھی انوار جہاں ہیں
وہ حسن مصطفیٰ ﷺ کی جھلکیاں ہیں

ایک رباعی ملاحظہ ہو:

افعال کو مصروف عبادت رکھنا
اقوال کو پابند صداقت رکھنا
بخشش کی یہی ایک ہے صورت رونق
اللہ کے محبوب ﷺ سے اُلفت رکھنا

☆

پختہ ہے اگر مومن کا یقیں کچھ اُن ﷺ کے کرم سے دُور نہیں
ہے دیر اشارا کرنے کی ہر موج کنارا ہو جائے

☆

کیوں چمکتے ہیں ستارے کیوں مہکتے ہیں گلاب
آج سمجھا گنبد خضرا کا منظر دیکھ کر

حافظ عبدالحمید محمد سالم القادری، علامہ حکیم انجم فوقی بدایونی اور قاضی الیاس رشید نے کتاب پر تقاریظ لکھی ہیں جب کہ کتاب کے مرتب جناب فیروز ظفر بدایونی نے ''مقدمہ'' لکھا ہے۔ ۱۲۸ صفحات پر مشتمل یہ مجلد کتاب صرف تیس روپے میں، رونق بدایونی، محلہ کمنگراں، بدایوں یا قاضی الیاس رشید، منڈی مسجد بدایوں (بھارت) سے حاصل کی جا سکتی ہے۔

(عزیز احسن)

تنویر/ حسین سحر

حسین سحر اردو اور پنجابی کے معروف قلم کار ہیں۔ ان کی اب تک سولہ کتابیں منصۂ شہود پر آ چکی ہیں۔ بچوں کے لیے نظمیں لکھنے پر انھیں رائٹرز گلڈ، بچوں ہی کے لیے سیرت النبی ﷺ ''پیارے رسول ﷺ'' پر قومی سیرت ایوارڈ اور حمد و نعت کے مجموعے ''تقدیس'' پر صدارتی ایوارڈ مل چکا ہے۔ زیر تبصرہ کتاب ۶ حمدوں، ۳۷۵ نعتوں مناقب اور ۸ سلاموں پر مشتمل ہے۔ نعتوں کے کچھ اشعار دیکھیے:

اُن ﷺ کے دربار میں جو ہوئی حاضری
بن گئی حاصل زندگی حاضری
میں تھا ڈوبا ہوا غم کے ظلمات میں
کر گئی ہر طرف روشنی حاضری

☆

ظلمت زندگی میں ضیاء چاہیے
بس مجھے آپ ﷺ کا نقش پا چاہیے

☆

کس طرح حاصل نہ ہو سوز یقین
دل اگر فاروقؓ اور صدیقؓ ہو

حسین سحر کی شاعری میں بیان کی شگفتگی اور خیال کی پاکیزگی نے شعری عمل کو جنم دیا ہے۔ ردیفوں میں طرفگی پیدا کرنے کی کوشش شعوری لگتی ہے، جو دبستان وارثیہ، کراچی کی تحریک ''ندرت ردیف'' کے زیراثر شعر کہنے سے ظاہر ہوتی ہے۔ خوشی اس بات کی ہے کہ حسین سحر صاحب نے بیشتر ردیفوں کو جزوِ شعر بنا دیا ہے۔ کتاب نگر حسن آرکیڈ، ملتان سے شائع ہونے والی اس مجلد کتاب کی قیمت ایک سو روپے ہے۔ صفحات ۱۲۸ ہیں۔

(عزیز احسن)

سوئے مصطفیٰ ﷺ / منیر قصوری

منیر قصوری نعت کی دُنیا میں بڑے مرتبے کے شاعر ہیں۔ کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ عربی، فارسی، اردو، پنجابی زبانوں پر عبور رکھتے ہیں۔ اس کتاب سے ظاہر ہوتا ہے کہ اب وہ فن کی دُنیا میں اعتماد اور نعت کی کائنات میں ایقان کی منزل تک آگئے ہیں، اسی لیے انھوں نے پوری کتاب میں نہ تو اپنے پچھلے کام کا کوئی حوالہ دیا اور نہ ہی نثر میں اپنا احوال قلمبند کیا۔ تقریظ، مقدمہ اور دیباچہ وغیرہ بھی کسی سے نہیں لکھوایا۔ حد ہے کہ فلیپ پر بھی کسی کی رائے دینے کے بجائے صرف اشعار دیے ہیں۔

منیر قصوری کی شاعری میں نعتیہ مضامین کہکشاں کی صورت جگمگاتے ہیں۔ ان کی شاعری میں کلاسیکی روایت کے ساتھ ساتھ مضامین نو کی تلاش اور جستجو کا تسلسل نظر آتا ہے۔ ان کے مزاج میں تغزل ہے اور زبان میں سلاست جس کے باعث ان کے اشعار رواں دواں بھی ہیں اور سوز اندروں کے آئینہ دار بھی۔ دیکھیے کس پیارے انداز سے ''حرف نعت'' پر اپنی آرزو کا عکس ڈالا ہے:

اہل مدینہ پر میں تجھے پیش کرسکوں
اے حرف نعت اور ذرا جاں گداز ہو

منیر قصوری کی شاعری میں مدینے کی محبت اور وہاں کی حاضری کی تڑپ کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ کہیں کہیں حضور اکرم ﷺ کے الطاف کریمانہ کے حوالے سے شخصی احوال

بھی جزوِ شعر بن گیا ہے، جس کو یقیناً شاعر نے تحدیثِ نعمت کے طور پر رقم کیا ہے:

ہر چند اُن ﷺ کی شان کے شایاں نہ تھی ثنا
پھر بھی وہ سن رہے تھے ثنا ازرہ کرم
خدمت گزار لوگوں کی اُن کو کمی نہ تھی
وہ مجھ کو دے رہے تھے صدا ازراہ کرم
اُن کی نگاہ لطف کے قابل نہیں تھا میں
وہ مہرباں ہوئے بخدا ازرہ کرم

اس کرم کے بعد شاعر پر جو کیفیت طاری ہونی چاہیے تھی وہ ہو کر رہی اور انھوں نے وہی کہا جو انھیں کہنا چاہیے تھا یعنی:

دیدارِ یک نظر کی شکایت نہیں مجھے
فیضانِ مختصر کی شکایت نہیں مجھے
جب میری ایک ایک دعا مستجاب ہے
محرومیٔ اثر کی شکایت نہیں مجھے
ہر نعت ہی زبان زد خاص و عام ہے
بے قدریٔ ہنر کی شکایت نہیں مجھے

منیر قصوری کی کتاب حسن معنوی کے ساتھ ساتھ حسن صوری کا بھی مرقع ہے۔ کتاب کا ٹائٹل دیدہ زیب ہے، جلد مضبوط ہے، کاغذ بھی سفید ہے، صفحات ۱۷۶ ہیں، لیکن ادبا قیمت درج نہیں کی گئی۔ کتاب بوصیریؒ منزل، فاروق اسٹریٹ، مقبول روڈ، اچھرہ، لاہور کے پتے سے حاصل کی جا سکتی ہے۔

عنایت علی خان (حیدر آباد)

وہ نبیٔ ملاحم ﷺ ☆۱ رسول وغا ﷺ ☆۲

ہاں وہ شمس الضحیٰ، ہاں وہ بدر الدجیٰ
سرور انبیا ﷺ مجتبیٰ مصطفےٰ ﷺ
رہبر و رہنما ﷺ، ہادیٔ کل جہاں
فاتح فاتحین حق کے پرچم کشا
جن کا اکناف عالم میں ڈنکا بجا
وہ نبیٔ ملاحم رسول ﷺ وغا ﷺ

وہ کہ عفو و عنایت کا پیکر بھی تھے
ہاں وہی عزم و ہمت کا مظہر بھی تھے
ہاں وہ بحر وغا کے شناور بھی تھے
ہاں وہ بے مثل سالار لشکر بھی تھے
جن کا بھرتے تھے دم وقت کے اشجعا
وہ نبیٔ ملاحم رسول ﷺ وغا ﷺ

فاتح خندق و بدر و خیبر تھے وہ
مظہر قوت رب اکبر تھے وہ
عرصۂ رزم میں کوہ پیکر تھے وہ
اشجع الناس تھے وہ دلاور تھے وہ
مظہر عظمت و قدرت کبریا
وہ نبیٔ ملاحم رسول ﷺ وغا ﷺ

☆۱۔ جنگیں
☆۲۔ میدان جنگ

خود کو کس منہ سے ان کا کہیں اُمتی
وہ دلاور ہمارا چلن بزدلی
راہ حق میں انھیں موت مرغوب تھی
ہم کو منظور طاغوت کی چاکری

کیا نہ ہوں گے وہ محشر میں ہم سے خفا
وہ نبیؐ ملاحم رسولﷺ وغاﷺ

کوسوا اور شیشان زخمی اُدھر
ارض کشمیر بھی نیم جاں ہے اِدھر
وارثان فلسطیں الگ در بدر
ہر جگہ حالِ اُمت زبوں سر بسر

بے وفائی کی ان سے ملی یہ سزا
وہ نبیؐ ملاحم رسولﷺ وغاﷺ

سحر انصاری (کراچی)

انبیاء میں سب سے افضل لازمان و لامکاں
تاجدار دین اکمل لازمان و لامکاں

خالق کن نے بتائے آپ کے اوصاف خاص
احمدﷺ و یٰسینﷺ و مرسلﷺ لازمان و لامکاں

کیا ملائک، کیا بشر، کرتا ہے سب کو معتبر
آپﷺ کا ذکر مسلسل، لازمان و لامکاں

زندگی کے تپتے صحرا کو ملے ہیں آپ سے
دل کے دل رحمت کے بادل لازمان و لامکاں

جو صحیفہ آپ پر نازل ہوا، دراصل ہے
مشکلات زیست کا حل لازمان و لامکاں

آپﷺ نے قائم کیا معیار توقیر وجود
صاحب خلق مکمل، لازمان و لامکاں

آپﷺ کا اسم گرامی ہے سحر کے واسطے
جزو ایمان مفصل لازماں و لامکاں

☆

جعفر بلوچ (لاہور)

میں اور نعتستانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
یہ بھی ہے احسانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

دُھندلا جائے ناممکن ہے، کجلا جائے ناممکن ہے
صبح بہارستانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

ہر عالم کو وہ ﷺ رحمت ہیں، فخر رسل مازاغ صفت ہیں
کیسے بیاں ہو شانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

سب انوارِ رشد و ہدیٰ ہیں، لوح و قلم ہیں، ارض و سما ہیں
اک زیرِ عنوانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

ہستی کی ہے آخری حد تک، صبحِ ازل سے شام ابد تک
سلسلۂ فیضانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

کیا ہے ضرورت تاویلوں کی، اپنے لیے ہے سب سے ضروری
تعمیل فرمانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

شرعِ مکمل سے ہے نمایاں، ختم نبوت سے ہے فروزاں
بعثت جاویدانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

پاکستان ابھی پھیلے گا،، اک دن دُنیا کا ہر خطہ
ہوگا پاکستانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

جعفرؔ اب تک ہے یہ حسرت، میری کوئی تو کوششِ مدحت
ہو شایانِ شانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

حاجی غلام علی (جہلم)

تو مطلع انوار حق تو باعث دیدار حق
صد مرحبا صد آفریں یارحمۃ للعالمیں ﷺ

تو پرتو حسنِ ازل تو بے نظیر و بے بدل
بعد از خدا تو برتریں یارحمۃ للعالمیں ﷺ

تو مظہر شان خدا تو ابتدا تو انتہا
تو بزم حق کا نازنیں یارحمۃ للعالمیں ﷺ

تو حاصل کون و مکاں تو خاتم پیغمبراں
تو نوبہار باغ دیں یارحمۃ للعالمیں ﷺ

موسیٰ تھا بلبل طور کی تو شمع بزم نور کی
وہ ہم سخن تو ہم نشیں یارحمۃ للعالمیں ﷺ

یوسف تھا محبوب پدر تو حق کا منظور نظر
وہ خوش لقا تو مہ جبیں یارحمۃ للعالمیں ﷺ

تو مصطفیٰ تو مجتبیٰ والی ہے تو لولاک کا
تو فخر دنیا فخر دیں یارحمۃ للعالمیں ﷺ

تو انبیاء میں محترم اُمت تیری خیرالامم
تو بھی حسیں یہ بھی حسیں یارحمۃ للعالمیں ﷺ

تحویل قبلہ سے کھلا تیری رضا حق کی رضا
تیری نہیں حق کی نہیں یارحمۃ للعالمین ﷺ
سب انبیاء افلاک پر تو جلوہ فرما خاک پر
اُمت کا تو یار و معیں یارحمۃ للعالمین ﷺ
دعوت تھی ان کی مختصر تھے قوم کے بس راہبر
تو ہادیٔ اہل زمیں یارحمۃ للعالمین ﷺ
تو بانیٔ اسلام ہے تیرا محمد ﷺ نام ہے
تجھ پر ہوا اتمام دیں یارحمۃ للعالمین ﷺ
کونین کا سرتاج تو ہے صاحب معراج تو
تو زینت عرش بریں یارحمۃ للعالمین ﷺ
سدرہ پہ نوری تھم گیا تو عرش تک بے غم گیا
تو نور پیکر بالیقیں یارحمۃ للعالمین ﷺ
معراج روحانی نہ تھا ورنہ براق برق پا
کیوں لائے جبریل امیں یارحمۃ للعالمین ﷺ
تو ساقیٔ کوثر بھی ہے تو شافع محشر بھی ہے
تو راحت جان حزیں یارحمۃ للعالمین ﷺ
تو مجمع اخلاق ہے تو چیدۂ آفاق ہے
تو صادق الوعد الامیں یارحمۃ للعالمین ﷺ
تو حاضر و ناظر بھی ہے تو دید پر قادر بھی ہے
تو زندہ تو نظارہ بیں یارحمۃ للعالمین ﷺ
تو قاصد سرکار حق تو واقف اسرار حق
تو باخبر از آن و ایں یارحمۃ للعالمین ﷺ
لاریب تو خیر البشر تو اہل دل، اہل نظر
تو بزم وحدت کا مکیں یارحمۃ للعالمین ﷺ

تو بادشاہ دوجہاں شق القمر تیرا نشاں
تیرا فلک تیری زمیں یارحمۃ للعالمین ﷺ

چرچا ترا ہے عرش پر شہرہ ترا ہے فرش پر
ہے ذکر تیرا ہر کہیں یارحمۃ للعالمین ﷺ

طائر بھی ہیں سب باادب ہیں خادم درگاہ سب
رتبہ ترا بالا تریں یارحمۃ للعالمین ﷺ

تجھ پر سلام آقا مرے مولا مرے داتا مرے
ہاں اک نگاہِ دل نشیں یارحمۃ للعالمین ﷺ

☆

رشید وارثی (کراچی)

(تضمین بر کلام قدسی رحمۃ اللہ علیہ)

دشت ادراک میں بے تاب تھی عرفاں طلبی
وادیٔ شوق میں پروان چڑھا عشق نبیﷺ
زم زم اسم محمدﷺ سے مٹی تشنہ لبی
مرحبا سیّد مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

تو ہے محبوب خدا، میر رسل، شاہ امم
تیرے ہی جلوؤں سے روشن ہوئی قندیل حرم
روئے تاباں سے جھلکتا ہے ترے نور قدم
من بیدل بجمال تو عجب حیرانم
اللہ اللہ چہ جمال است بدیں بوالعجبی

ہے ازل ہی سے ترا بحر کرم موج افزا
پرتو دست مشیت ہے ترا دست عطا
روئے زیبا ہے ترا مظہر انوار خدا
نسبت نیست بذات تو بنی آدمؑ را
برتر ازم آدمؑ و عالم تو چہ عالی نسبی

تیری آمد سے تر و تازہ ہوئی خشک نبات
چمن دہر میں تجھ سے ہے بہاروں کی ثبات
مالک کوثر و تسنیم! کرم کی برسات
ما ہمہ تشنہ لبانیم و توئی آب حیات
رحم فرما کہ ز حدمی گزرد تشنہ لبی

تیری خدمت پہ کیے حق نے ملائک مامور
دست بستہ ہے دوعالم کی شہی تیرے حضور
لب گویا میں ترے نطق خدا ہے مستور
ذات پاک تو دریں ملک عرب کردہ ظہور
زاں سبب آمدہ قرآں بہ زبان عربی

اے مرے مولا و آقا، میرے بندہ پرور!
طول ظلمت سے ہوا جاتا ہے جینا دوبھر
صبح اُمید غریباں ہے مدینے کا سفر
چشم رحمت بکشا سوئے من انداز نظر
اے قریشی لقبی ہاشمی و مطلبی

شان رحمت نے جو چھیڑا تھا کبھی ساز الست
بادۂ حب رسالت ﷺ سے سبھی تھے سرمست
اک عجب عالم حیرت میں تھے توحید پرست
شب معراج عروج تو ز افلاک گزشت
بمقامے کہ رسیدی نہ رسد، ہیچ نبی

ذات ممدوح خدا، سارے رسولوں کے امام!
تیرے ہی عہد رسالت کو دیا حق نے دوام
مژدۂ قند شفاعت ہے تیرے عشق کا جام
نخل بستان مدینہ ز تو سرسبز مدام
زاں شدہ شہرۂ آفاق بہ شیریں رطبی

ہے رشید اس شہ دوراں کا غلام نسبی
مقتدی جس کی امامت میں تھے سارے ہی نبی
جس کی اُلفت میں ہے عشاق کا یہ وردِ شبی
سیّدی! انت حبیبی و طبیب قلبی

آمدہ سوئے تو قدسی پئے درماں طلبی

احمد صغیر صدیقی (کراچی)

(نعتیہ ہائیکو)

ہونٹ مہکتے ہیں
اُس کے نام کی خوشبو سے
حرف چمکتے ہیں

ذہنوں کے اندر
اُس کا ذکر اور اُس کی فکر
کھولے گیان کے در

رنگ اُبھرتے ہیں
اس کی نیند دشاؤں سے
خواب سنورتے ہیں

طیبہ کا منظر
ساحل پر اِن آنکھوں کے
جیسے چاند نگر

دیکھا جو وہ روپ
برسی من میں رنگ گھٹا
بکھری تن پر دُھوپ

حسن اکبر کمال (کراچی)

جھلتی ہوئی ریت پر لیٹ کر بھی وہ صبر بلال، وہ شان بلالی
نبی ﷺ سے محبت کا یہ معجزہ تھا کہ تپتی زمیں پر بھی جنت بنا لی

ملا کر جو دو ہاتھ میں نے بنایا وہ کشکول جب سوئے مولا بڑھایا
وسیلے سے سرکار ﷺ کے میں نے مانگا تو رکھتا خدا کیسے کشکول خالی

کسی غم نے آ کر جو در کھٹکھٹایا، کسی بھی مصیبت نے آ کر ستایا
غلاموں نے اُن ﷺ کے بلا ایسے ٹالی کہ نعت پیغمبر ﷺ کی محفل سجا لی

غلام اُن ﷺ کا ہوں میں حقیر اُمتی ہوں یہ دیکھو میں قسمت کا کیسا دھنی ہوں
یہی میری پہچان دونوں جہاں میں کہ دونوں جہاں میں ہیں وہ میرے والی

زمیں آپ سے لی یہ اقبالؔ میں نے کہ رب نے عظیم آپ کا تھا بنایا
بڑا مرتبہ نعت گوئی سے پایا بجا ہے کہ تھے آپ سعدیؔ نہ حالیؔ

لکھی نعت دل سے پڑھی نعت میں نے، سنی اہل محفل نے باچشم گریاں
کچھ ایسا لگا حوض کوثر سے بھر کے صراحی سی سب نے لبوں سے لگا لی

ثنائے نبی ﷺ میں نے لکھی ہے جب سے، نہ آگے بڑھے لفظ حد ادب سے
غلامی کے اظہار کا یہ سلیقہ بزرگوں سے سیکھا، انھی سے دُعا لی

کمالؔ ایسی آنکھیں خدا مجھ کو دے دے زمان و مکاں جن کے آگے نہ آئیں
جہاں بھی رہوں میں نظارا کروں میں، رہے سامنے اُن ﷺ کے روضے کی جالی

وجاہت حسین وجاہت (بھارت)

یہ ایک بات مقدم ہے آگہی کے لیے
حضورﷺ آئے ہیں تکمیلِ بندگی کے لیے

خدا کا خوف، محمدﷺ کے حکم کی تعمیل
یہی نجات کا رستہ ہے آدمی کے لیے

رسول پاکﷺ نے حکم زکوٰۃ پہنچا کر
نظام دے دیا انسان پروری کے لیے

وہاں حضورﷺ نے روشن کیے چراغِ عمل
جہاں نگاہ ترستی تھی روشنی کے لیے

یہ جاگتا ہوا احساس آپﷺ ہی نے دیا
جئیں امیر، غریبوں کی زندگی کے لیے

وہاں حیات کو گمراہیوں کا خوف نہیں
جہاں حضورﷺ کی سیرت ہے رہبری کے لیے

وجاہت اپنی زباں پر رکھو رسولﷺ کا نام
یہی شعور ہے تسبیح بندگی کے لیے

منصور ملتانی (ملتان)

روح میں دل میں ہے روز و شب جلوہ گر اسم خیرالبشر
کرتا رہتا ہے سانسیں مری معتبر اسم خیرالبشرﷺ

مجھ کو ہر آن ملتا ہے اس کے سبب اعتبار سخن
کیوں نہ ہونٹوں پہ ہو ذکر خیرالبشرﷺ اسم خیرالبشرﷺ

اس جہاں کے لیے تاابد خیریت کی ضمانت بنا
جگمگاتا رہے گا سدا عرش پر اسم خیرالبشرﷺ

راہ ہستی پہ اب کوئی ہر ہزن نہ مجھ تک پہنچ پائے گا
خوش نصیبی سے ہے میرا زاد سفر اسم خیرالبشرﷺ

روشنی کے لیے مشعلیں جل اُٹھیں دل میں ایمان کی
غم کی تاریکیوں میں ہوا راہبر اسم خیرالبشرﷺ

شور شوں سے بھرا حلقۂ دہر ہے بحر رنج و الم
ہے مگر عافیت کے جزیرے پہ گھر اسم خیرالبشرﷺ

تجھ کو منصور درکار ہے گر سکوں اس کے سائے میں آ
جو بچا لے گا ہر دھوپ سے وہ شجر اسم خیرالبشرﷺ

قیصر نجفی (کراچی)

لیا جو نام محمد ﷺ ہوا دہن روشن
دہن کا ذکر ہی کیا ہوگیا بدن روشن

ہوئے تھے نور مجسم کے روبرو تخلیق
اسی لیے ہے مہ و خور کا پیرہن روشن

نگینِ اسم محمد ﷺ تری دمک کے نثار
جبینِ دہر کی کردی شکن شکن روشن

کسی نے چاند کسی نے کہا کہ سورج ہے
ہوئی جو نعت سرِ آسمانِ فن روشن

ہوائے مدح محمد ﷺ نے وہ جلایا ہے
چراغ حرف کہ ہے جس سے انجمن روشن

میں فکر نعت میں تھا حشر میں کہ بولے ملک
یہ کون شخص ہے جس کے ہیں جان وتن روشن

خدا گواہ بجز سرور جہاں ﷺ قیصر
کسی کا دیکھا نہیں سایۂ بدن روشن

جلیل ہاشمی (کراچی)

رحمتِ حق کا سائباں صلِ علیٰ محمدِ ﷺ
راحتِ قلبِ عاصیاں صلِ علیٰ محمدِ ﷺ

خیر کی ساری روشنی روحِ ازل کی چاندنی
اس کے ہی نور سے عیاں صلِ علیٰ محمدِ ﷺ

کیف کی جاں پہ بارشیں روح و زباں پہ خوشبوئیں
لطف و کرم کا ہے بیاں صلِ علیٰ محمدِ ﷺ

گھر ہو یا راستہ کوئی غم ہو یا وسوسہ کوئی
شام و سحر کے درمیاں صلِ علیٰ محمدِ ﷺ

ذکرِ خدا کا بھی صلہ اس کو کبھی نہیں ملا
جس کو نہ یاد ہو میاں صلِ علیٰ محمدِ ﷺ

دشت و جبل میں یاد رکھ جنگ و جدل میں یاد رکھ
سایۂ رشکِ گلستاں صلِ علیٰ محمدِ ﷺ

کیا مری شاعری لکھے کیا مری عاجزی لکھے
تیرے کرم کی داستاں صلِ علیٰ محمدِ ﷺ

امیر الاسلام صدیقی (کراچی)

حروفِ نعت ہیں میری عقیدتوں کے گلاب
برائے نذر میں لایا ہوں مدحتوں کے گلاب

سلام اُس ﷺ پہ حرا سے جو لے کے اُترا تھا
ہدایتوں کے گہر ﷺ اور حکمتوں کے گلاب

سلام اُس ﷺ پہ کہ جو نخل زار طائف سے!
بدن پہ آیا سجائے جراحتوں کے گلاب

سلام اُس ﷺ پہ کہ جس نے لہو کے پیاسوں کو
عطا کیے ہیں دعاؤں کے، رحمتوں کے گلاب

سزا کے مستحقوں کو پیام "لاتثریب"!
لٹائے خون کے پیاسوں میں شفقتوں کے گلاب

سلام اُس ﷺ پہ کہ جس کی حلاوت لب نے
عداوتوں میں کھلائے محبتوں کے گلاب

سلام اُس ﷺ پہ کہ جس گل کے تذکرے کے طفیل
مشامِ جاں میں مہکتے ہیں جنتوں کے گلاب

اُسی کے فیضِ کرم سے پھبن دکھاتے ہیں
سجے ہوئے سبدِ دل میں آیتوں کے گلاب

میں ایک بندۂ عاصی ہوں اور تہی دامن
حضورﷺ مجھ کو عطا ہوں بصیرتوں کے گلاب

﴿☆﴾

غالبؔ ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم
کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمدؐ است

گوشہ
غالب

پروفیسر شفقت رضوی۔ کراچی

غالب! حضور رسالت مآب ﷺ میں

شاعری کا دار و مدار دیگر لوازمات کے علاوہ علم اور تخئیل پر ہوتا ہے۔ یہی سب سے اہم اور باہم پیوست ہیں۔ علم میں جتنی گہرائی ہوگی تخئیل میں اتنی ہی بلندی ہوگی۔ اس اعتبار سے ہمارے مقبول شاعروں کا جائزہ لیا جائے تو غالب ایک ممتاز اور منفرد مقام پر دکھائی دیتے ہیں۔ ان کے بعض اشعار کو ناقابل فہم قرار دیا جاتا ہے اس میں قصور غالب کا نہیں ہماری نارسائی کا ہے۔ وہ اپنی فکر اور اپنے خیال کی سطح سے اتر کر شاعری کرنا گوارا نہیں کرتے۔ ہم اپنی ذہنی سطح کو بلند کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔

غالب نے غزل کے مزاج کو پوری طرح سمجھا ہے اس کے صنفی لوازمات کا احساس کیا ہے ان کی کامل پاس داری کے ساتھ شاعری کی ہے۔ غزل واضح اظہار کا ذریعہ نہیں ہے اس میں رمزیت اور ایمائیت کے پردوں میں بات کی جاتی ہے۔ شاعر کے ہاں کبھی یہ پردے مہین ہوتے ہیں کبھی دبیز! غالب نے دونوں انداز روا رکھے ہیں جہاں پردے مہین ہیں وہاں گویا انھوں نے دوسروں کے لیے شعر کہے ہیں جہاں پردے دبیز ہیں وہاں وہ اپنے ذوق کی تسکین اور ذہنی افتاد کو ملحوظ رکھ کر شعر کہتے ہیں۔ یہ بات غالب کی محدود نہیں لیکن ان کی شاعری کا غالب عنصر علم کی پیاس بجھانے، ذوق کی تسکین کرنے اور اسے اپنی ذہنی افتاد سے کام لینے کی صلاحیتوں پر منحصر ہے۔ غزل کا اچھا اور بڑا شاعر وہ ہے جو خود کلامی کے انداز میں شعر کہتا ہے۔

ایسے شاعر فن کی پابندیوں سے بغاوت کرتے ہیں لفظ کو لغات کی قید سے آزاد کرتے ہیں۔ لفظ کے معنی سے پرواہ نہیں کرتے، انھیں نئی نئی معنویت دیتے ہیں گویا ان میں

تازہ روح پھونکتے ہیں۔ خود کلامی میں لہجہ دھیما، الفاظ نرم لیکن مفہوم کبھی بھرپور اور کبھی تشنہ ہوتا ہے۔ انھیں عناصر سے غزل مزین ہوتی ہے تشنہ مفہوم کی رعایت سے فقرہ ایجاد ہوا کہ ''شعر کے معنی بطن شاعر میں ہوتے ہیں'' یوں تو یہ بات درست معلوم ہوتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ صاحب علم اور صاحب ذوق جو شاعر کے مزاج شاعری سے واقف ہوتا ہے وہ مفہوم تک تھوڑی سی توجہ کے بعد پہنچ جاتا ہے جس شاعری کی شناخت جن انفرادی خصوصیات سے متعین ہوجاتی ہے وہی تشنگی کو دور کرنے اور معنوی و مفہوم کی گہرائی تک پہنچنے میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔ برصغیر کے ان شاعروں میں جنھوں نے اردو اور فارسی میں درجۂ کمال کی شاعری کی ہے ان میں غالب ایسا شاعر ہے جس کے کلام کی شرح اساتذۂ فن نے کی ہے کسی دوسرے بڑے شاعر کے کلام کی شرحیں اتنی تعداد میں نہیں ہیں۔ حالی، نظم طباطبائی، بیان یزدانی، حسرت، نیاز اور فرمان جیسے سخن فہم اور شاعر کے مزاج شناس اہل علم نے توضیح و تشریح میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی ہے۔ ان کے درمیان اختلاف رائے ہے لیکن اس لیے نہیں کہ ایک نے درست سمجھا دوسرا قاصر رہا۔ حقیقت یہ ہے کہ جس کے فہم کی رسائی جہاں تک ہوئی اسی کے مطابق اس نے شعر فہمی کا حق ادا کیا۔ شارح کی فہم کا دار و مدار بھی اس کے علم اور افتادِ طبع پر ہوتا ہے۔ غالب کے بعض اشعار پر شارحین نے ناقابل فہم اور مبہم کی مہریں ثبت کر دی ہیں ان کی وجوہ یہی ہیں ایک یہ کہ شاعر نے خود کلامی میں مفہوم کو غیر مکمل چھوڑ دیا ہو۔ مکمل مفہوم اس کے ذہن میں موجود لیکن الفاظ اس کو گرفت میں لینے کے نااہل ہوتے ہیں اس طرح بات ادھوری رہ جاتی ہے۔ ایسے میں ضرورت ہوتی ہے کہ شاعر کے مزاج کے مطابق محذوت کے لیے مفروضات کا سہارا لیا جائے دوسری وجہ شعر کو شاعر کے مزاج کے مطابق سمجھنے کی کوشش کرنے کے بہ جائے شعر کو اپنے مزاج کے رنگ میں سمجھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہ بات عام ہے کہ مجاز کے شعر تو حقیقت کی طرف اور حقیقت کے اشعار کو مجاز کی طرف منسوب کردیا جاتا ہے۔ اسے چاہے غزل کا حسن سمجھا جائے یا خامی لیکن یہ کیفیت عام ہے اس کے لیے پہلے تو شاعر کے مزاج کو مدنظر رکھنا ضروری ہے اور دوسرے ایک ایک لفظ پر غور کرنا چاہیے کہ وہ اشارہ مجاز کی طرف کر رہے ہیں یا حقیقت کی طرف۔ ان دو باتوں کے علاوہ قاری کی افتاد طبع اس کی حقیقی رہنمائی کرتی ہے جس کیفیت میں وہ شعر پڑھتا ہے اس کے مطابق مفہوم اس کے ذہن میں ابھرتا ہے۔ ایک خاص کیفیت میں اگر ایک شعر مجاز کا معلوم

ہوتا ہے دوسری خاص کیفیت میں حقیقت کا معلوم ہوتا ہے (بہ شرط یہ کہ الفاظ واضح رہ نمائی نہ کررہے ہوں) ہر دو صورتوں میں قاری درست ہے اسی طرح حمد و نعت ہی ایسے مرحلے آتے ہیں جہاں حمد میں نعت کا قیاس ہوتا ہے اور نعت پر حمد ہونے کا گمان!

ان تمہیدی جملوں میں، میں نے اپنی فہم کے مطابق شعر گوئی اور سخن فہمی کے بنیادی اصولوں کی طرف اشارے کیے ہیں آئندہ مباحث میں ان کو پیش نظر رکھا جائے تو شاید بات کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

غالب چاہے مشروط دعویٰ کریں یا غیر مشروط انھیں ولی باور کرنا ممکن نہیں۔ یہ صحیح ہے کہ وہ ملحد نہ تھے موحد تھے، وہ کافر نہ تھے، گنہ گار تھے۔ ان کو عام انسانوں کی طرح غلطیوں کا خوگر سمجھا جاسکتا ہے لیکن اس وضاحت کے ساتھ کہ ان کو گنہ گار ہونے کا اعتراف تھا اگرچہ گناہ کا جواز تھا اور نہ ان پر اصرار تھا۔ اگر اشعار میں کہیں بے اعتدالی اور بے راہ روی کا گمان بھی ہوتا ہے اس کی حیثیت شاعرانہ شوخی سے زیادہ نہیں۔ وہ مے نوشی کے عادی اور اس کا اعتراف اشعار میں بھی کرتے ہیں اس معاملے میں ایک گونہ بے خودی کا ناقابل قبول جواز بھی پیش کرتے ہیں۔ ان لغزشوں کے باوجود ان کا دل صاف تھا وہ روح کی گہرائیوں سے وجود خداوندی کے قائل اور اس کے وحدت پر ایمان رکھتے تھے۔ وہ رسول پاک ﷺ کی تقدیس اور عظمت کے بھی قائل تھے۔ ان دونوں موضوعات پر اردو میں کم لیکن فارسی میں زیادہ اشعار ملتے ہیں۔ حمد ہو یا نعت ہر ایک میں ان کا مخصوص لہجہ اور دوسروں سے مختلف زاویۂ نگاہ ہے۔ جو اس سطح پر رہ کر فکر کی گتھیاں سلجھاتا ہو کہ:

بازیچۂ اطفال ہے دنیا مرے آگے
ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے

تو اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ ہر بات اسی سطح سے کرے گا۔ ہمارے شاعر عموماً احد اور احمد کے فرق کو مٹانے کے درپے رہتے ہیں جو نہ تو ایمان کے نقطۂ نظر سے اور نہ شاعری کے اصول سے قابل قبول ہے غالب نے خدا اور رسول کی قربتوں کے ساتھ ان کے جدا ہونے کا حال جس خوب صورتی سے ادا کیا ہے اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔

فارسی کی ایک نعت کے تمام اشعار خدا اور رسول کی مرتبہ شناسی کے موضوع پر ہیں

جن میں ایمان کی حرارت بھی ہے اور فکر و بیان کی صلابت بھی۔ کہتے ہیں:

حق جلوہ گر ز طرز بیان محمد است
آرے کلام حق بہ زبان محمد است

(طرز بیان محمد میں حق کا جلوہ ہے۔کلام حق زبان محمد سے ادا ہوا ہے) شعر میں ذومعنویت ہے حق کا اشارہ ذات خداوندی کی طرف بھی ہے اور ابدی و آفاقی ہر سچائی کی طرف بھی۔ قرآن، کلام اللہ ہے جو حضرت محمد کی زبان سے ادا ہوا اور رسول کے ہر قول میں خدا کا ہی جلوہ دکھائی دیتا ہے۔ آپ نے دنیا کو سچائی کے ان اقدار سے روشناس کروایا جو ازل سے ہیں اور ابد تک رہیں گے جن کے حصار میں یہ پوری کائنات ہے۔ کم لفظوں میں بھرپور مفہوم ادا کرنا ہی بلاغت کی شان ہے جو اس شعر سے واضح ہے۔ اسی نعتیہ غزل میں کہتے ہیں:

آئینہ دار پرتو مہر است ماہتاب
شان حق آشکار، ز شان محمد است

سائنس سے ثابت ہے کہ چاند کی روشنی اس کی اپنی نہیں۔ وہ سورج کی روشنی کی آئینہ دار ہے یعنی چاند کی روشنی کو دیکھ کر اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ آئینہ کے درخشاں ہونے کا یہ حال ہے تو آئینہ میں جس کا عکس ہے اس کی درخشانی کا کیا حال ہوگا۔ اس مثال کو جس کا مشاہدہ روز کا معمول ہے، پیش کرتے ہوئے غالب نے ذات رسول کو مثل چاند اور ذات خداوندی کو آفتاب قرار دیا ہے اس مثال سے ہر دو کے رتبے کا بھی تعین ہوجاتا ہے اور باہم تعلق کا بھی! نور دونوں میں یکساں ہے ایک میں بہ صورت ذات و کمال ہے دوسرے میں اس سے اکتساب کی حالت عیاں ہے۔ نور کا اشتراک بھی ہے ذات میں دوئی بھی ہے۔ اسی بات کو دوسرے انداز میں پیش کیا ہے:

تیر قضا برآئینہ در ترکش حق است
اما کشاد آں ز کمان محمد است

(تیر قضا تو حق (خدا) کے ترکش میں ہے جبکہ یہ تیر کمان محمد سے چلتا ہے)

اس کا لفظی مفہوم تو یہ ہوگا کہ جو حکم خداوندی ہے اس کی تعمیل و تکمیل ذات محمد سے ہوتی ہے دوسرے لفظوں میں خدا اور رسول کی رضا میں فرق نہیں۔ رضائے الٰہی رضائے

رسول ﷺ ہے۔

ذات حق تعالیٰ میں رتبۂ رسالت مآب کا کیا ہے اس کے لیے عام طور پر جس حدیث قدسی کا حوالہ دیا جاتا ہے اسی کو بلیغ انداز میں غالب نے بھی موزوں کیا ہے۔

احد اور احمد کے درمیان مرتبہ کے فرق کا لحاظ کرتے ہوئے ایک کے ترکش میں تیر نفا کے ہونے اور دوسرے کی کمان سے چلنے کے بیان سے قربت و دوری یکساں طور پر واضح ہوگئی ہے اور ایمان پرکوئی زد بھی نہیں پڑی۔ ایک اور موقع پر اسی حقیقت کو ملحوظ رکھتے ہوئے کہا ہے:

احد جلوہ گر باشیون و صفات
نبی محو حق چوں صفت عین ذات

اس سے بڑھ کر نکتہ دانی اس شعر میں ہے:

زہے شکوہ تو کاندر طراز صورت تو
زخود برآمدن صورت آفریں پیدا ست

حضور ﷺ کی شان و شوکت کے کیا کہنے۔ آپ کی صورت کو سنوارنے میں صورت گر اپنے آپ سے باہر آگیا گویا۔ آپ کی صورت اور صفات سے صورت گر کی صفات کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

حضور ﷺ کی ذات میں اللہ تعالیٰ کے نور کے ظہور کے غالب بھی قائل ہیں اسی لیے کہا ہے:

منظور تھی یہ شکل، تجلی کو نور کی
قسمت کھلی ترے قد و رخ سے ظہور کی

اپنی نعتیہ فارسی غزل میں جس کا ذکر ہورہا تھا غالب نے اظہار کے پیرائے بدل بدل کر نعت گوئی کا حق ادا کیا ہے۔ ایک عام مضمون کو اپنے خاص رنگ میں یوں کہا ہے:

دانی اگر بمعنی لولاک وا رسی
خود ہر چہ از حق است اذان محمد است

''لولاک'' کا اشارہ لولاک لما خلقت الافلاک کی طرف ہے۔ ارشاد خداوندی ہے کہ اگر محمد نہ ہوتے تو خالق نے افلاک کو ہی پیدا نہ کیا ہوتا۔ گویا ذات رسول پاک سبب تخلیق

کائنات ہے۔ حق تعالیٰ کے پاس جو کچھ ہے وہ حضرت محمد کے پاس ہے۔

انسان کا یہ وطیرہ ہے کہ جو چیز اس کو عزیز ہوتی ہے حسب موقع وہ اس کی قسم کھاتا ہے... یہی رویہ ذات پاک نے اختیار کیا ہے اور حضرت محمد کی قسم کھا کر ثابت کر دیا کہ آپﷺ ہی خداوند تعالیٰ کے لیے عزیز ترین تھے۔

ہر کس قسم بد انچہ عزیز است می خورد
سوگند کردگار بجان محمد است

ہمارے شاعر اپنی محبوب ہستی کی بلند قامتی کا ذکر کرتے اور اسے سرو سے بلند تر قرار دیتے ہیں۔ غالب نے حضورﷺ کے قامت کی بلندی کا ذکر راست نہیں بلکہ اشارتی انداز میں کیا ہے جب وہ کہتے ہیں کہ:

واعظ حدیث سایۂ طوبیٰ فرو گزار
کاینجا سخن ز سرو رواں محمد است

شاعر واعظ سے مخاطب ہوکر کہتا ہے کہ "یہ کیا سایۂ طوبیٰ کا ذکر لے بیٹھو ہو طوبیٰ کی حیثیت کی کیا بات کرتے ہو یہاں تو حضرت محمد کے سر رواں کی بات ہورہی ہے۔" کس قدر بلیغ انداز بیان ہے کہ معلوم عظمت کی نفی کرکے مقابلہ میں ایسی ہستی کو پیش کیا جائے کہ جس کی عظمت اس سے بھی برتر ہو۔

حضور کی قدرت اس سے بھی عیاں ہے کہ جو کام تمام مخلوق کے لیے حد امکان سے باہر ہے وہ آپ کی انگلی کی معمولی جنبش سے وقوع پذیر ہوسکتی ہے۔ اس قدرت کو لوگ معجزہ کہتے ہیں۔

بنگر دو نیمہ گشتن ماہ تمام را
کاں نیمہ جنبش ز بنان محمد است

حضورﷺ کے جسم اطہر پر ایک ایسا نشان تھا جسے مہر نبوت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے ایسا نشان آپﷺ کے لیے خاص تھا اس کی انفرادیت ہی اس کی عظمت رہے لیکن عظمت بالذات نہیں ہے بلکہ حضورﷺ کی نسبت سے اس کی عظمت بنی اور عزت و توقیر بنی ہے۔

شاعر حضورﷺ کی توصیف کے لائق اپنے آپ کو نہیں پاتا اور کار عظیم کو

خدائے تعالیٰ کے لیے چھوڑ دیتا ہے:

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم
کاں ذات پاک، مرتبہ دانِ محمد است

حقیقت یہ ہے کہ وہی توصیف کا حق ادا کرسکتا ہے جو کسی کا مرتبہ دان ہو حضورﷺ کا مرتبہ دان اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے۔ انسان آپ کے مرتبہ کے بارے میں اپنے قیاس سے کام لیتے ہیں اور قیاس کی پہنچ حقیقت بلندی تک نہیں پہنچ سکتی۔

غالب کے ذہن میں معراج کا واقعہ اسی طرح چھایا رہا کہ جب بھی انھوں نے حضورﷺ کا خیال کیا آپ کے قدم زمین پر نہیں بلکہ آسمان پر نظر آئے کبھی تو فارسی میں کہا:

چوں بپوئی بہ زمیں، چرخ زمیں تو شود
خوش بہشتے ست کہ کس راہ نشیں تو شود

جب آپﷺ زمین پر چلتے ہیں تو آسمان اُتر کر آپ کے لیے زمین بن جاتا ہے اور آپﷺ کی رہ گزر میں بیٹھنے والے خود کو بہشت میں باور کرتے ہیں۔ یہ اعزاز آسمان کو میسر ہوا کہ اس نے آپ کی قدم بوسی کی۔ وہ اس پر جتنا بھی ناز کرے کم ہے۔ غالب نے اپنی ذات اور فکر کو کبھی آسماں سے کمتر نہیں سمجھا لیکن افسوس کیا تو اس بات پر کہ آسمان کو تو اجازت قدم بوسی کی عطا ہوئی اور شاعر آسماں کے برابر ہونے کے باوجود اس سعادت سے محروم رہا۔

کرتے ہو مجھ کو منع قدم بوس کس لیے
کیا آسماں کے برابر نہیں ہوں میں

اسی طرح حسن تعلّی سے کام لیتے ہوئے مزید کہا ہے:

کس واسطے عزیز نہیں جانتے مجھے
لعل و زمرد و زر و گوہر نہیں ہوں میں
رکھتے ہو قدم مری آنکھوں سے کیوں دریغ
رتبہ ہی مہر و ماہ سے کم تر نہیں ہوں میں

غالب کے ذہن پر معراج کا واقعہ اس قدر مسلط رہا کہ وہ اس مثال کو منظر رکھ کر

کسی نہ کسی طور حصول بلندی کے خواہش مند رہتے ہیں۔ جب وہ کہتے ہیں:

منظر ایک بلندی پر اور بنایا چاہیے
سرحد ادراک سے پرے ہو آشیاں اپنا

یا:

منظر اک بلندی پر اور ہم بنا سکتے
عرش سے پرے ہوتا کاش کہ مکاں اپنا

تو معراج کا واقعہ ہی اس کا محرک ہوتا ہے۔

حضورﷺ ذات کے اعتبار سے بشر اور صفات کے لحاظ سے فوق البشر تھے وہ انسانوں کے لیے نمونہ تھے۔ صالحین کا یہ فرض ہے کہ وہ حضور کے درجات تک تو نہیں پہنچ سکتا کہ وہ عطائے الٰہی تھے لیکن اس کو کیا کہیے کہ آرزوؤں اور تمناؤں پر قدغن نہیں لگائی جاسکتی۔ اگر غالب کی آرزو اور خواہش سرحد ادراک سے پرے آشیاں بنایا چاہتی ہے تو اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں:

غالب کا ایک مشہور شعر ہے:

ہے کہاں تمنا کا دوسرا قدم یارب
ہم نے دشت امکاں کو ایک نقش کف پا پایا

شارحین، اقبال کے اس شعر کو اس کی وضاحت کے لیے پیش کرتے ہیں:

سبق ملا ہے یہ معراج مصطفیٰ سے مجھے
کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں

لیکن میری رائے میں ''دشت امکان'' کو ''ایک نقش پا'' بتلا کر غالب نے ''گردوں'' کی اہمیت کی نفی کردی، ''دشت امکاں'' کے حصار میں سارے ''گردوں'' آجاتے ہیں جو نگاہ بشر کے حد میں ہیں یا اس سے پرے ہیں۔ غالب کے خیال میں آدم کا جنت سے نکل کر دشت امکان میں پہلا قدم رکھنا ایک تجربہ تھا جس کا نتیجہ یہ معلوم ہوا کہ یہ عالم رنگ و بو اپنی تمام وسعتوں کے باوجود فانی اور حقیر ہے اس کی حیثیت اور اہمیت ''نقش کف پا'' سے زیادہ نہیں۔ اب ابن آدم کی تمنا دوسرے قدم کی خواہش مند ہے صرف تعین منزل کی ضرورت ہے یہ اشارہ یا تو حیات مابعد الموت کی طرف ہوسکتا ہے یا سرحد ادراک سے پرے یعنی

معراج کی طرف! میرا ذہن معراج کی طرف رہنمائی کرتا ہے غالب حیات مابعد الموت کے قائل ہونے کے باوجود اس کی طرف کم ہی مائل ہوتے ہیں۔

غالب نے اس شعر میں ''دشت امکاں'' کو یک کف پا کا درجہ دے کر اس کی اہمیت سے انکار کردیا ایک دوسرے شعر میں وہ جنت کو بھی اہمیت دینے کے لیے تیار نہیں، کہتے ہیں:

یا تمنائے مناز خلد بریں نہ گزشتے
یا خود امید گہے درخور آں می بایست

(یا تو میری تمنا خلد بریں سے آگے نہ جاتی یا پھر اس بلند تمنا کے مناسب کوئی بلند اُمیدگاہ ہونی چاہیے تھی) اس بلند امیدگاہ کا اشارہ معراج سے ملتا جلتا کوئی رتبہ حاصل کرنا ہے جو خدا کے روبہ رو پہنچادے۔

وہ اپنی قوت تخئیل کی پرواز کے لیے کوئی اور استعارہ استعمال نہیں کرتے سوائے معراج کے!

زدہ ام بال تقاضا زد و مصرع
تا مژدۂ معراج و ہم سی بیاں را

جس غزل کا یہ شعر ہے اس کے کئی اشعار کو نعتیہ ہی سمجھا جاتا ہے اگرچہ ان میں اس بات کا کوئی واضح اشارہ نہیں ہے، مثلاً:

جستیم سراغ چمن خلد بہ مستی
درگرد خرام تو، رہ افتاد گماں را

(ہم عالم مستی میں خواہ مخواہ چمن خلد کی تلاش میں تھے کہ اچانک خیال آیا کہ ان کے عالم خرام میں اڑی ہوئی گرد ہوائے خلد سے کم نہیں ہے)

غالب کے ذہن میں جنت کا تصور کسی نہ کسی طور حضور کی ذات سے وابستہ ہے۔ وہ آپ کے سراپا کا ذکر کرتے ہیں تو عام انداز بیان سے ہٹ کر آپ کو بہشت شمائل کہتے ہیں جیسے:

یہ کس بہشت شمائل کی آمد آمد ہے
کہ غیر جلوۂ گل رہ گزر میں گرد نہیں

اور اس کبھی اس مقام فضیلت کو جنت ماننے سے انکار کردیتے ہیں جس میں آپ کا جلوہ نہ ہو:

سنتے ہیں جو بہشت کی تعریف سب درست
لیکن خدا کرے وہ تری جلوہ گاہ ہو

اے خاک درت قبلہ جان و دل غالب
کز فیض تو پیرایہ ہستی است جہاں را

(آپ ﷺ کے در کی مستی غالب کے لیے جان و دل کا قبلہ ہے۔ کیوں کہ آپ ﷺ کے فیض سے ہی ہستی کائنات کی رونق ہے)

بر امت تو دوزخ جاوید حرام است
حاشا کہ شفاعت نہ کنی سوختگاں را

آپ ﷺ کی امت پر دوزخ جاوید حرام ہے یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ ﷺ اپنی اُمت کے افراد کو شفاعت کے ذریعے جلنے سے نہ بچالیں۔

حضور ﷺ کا شافع محشر ہونا مسلمانوں کا جزو ایمان ہے ایک قیاس یہ ہے روز قیامت حضور ﷺ شفاعت کے لیے موجود ہوں گے اور جس جس کو اپنی امت میں شامل سمجھیں گے اس کے گناہ معاف کروا کر دوزخ کے دروازے اس پر بند کروادیں گے ایک قیاس یہ بھی ہے کہ ملحد ہمیشہ کے لیے دوزخ میں داخل رہیں گے۔ گنہ گاروں کو ان کے گناہوں کی شدت کے لحاظ سے سزائیں ہوں گی اور جب دوزخ میں خاص مدت کے گزرنے کے بعد ان کی روح کی کثافت دُور ہوجائے گی تو وہ دوزخ سے نکال لیے جائیں گے جبکہ غالب کا کہنا ہے کہ اگر حضور کی امت کا کوئی فرد دوزخ میں ڈال دیا جائے گا تو آپ اس کا آتش جہنم میں جلنا گوارہ نہیں کریں گے آپ کی شفاعت کام آئے گی اور اُمتی جلنے سے بچ جائے گا۔

حضور کی ذات گرامی اس قدر قابل احترام ہے کہ خدا سے ہی آپ کی مرتبہ شناسی اور توصیف کا حق ادا ہوسکتا ہے جو آپ کو پہنچاننے کی خواہش کرے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ پہلے "مئے مشاہدۂ حق" سے سرشار ہو۔ یعنی خدا شناسی سے محمد شناسی اور محمد شناسی سے خدا شناسی کا حق ادا ہوسکتا ہے اسی بات کو غالب نے اپنے انداز میں یوں بیان کیا ہے:

مذاق مشرب فقر محمدی داری
مے مشاہدۂ حق نیوش و دم درکش

آپ ﷺ کی عظمت اور بلند منزلت ظاہر کرنے کے لیے غالب نے یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ اگر آپ احرام باندھے کعبے کا رخ کریں تو کعبہ بھی "فرش سیاہ" کا احرام باندھے آپ ﷺ کی طرف قدم بڑھائے گا۔

تا تو بہ عزم حرم ناقہ فگندی بہ راہ

کعبہ ز فرشِ سیاہ مردمک احرام شد

مردمک احرام سے مراد آنکھ کی پتلی کو احرام بنالینا ہے۔

جب حضور ﷺ نے حرم کا ارادہ کر کے اپنی اونٹنی کو چلایا تو کعبہ نے اپنے فرش سیاہ سے آنکھ کی پتلی کا کام لیا اسے احرام بنا کر آپ ﷺ کے استقبال کے لیے بڑھا۔

اس شعر میں ایسا واضح اشارہ نہیں ہے کہ اسے حضور ﷺ سے متعلق سمجھا جائے۔ اس نوع کے اشعار کے سلسلہ میں کئی امور کو ملحوظ رکھنا پڑے گا۔

پہلا امر یہ کہ غزل کا مجموعی مزاج کیا ہے۔ اگر اکثر اشعار مجاز کے مضامین سے ہٹ کر ہیں تو ایسے شعر کو مجاز کا نہ سمجھا جائے۔

دوسرے الفاظ خود رہنمائی کرتے ہیں۔ شعر کا مجموعی تاثر مستعمل الفاظ کا مرہون منت ہوتا ہے جس سے اہل ذوق بآسانی رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں۔ محولہ بالا شعر خود کہہ رہا ہے کہ کعبہ کا احرام باندھ کر پیش قدمی کرنا کسی محبوب مجازی یا دنیاوی شخصیت کے لیے نہیں ہوسکتا۔ یہ کیفیت دنیا کی معزز ترین شخصیت کی طرف ذہن کی رہنمائی کرتی ہے اور ایک مسلمان شاعر کے قلم سے لکھے جانے کے بعد معزز ترین شخصیت کے تعین میں کوئی دُشواری باقی نہیں رہتی۔

تیسری بات پڑھنے والے کا ذوق اور اس لمحہ کی کیفیت ہے جس میں اس نے شعر پڑھا یا سنا ہے پاکیزہ ذہن لوگ شریفانہ خیالات رکھتے ہیں اور شعر کے مفہوم کو اس کے مطابق سمجھتے ہیں لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ الفاظ ان کے خیال کی تائید کررہے ہوں۔ اگر شعر میں چوڑیوں اور پائل کی جھنکار، لطف ہم آغوشی اور اس قسم کی باتیں ہوں تو ظاہر ہے کہ ان کو کسی مقدس اور قابل تعظیم شخصیت کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا۔

شعر کے معنوں میں صرف شاعر کی ذات، اشعار کے الفاظ اور لب و لہجہ کو ہی دخل نہیں ہوتا بلکہ قاری کی وقتی ذہنی کیفیت یا موڈ کو بھی دخل ہوتا ہے ایک خاص موڈ میں جو

شرپسند آتا ہے ضروری نہیں کہ موڈ کی تبدیلی کے بعد پسند کی وہی کیفیت ہو۔ قاری کو یہ حق ملنا چاہیے کہ وہ شعر کو اپنے مزاج کے مطابق معنی دے۔ اس پر کسی کو اعتراض کا حق نہیں۔

غالب کے مزید چند اشعار پیش کرنے کی جرأت بے جا نہیں ہوگی جن کو پڑھ کر ہمارا ذہن انہیں نعتیہ باور کرنے پر مائل ہو۔

بے وجہ در رہت نیست از پا فتادن من
بر دیدہ می نشانم، در ہر قدم، قدم را

غالب نے چلتے چلتے بار بار گر جانے کی توجیح یہ پیش کی ہے کہ وہ دراصل ان قدموں کو آنکھوں پر بٹھانا چاہتے ہیں جو آپ کی چلی ہوئی راہ پر چل رہے ہیں۔ اس کیفیت کا اندازہ وہ کرسکتے ہیں جو حضور کی محبت اور عقیدت دل میں لیے مکہ اور مدینہ کی گلیوں میں گھومے پھرے ہوں۔

خوش است دعوئ آرائش سر و دستار
ز جلوۂ کف خاکے کہ نقش پا دارد

جس خاک پر آپ ﷺ کے نقش پا ہوں اس کا نظارہ ہی ہمارے سر اور دستار کی آرائش و زینت کا سامان ہے۔

بہ گلہائے بہشتم مژدہ نتواں داد در راہش
من و خاکے کہ از نقش کف پائے نشاں دارد

آپ کے راستے پر چلتے ہوئے باغ بہشت کے پھولوں کی خوش خبری کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ میں تو بس اس خاک کا گرویدہ ہوں جن پر آپ کے نشان کف پا ہوں۔

ممکن ہے یہ شعر کسی کے ذہن کو محبوب مجازی کے کف پا کی تعظیم کا احساس دلائے۔ صوفی غلام مصطفیٰ تبسم جیسے سخن فہم نے اسے محبوب حقیقی کی طرف منسوب کیا ہے حالاں کہ ''نشان کف پا'' سے اس طرف خیال جا ہی نہیں سکتا۔ لیکن صوفی صاحب کی تردید کی اس لیے گنجائش پیدا نہیں ہوتی۔ جس کیفیت میں انھوں نے شعر کو سمجھنے کی سعی کی اس کیفیت نے ان کی رہنمائی ''محبوب حقیقی'' کی ہوگی۔

سخت اصولوں سے پرکھا جائے تو غالب کو ''نعت گو'' شعرا کے حلقے میں شامل نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ انھوں نے اس صنف پر باقاعدہ طبع آزمائی نہیں کی ہے۔ ان کی غزلوں

میں چیدہ چیدہ نعتیہ اشعار ملتے ہیں۔ فارسی میں ایک غزل ایسی ہے جسے نعتیہ غزل کہا جا سکتا ہے باوجود اس کے اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کہ وہ دل اور روح کی گہرائیوں سے توحید اور آنحضرت ﷺ کی رسالت کے قائل تھے اور ان دونوں امور کو ایمان اور شفاعت کے لیے ضروری سمجھتے تھے۔ ان کی شاعری کے مطالعے سے انداز ہوتا ہے کہ وہ دو معاملوں میں یقین کی منزل پر تھے ایک:

شعر غالب نبود و می و نگویم و لے
تو و یزداں نتواں گفت کہ الہامے ہست

(غالب کے اشعار وحی تو نہیں ہیں اور نہ ہم یہ کہتے ہیں لیکن اللہ کی قسم یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ یہ اشعار الہام ہیں)

اور دوسرے:

اس کی امت میں ہوں میں میرے رہیں کیوں کام بند
واسطے جس شے کے غالب گنبد بے در کھلا

❁☆❁

ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزاد فتح پوری۔ بھارت

غالبؔ کی نعتیہ شاعری

غالبؔ نے ایک موقع پر اپنی فارسی دانی اور نقش ہائے رنگا رنگ کی نمائش سے اپنی جبلّی وابستگی کی بابت کیا تھا:

فارسی بیں تا بہ بینی نقش ہائے رنگ رنگ
بگذر از مجموعۂ اردو کہ بے رنگ من است

ان کا یہ دعویٰ دیگر اصناف سخن اور دیگر موضوعات شعر و شاعری کی بابت درست ہو یا نہ ہو لیکن نعتیہ شاعری کے حوالے سے ان کا یہ دعویٰ صد فی صد درست اور صحیح ہے۔

اردو نعت گوئی میں غالبؔ کا کوئی شعری اثاثہ معرض وجود میں نہیں ہے راقم کی دانست کی حد تک ان کی اس مشہور و معروف غزل کا مقطع، جس کا مطلع درج ذیل ہے، تذکرۂ معراج کے حوالے اور نبی خیر الانام کے تذکار کے باعث خالص نعت کے رنگ میں شرابور ہے۔ اردو زبان میں اس مقطع کے علاوہ ان کا کوئی دوسرا شعر بطور شعر نعت محفوظ نہیں ہے۔ محولہ بالا مطلع و مقطع ملاحظہ ہوں:

بزم شہنشاہ میں اشعار کا دفتر کھلا، رکھیو یارب! یہ در گنجینۂ گوہر کھلا[1]

اس کی اُمت میں ہوں میں، میرے رہیں کیوں کام بند
واسطے جس شہ ﷺ کے غالبؔ! گنبد بے در کھلا[2]

غزل کا یہ مقطع جس میں خالص نعت کا مضمون نظم ہے، دیدنی اور قابل داد ہے۔ صنعت تضاد کے حسین استعمال سے قطع نظر معنوی اعتبار سے بھی غالبؔ کا یہ نعتیہ شعر کافی خوب صورت اور دل آویز ہے۔ واقعۂ معراج کی بلیغ تلمیح اور اس واقعہ کے سہارے آسمان

کے لیے گنبد بے در کی ترکیب گنبد کے تلازمے کے بہ طور ''کھلا'' لفظ کا استعمال اور اس برگزیدہ ہستی کی اُمت میں ہونے کا بجا افتخار اور اسی حوالہ سے اپنے کام بند نہ رہنے کا شاعر کا ایقان و اتقان... ان سبھی عناصر نے مل جل کر غالبؔ کے اس شعر کو نعت کا درۃ التاج بنا دیا ہے۔

غالبؔ نے قصیدہ در منقبت علیؓ میں درج ذیل شعر کہا ہے:

کس سے ہوسکتی ہے مداحئ ممدوح خدا
کس سے ہوسکتی ہے آرائش فردوس بریں[☆۳]

اور اسی طرح انھوں نے مدح تجمل حسین خاں میں کیے گئے اشعار کے مابین کہا ہے:

زباں پہ بار خدایا ! یہ کس کا نام آیا؟[☆۴]
کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لیے

کئی ارباب علم نے ان اشعار کی بابت اپنی یہ بیش بہا رائے حوالۂ قرطاس کی ہے کہ ان اشعار اور ان ہی قبیل کے دوسرے اشعار کو نعت نبوی میں شمار کرنا چاہیے، لیکن راقم ان کے اس نظریہ سے متفق نہیں ہے۔ جب تخلیق کار نے ممدوح کا نام خود ہی متعین کر دیا ہے تو کسی کو یہ حق کہاں سے پہنچتا ہے کہ وہ تخلیق کار کے منشا کے خلاف شاعر کی بیان کردہ صفات کا انتساب کسی دوسرے موصوف سے کرے، کیوں کہ ایسا کرنے پر سارے قصائد (چند کے استثنا کے ساتھ) نعت بن جائیں گے، کیوں کہ قصائد میں مبالغہ کا سکہ زمانۂ قدیم سے رواں دواں ہے۔[☆۵]

فارسی شاعری میں غالبؔ نے نعتوں کا ایک معتدبہ ذخیرہ بہ طور یادگار چھوڑا ہے۔ فارسی شاعری کے آخری دور میں دو باکمال شاعر پیدا ہوئے، جن میں سے ایک میرزا حبیب متخلص بہ قاآنی ہیں، (سنہ ولادت ۱۲۲۲ھ) کے قریب اور سنہ وفات ۱۲۷۰ھ) جو نسلاً و اقامۃً ایرانی ہیں اور دوسرے مرزا اسداللہ خاں غالبؔ ہیں، جو آگرہ میں ۲۷؍دسمبر ۱۷۹۷ء میں ولادت پذیر اور دہلی میں ۱۵؍فروری ۱۸۶۹ء کو فوت ہوئے۔

مرزا غالبؔ نے فارسی شاعری کے ناتواں جسم میں نیا خون دوڑایا اور اس کو توانائی عطا کی اور خاص کر نعت کے ترانے اس غنائیت اور بلند آہنگ کے ساتھ الاپے کہ در و دیوار

تک گونج اٹھے۔

مرزا مبدء فیاض سے دل و دماغ کی وہ اعلیٰ صلاحیتیں لے کر آئے تھے کہ جہاں کہیں قلم چلا دیا، لالہ وگل اور نسرین و نسترن کے پودے نمایاں ہوگئے۔ وہ خود کہتے ہیں کہ ہندوستان میں فارسی شاعری ایک ترک لاچین (خسرو) سے شروع ہوئی اور ایک ترک ایبک (غالب) پر ختم ہوئی۔

غالب نے اپنی فارسی نعتوں کے ذریعہ نعتیہ شاعری کو کافی رنگارنگی اور وسعت عطا کی۔ انھوں نے غزل، قصیدہ، مثنوی اور قطعہ کی ہیئات میں قابل قدر اور بیش بہا سرمایۂ نعت بہ طور اثاثہ، عشاق ادب اور قارئین نعت کو مرحمت کیا۔ ان کی یہ نعتیں مضامین و اسالیب کے نقطہ ہائے نظر سے بھی متنوع اور رنگا رنگ ہیں۔ نعتوں میں ان کا انداز بیان ان کے فارسی اسلوب کی طرح سلیس اور سادہ ہے۔ ان کی مشہور نعتیہ غزل، جس کا مطلع درج ذیل ہے، اس لیے لائق تحسین ہے، کیوں کہ اس کا ہر شعر کسی نہ کسی حدیث نبویؐ یا آیت قرآنی کی تفسیر ہے۔

حق جلوہ گر ز طرز بیان محمدؐ ست
آرے کلام حق بہ زبان محمدؐ ست[٦]

غالب نے اپنی اس غزل میں حدیث قدسی میں لولاک لما خلقت الافلاک[٧] اور آیات قرآنی: وما ینطق عن الھویٰ ان ھواہ و حی یوحیٰ O[٨] ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ یداللہ فوق ایدیھم O[٩] وما رمیت اذرمیت و لکن اللہ رمیٰ O[١٠] لعمرک انھم لفی سنکرتھم یعمھون O[١١] وغیرہ مضامین کو مدنظر رکھ کر ''خود ہرچہ ازحق ست ازاں محمدؐ ست'' کا اعلان کیا ہے۔ غزل کے مقطع میں اعتراف عجز کا مضمون اللہ پاک کو ''مرتبہ دان محمدؐ'' کہہ کر ادا کیا گیا ہے اور اس طور پر اعتراف عجز سے بھی شاعر کی رمز دانی مترشح ہوتی ہے۔ غزل کے بقیہ اشعار ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں، کیوں کہ ان میں بلا کی جدت و جودت اور ندرت ہے۔

آئینہ دار پرتو مہرست ماہتاب
شان حق آشکار زشان محمدؐ ست

تیر قضا ہر آئینہ در ترکش حق ست
اما کشاد آں زکمان محمد ست

دانی اگر بہ معنیٔ لولاک وا رسی
خود ہر چہ از حق ست از آن محمد ست

ہر کس قسم بدانچہ عزیز ست می خورد
سوگند کرد گار بجان محمد ست

واعظ حدیث سایۂ طوبیٰ فروگزار
کا نیجا سخن ز سرور وان محمد ست

بنگر دو نیمہ گشتن ماہ تمام را ☆۱۲
کاں نیمہ جنبشے زبنان محمد ست

در خود ز نقش مہر نبوت سخن رود
آں نیز نامور زنشان محمد ست

غالبؔ ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتم
کاں ذات پاک مرتبہ دان محمد ست ☆۱۳

غالبؔ کے کلیات فارسی میں ۳ نعتیہ مثنویاں ہیں جن کی تفصیل ذیل میں رقم کی جاتی ہے۔

غالبؔ کی قصیر ترین نعتیہ مثنوی میں ۵۷ ابیات ہیں، جس کا پہلا بیت رقم ذیل ہے:

بہ نام ایزد ای کلک قدسی صریر
بہر جنبش از غیب نیرد پذیر ☆۱۴

دوسری مثنوی میں ابیات کی تعداد ۱۲۰ ہے اور اس کا بیت اول یوں ہے:

بعد حمد ایزد و نعت رسول
می نگارم نکتۂ چند از اصول ☆۱۵

تیسری مثنوی معراج کے بیان میں ہے اور اس میں کل ۲۸۰ ابیات ہیں، جن میں بیت مندرجہ ذیل، بیت اول کی حیثیت رکھتا ہے:

ہمانا در اندیشۂ روزگار
شبے بود سرحوش لیل و نہار[۱۶]

(۱۲۰) ابیات پر مشتمل مثنوی کا عنوان ''بیان نموداری شان نبوت و ولایت کہ درحقیقت پرتو نور الانوار حضرت الوہیت ست'' ہے۔ اس مثنوی میں آپ ﷺ کے منشائے ایجاد عالم ہونے، آپ ﷺ کے رحمۃ للعالمین ہونے، آپ ﷺ کے خاتم النبیین ہونے اور آپ ﷺ کے متقدم بالزماں ہونے کے مضامین نادر اسلوب میں نظم کیے گئے ہیں۔

اللہ پاک نے قرآن کریم میں زندگی کی تاریکیوں کو روشن کرنے والی ذات گرامی کو نور سے تعبیر کیا ہے۔ اس سلسلے کی چند آیات ملاحظہ ہوں:

قدجاء کم من اللہ نور و کتٰب مبین[۱۷]

ترجمہ: بے شک تمھارے پاس اللہ کی جانب سے نور آیا اور روشن کتاب۔

یآایھا الناس قد جا ءکم برھان من ربکم و انزلنا الیکم نوراً مبینا[۱۸]

ترجمہ: اے لوگو بے شک تمھارے پاس اللہ کی طرف سے واضح دلیل آئی اور ہم نے تمھاری جانب روشن نور اتارا۔

یاایھا النبی انا ارسلنک شاھداً و مبشراً و نذیراًO
وداعیاً الی اللہ باذنہ و سراجاً منیراO[۱۹]

ترجمہ: اے نبی ہم نے آپ ﷺ کو بھیجا گواہ اور خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا اور اللہ کے حکم سے اللہ کی طرف بلانے والا اور چمکتا ہوا چراغ۔

غالب نے اپنی اس مثنوی میں نبی اکرم ﷺ کے نور ہونے کے مضمون کو متعدد طریقوں سے واضح کیا ہے۔ صرف دو ابیات ملاحظہ ہوں:

جلوۂ اوّل کہ حق بر خویش کرد
مشعل از نور محمد پیش کرد

☆

شد عیاں زاں نور در بزم ظہور

ہرچہ پنہاں بود از نزدیک و دور[20]

شاعر نے اس مثنوی میں استغاثہ اور استعداد کے مضامین بھی نظم کیے ہیں اور نبی ختمی مآب ﷺ سے مدد طلبی کو اللہ پاک سے مدد طلبی پر محمول کیا ہے۔ شاعر نعت نے اس کی وضاحت دریا موج جام اور آب از جام سے کرتے ہوئے کیا ہے:

برنیاید کار بے فرمان شاہ

لیک لنہاست باخاصان شاہ

☆

ہر کہ اور نور حق تیرو فراست

ہر چہ ازوی خواستی ہم از خداست

☆

بر لب دریا گر آب خوردۂ

آب از موجی بہ جام آوردۂ

☆

آب از موج آید اندر جام تو

لیکن از دریا بود آشام تو[21]

غالب نے اس مثنوی میں آپ ﷺ کے رحمتہ للعالمین[22]، اور ''خاتم النبیین''[23] ہونے پر بھی روشنی ڈالی ہے اور اس حقیقت کا برملا اظہار کیا ہے کہ عالم خواہ کتنے ہی کیوں نہ ہوں، لیکن ان سب کے رحمتہ للعالمین اور ان سب کے خاتم المرسلین صرف نبی ختمی مرتبت ﷺ ہیں۔ یہاں بھی غالب نے قرآن و احادیث سے استفاضہ و استفادہ کیا ہے۔ چند متعلقہ ابیات ذیل میں رقم کیے جاتے ہیں:

آں کہ مہر و ماہ و اختر آفرید

می تو اند مہر دیگر آفرید

☆

لیک دریک عالم از روئے یقیں
خود نمی گنجد دو ختم المرسلین

☆

یک جہاں تاہست یک خاتم بس است
قدرت حق را نہ یک عالم بس است

☆

خواہد از ہر ذرہ آرد عالمے
ہم بود ہر عالمے را خاتمے

☆

ہر کجا ہنگامۂ عالم بود
رحمتہ للعالمینے ہم بود

☆

کثرت ابداع عالم خوب تر
یا بیک عالم دو خاتم خوب تر

☆

غالب این اندیشہ نہ پزیرم ہمی
خردہ ہم برخویش می گیرم ہمی

☆

اینکہ ختم المرسلینش خواندہٗ
دانم از روئے یقینش خواندہٗ

☆

ایں الف لامے کہ استغراق راست
حکم ناطق معنی اطلاق راست

☆

منشاء ایجاد ہر عالم یکیست
گر دو صد عالم بود خاتم یکیست

☆

خود ہمی گوئی کہ نورش اول ست
از ہمہ عالم ظہورش اول ست

☆

اوّلیت رابود شانے تمام
کی بہر فردے پزیرد انقسام

☆

جوہر کل بر نتابد تثنیہ
در محمد رہ نیابد تثنیہ ☆[۲۴]

غالبؔ کی دوسری نعتیہ مثنوی میں ابیات کی مجموعی تعداد ۵۷ ہے۔ اس مثنوی کا بیت اوّل بہ نام "ایزد ای کلک قدسی صدیر + بہر جنبش از غیب نیرو پزیر" ہے

اللہ پاک نے قرآن پاک میں نبی ختمی مرتبت ﷺ کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ خود نبی آخر الزماں ﷺ پر درود (تعریفوں) کی بارش نازل فرماتا ہے، اس کے فرشتے نبی اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں درود کا سوغات بھیجتے ہیں اور اس کے بعد مومنین کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ بھی خلاصۂ کائنات نبی امی ﷺ پر صلوۃ و سلام بھیجیں۔ متعلقہ آیت کریمہ ملاحظہ ہو:

ان اللہ و ملٰئکتہ یصلّون علی النبیّ یا أیھا الذین امنوا صلّوا علیہ وسلّموا تسلیماO ☆[۲۵]

غالبؔ کس قدر حسین انداز میں 'درود' کو 'عنوان دفتر' اور 'دیباچۂ نعت' قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں:

درودے بہ عنوان دفتر نویس
بہ دیباچہ نعت پیمبر نویس ☆[۲۶]

اس مثنوی میں تلمیحات کا استعمال کافی دل کش ہے۔ غالبؔ نے تلمیحات سے اظہار مدعا کا کام بڑی خوبی سے لیا ہے۔ اس مثنوی کے معراج سے متعلق ابیات کافی جدت

اور خاصی ندرت کے حامل ہیں۔ خالص نعت کے ابیات بھی کافی جان دار ہیں۔ ذیل میں صرف تین ابیات نقل کیے جا رہے ہیں۔

جن میں غالبؔ نے پر جبرئیلؑ کو آپ ﷺ کے دستر خوان کے لیے 'مگس راں' حضرت خلیلؑ کو آپ کے 'خوان گستری' کے لیے پیش کار، آپ ﷺ کے جمال کو روحانیوں کے لیے 'دل افروز' اور آپ ﷺ کے خیال کو یونانیوں کے لیے 'نظر سوز' بتلاتے ہوئے اس حقیقت کا انکشاف کیا ہے کہ سفر معراج خاکی اور نوری دونوں اجسام کے لیے بابرکت اور باعث فخر ہے۔

مگس ران خوانش پر جبرئیل
بخواں گستری پیشکارش خلیل

☆

جمالش دل افروز روحانیاں
خیالش نظر سوز یونانیاں
بدم حرز بازوی افلاکیاں
بہ پیوند پیرایۂ خاکیاں ☆[27]

غالبؔ کی تیسری نعتیہ مثنوی کا عنوان ہی معراج ☆[28] ہے۔ یہ مثنوی غالبؔ کی مثنویوں میں طویل ترین ہے۔ اس میں ابیات کی تعداد ۲۸۰ ہے اور اس کا پہلا بیت ہے:

ہما نا در اندیشۂ روزگار
شبے بود سر جوش لیل و نہار

شاعر نے اس مثنوی میں جدت خیالات، جدت تشبیہات و استعارات، جدت ادا، جدت تراکیب غرضے کہ ہر قسم کی جدتوں کے دریا بہا دیے ہیں اور آپ ﷺ کے اس علوی سفر کو منزل بہ منزل دکھلاتے ہوئے ہر فلک سے متعلق ابیات میں اسی فلک کے تلازمے استعمال کیے ہیں۔ صرف چند ابیات تبرکاً نقل کیے جاتے ہیں:

خداوند گیتی خریدار تست
شبت ایں لے روز بازار تست

☆

چنیں لشکر ناز سنگیں چرا
نہ طور اظہار تمکیں چرا

☆

بہ دور تو شدلن ترانی کہن
فصاحت مکرر نسنجد سخن

☆

ترا خواست گار ست بر ذات پاک
ہر آئینہ ازلن ترانی چہ باک

☆

نگویم کہ یزداں ترا عاشق ست
ولے زاں طرف جذبۂ صادق ست

☆

جہاں آفریں را خور و خواب نیست
تو فارغ بہ بستر چہ خسپی بایست ☆۲۹

☆

عطارد بآہنگ مدحت گری
زباں جست بہر زہاں آوری

☆

دریں صفحہ مدحے کہ من می کنم
خود از گفتۂ خود سخن می کنم

☆

کہ اے ذرۂ گرد راہ تو من
زخود رفتۂ جلوہ گاہ تو من

☆

نظر بجو حسن خداداد تو
ستم کشتۂ غمزۂ داد تو

☆

برفتار، رخش تو، اختر نشاں
بگفتار لعل تو، گوہر فشاں ☆[30]

☆

نہ در پنجہ زور و نہ در سینہ دم
فرو ماند بے حس چو شیر علم ☆[31]

☆

احد کسوت احمدی یافتہ
دم دولت سرمدی یافتہ

☆

بکوشش ز طبع وفا کوش او
ہماں میم او حلقۂ گوش او ☆[32]

غالب کا حسب ذیل نعتیہ قطعہ بھی کافی بیش بہا اور مشہور ہے۔ اس میں تین صاحب کتاب مرسلین کے قرب حق کے تلازمے بڑی خوب صورتی کے ساتھ نظم کیے گئے ہیں، جن سے نبی ختمی مآب ﷺ کے افضل المرسلین ہونے کی وضاحت ہوتی ہے۔

سہ تن ز پیمبران مرسل
گشتند بقرب حق مشرف
عیسیٰ ز صلیب و موسیٰ ز طور
ختم الرسل از براق و رفرف ☆[33]

غالب کے قصائد کی تعداد ۶۴ ہے، جن میں سے ایک توحید میں، ۲ نعت میں، ایک نعت و منقبت میں مشترک، ۸ منقبت میں اور بقیہ سلاطین و نوابین، امراء و ملکہ وکٹوریہ اور دیگر اکابر ملک و قوم کی مدح سرائی میں ہیں۔

جس نعتیہ قصیدہ کا مطلع ہے:

مراد نیست بہ پس کوچۂ گرفتاری
کشادہ روئے تراز شاہدان بازاری[۳۴]

اس میں (۶۵) اشعار ہیں۔ اس قصیدہ کے چند چیدہ اشعار ذیل میں رقم کیے جاتے ہیں۔

چو مژدہ دوست نوازم چو نغمہ خصم گداز
بدل زسادگی و بازباں ز پرکاری
بہشت ریزدم از گوشۂ ردا کہ مرا
زخوان نعت رسولست زلہ برداری
مطاع آدم و عالم محمد عربی ﷺ
وکیل مطلق و دستور حضرت باری
شہنشہے کہ دبیران دفتر جاہش
بہ جبرئیل نویسند عزت آثاری
افاضۂ کرمش در حقائق آفاق
بسان روح در اعضائے جانور ساری
افادۂ اثرش بر قوائم افلاک
بہ مشکل رعشہ بر اندام طاری
متاع او بہ تماشا سپرد ارزانی
حدوث او بقدم داد گرم بازاری[۳۵]

غالب کے دوسرے نعتیہ قصیدہ میں (۱۰۰) اشعار ہیں اور اس کا مطلع رقم ذیل ہے:

آں بلبلم کہ درچمنستاں بشاخسار
بود آشیان من شکن طرۂ بہار[۳۶]

اس قصیدہ میں مقامی رنگ کافی چوکھا ہے۔ نعت میں 'دہلی' اور 'بنگالہ' کا استعمال

ملاحظہ ہو:

داغے بدل ز فرقت دہلی نہادہ ام
کش غوطہ دادہ ام بہ جہنم ہزار بار

☆

بخت از سواد کشور بنگالہ طرح کرد
برخویش رخت ماتم ہجران آں دیار ☆۳۷

☆

قصیدہ کے درج ذیل شعر میں میم احمد کی بحث ملاحظہ ہو:

باید نخست میم ز احمد فراگرفت
کاں میم از میانہ رفت واحد گشت آشکار ☆۳۸

ایک اچھی نعت کی تخلیق کے لیے شاعر کی کدو کاوش ملاحظہ ہو:

می خواستم کہ شاید مدح تراکنم
دامان و جیب پر زگہر ہائے شاہوار
در پیچ و تاب عرض جنون شمار شوق
ابیات راز صد برسانم بصد ہزار
ہر لفظ را بقافیہ آرم ہزار جا
ہر پردہ را بولولہ سنجم ہزار بار
اما ادب کہ قاعدہ دان بساط تست
داد از نہیب حوصلۂ آزر افشار
از بسکہ ہر جگہ نمک دور باش ریخت
گردید خامہ درکنم انگشت زینہار
دیگر چہ گفت گفت کہ اے غالب حزیں
دیگر چہ گفت گفت کہ اے رند خاکسار

ہر چند شوق تشنۂ عرض عقیدت ست
اما توؤ ستایش ممدوح کرد گار
از ناکسی بنال و جبیں برز میں بسائی
کلک و ورق بیفگن و دست دعا برار
تاکسوت وجود شب و روز رابد ہر
از تاب مہر و پر تو ماہ ست پودو تار
تا سینہ راست نالہ در انداز کاؤ کاؤ
تادیدہ راست جوش نگہ ساز خار خار
تا سجدہ راست در رہ حق مژدۂ قبول
تا عذر راست بروز بخشش نوید بہار
عزم مجاہدان تو با چرخ ہمعناں
سعی موافقان تو با خلد ہم کنار
دایم زوضع چرخ ثوابت محیط باد
برتارک عدوے تو ابر تگرگ بار ☆۳۹

غالب کے تیسرے قصیدے کا مطلع درج ذیل ہے:

چوں تازہ کنم در سخن آئین بیاں را
آواز دہم شیوہ ربا ہمنفساں را ☆۴۰

اس قصید میں کل (۵۵) اشعار ہیں۔ اس کا عنوان ہے ''قصیدہ مشترک درنعت و منقبت'' اس میں مضامین نعت و منقبت باہم مدغم ہیں۔ حضرت حسانؓ نے اپنی ایک نعت میں حمد و نعت کا ادغام کیا ہے۔ اس نعت کا پہلا شعر ہے:

اغر علیه للنبوة خاتم
من الله مشهود يلوح و يشهد

ترجمہ: آپ ﷺ پر مہر نبوت درخشاں و تاباں ہے، وہ اللہ پاک کی جانب سے ایک دلیل ہے۔ وہ چمکتی ہے اور گواہی دیتی ہے۔ اختتام نعت پر حضرت حسان نے جو حمدیہ اشعار کہے

ہیں، وہ حسب ذیل ہیں:

تعالیت ربّ الناس عن قول من دعا
سواک الٰہا انت اعلیٰ و امجد

ترجمہ: اے لوگوں کے رب تیری شان اس کے قول سے بلند ہے جو تیرے علاوہ کو پکارتا ہے، تو بہت بلند اور بڑائیوں والا ہے۔

لک الخلق و النعماء کلہ
فایاک نستھدی و ایاک نعبد [☆۴۱]

ترجمہ: حیات آفرینی، نفع رسانی اور حکمرانی صرف آپ ﷺ کے لیے ہے۔ ہم آپ ﷺ ہی سے مدد چاہتے ہیں اور اے اللہ ہم آپ ہی کی پرستش کرتے ہیں۔

حضرت کعبؓ بن زبیر کے مشہور قصیدہ ''بانت سعاد'' میں نعت و منقبت کا دل کش ادغام ہے اور یہ ادغام منشائے رسول ﷺ کے عین مطابق ہے۔ آپ ﷺ نے اس قصیدہ کو سماعت فرما کر اس قصیدۂ نعت کے تخلیق کار سے فرمایا تھا ''کاش تم اس میں انصار کا ذکر خیر بھی کرتے کیوں کہ وہ اس کے مستحق ہیں''[☆۴۲] چناں چہ کعبؓ نے اس قصیدہ میں منقبت اصحاب رسول ﷺ کا اضافہ کر کے اشعار کی تعداد بڑھا دی۔

غالبؔ کے محولہ بالا قصیدہ سے چند چیدہ اشعار ملاحظہ ہوں:

گر بارخ عشاق تو تشبیہ دہندش
گلگونہ شود خلد بریں روئے خزاں را

نازم بکسانے کہ بہ تشبیہ خم تیغ
دیدند برا بروئے تو ماہ رمضاں را

رفتار تو آں کرد بافلاک ز شوخی
کز چاک بود خندہ بر افلاک کتاں را

ہر چند ثنا سنجۂ ہر راز شناسم
آں چشم نہاں بیں و ضمیر ہمہ داں را [☆۴۳]

از غالبؔ دل خستہ مجو منقبت و نعت
دریاب بہ خون جگر آغشتہ فغاں را [☆۴۴]

غالبؔ کی نعت گوئی کے سلسلے میں ایک اہم بات یہ ہے کہ انھوں نے وفورِ شوق میں جذبات کو بے لگام نہیں ہونے دیا بلکہ ہر جگہ پاسِ ادب ملحوظ رکھا ہے۔ چنانچہ وہ ایک نعتیہ قصیدہ میں اس امر کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

ہر چند شوق تشنۂ عرضِ عقیدت ست
اما تو و ستایش ممدوحِ کردگار

☆

از ناکسی نہال و جبیں بر زمین بسای
کلک و ورق بیفکن و دست دعا برار[☆45]

شاعر موصوف نے ایک دوسرے قصیدے میں اپنی کوتاہیوں اور غلطیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے مؤثر انداز میں پیغمبر ختمی مآب ﷺ سے فریاد کی ہے:

فریاد رسا داد زبے برگئ ایماں
کایں نخل بہ تاراج فنا رفت خزاں را[☆46]

شاعر اسی قصیدے کے ایک شعر میں کس حسرت سے کہتا ہے کہ عمر کے چالیس سال ہنگاموں میں گزر گئے اور دکان کا سرمایہ کھیل کود میں تلف ہوگیا۔

از عمر چہل سال بہ ہنگامہ سر آمد
سرمایہ بہ بازیچہ تلف گشت دکاں را[☆47]

غالبؔ اسی قصیدے کے ایک دوسرے شعر میں راقم طراز ہیں کہ اگر حشر میں سجدہ کا نشان ان کی پیشانی پر تلاش کیا گیا تو وہ کیا جواب دیں گے؟

گیرم کہ نہادم بود از سجدہ لبالب
اے وائے گر از ناصیہ جویند نشاں را
شرح آں ہمہ خود بیں دمن این مایہ سبک سر
کز ساقئ کوثر طلبم رطل گراں را[☆48]

غالبؔ نے عرفیؔ کی طرح نعت کے ضمن میں زوردار تعلّی کی ہے۔ انھوں نے ایک نعتیہ قصیدہ میں کہا ہے کہ وہ زمانہ گزر گیا، جب شعر و سخن میں میرے ہم عصر مجھ سے کبیدہ خاطر رہا کرتے تھے، اب تو میں شعرائے متقدمین کو بھی پیچھے چھوڑ چکا ہوں۔ شاعر نے اس

میں ''سومنات'' اور ''زنار'' سے مقامی فضا قائم کی ہے۔

مسنج شوکت عرفی کہ بود شیرازی
مشو اسیر زلالی کہ بود خوانساری
بہ سومنات خیالم در آئی تا بینی
رواں فروز بر دوش ہائے زناری

شاعر نے اس نعتیہ قصیدہ کی مدح میں حدوث و قدم کی نازک اور دقیق بحث سہل الفہم انداز میں چلائی ہے، پھر خود ہی معاملہ کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے کہا ہے:

چنیں کہ می نگرم جلوہ حجاب گداز
چہ مشکل ست دگر خویشتن نگہداری
می مشاہدہ پر زور و من ز سادہ دلی
خورم چو بیش کنم حرص بیش تر خواری
سخن مذاق دگر بافت شورشے دارد
نمک فشانیٔ مستی بہ مغز ہشیاری ☆۵۰

غالب کی نعتیہ شاعری کی امتیازی خصوصیات ہیں: الفاظ کا حسن انتخاب، ایجاز، رمزیت و ایمائیت، دُشوار پسندی، دل نشینی، تہ داری، ندرت اسلوب، حقائق نگاری، بندش کی چستی، ترتیب الفاظ میں موزونیت، عبارت میں متانت اور حلاوت کی لطیف آمیزش، واقعات کی سچی تصویر کشی، جاذب سامعہ موسیقی، جدت طرازی، الفاظ میں شکوہ کلام میں پختگی، بیان میں زور، فکر میں لطافت، تخیل میں بلندی، تشبیہات و استعارات میں ندرت، اظہار میں خلوص، اسلوب میں بداعت، صنائع و بدائع کا دل کش استعمال اور حفظ مراتب کا پاس... شاعر موصوف کی نعتوں سے کماحقہ مستفیض و مستفید ہونے کے لیے عصری حالات، مذہبی علوم، قرآنی اور اسلامی مصطلحات، انبیائے سابقہ و دیگر صلحائے عالم کے واقعات و واردات اور پیغمبر مدنی ﷺ کے متعلقین و متعلقات سے واقفیت اور فلسفیانہ مسائل سے روشناسی ضروری ہے...

حواشی و تعلیقات

☆۱۔ دیوان غالب، غالب صفحہ ۱۱) مطبع محبوب المطابع برقی پریس دہلی، بار سوم ستمبر ۱۹۶۱ء

☆۲۔ ایضاً ص ۱۲!

☆۳۔ ایضاً ص ۱۸۵

☆۴۔ ایضاً ص ۱۷۶

☆۵۔ نبی ختمی مآب ﷺ کی ذات گرامی افضل خلائق خداوندی و کل سرسبد کائنات ہے۔ آپ ﷺ کی ذات کے مافوق ذات الہٰ کے سوا کچھ نہیں ہے آپ ﷺ کی شان ارفع و اعلیٰ کی بابت جو کچھ بھی کہا جائے، وہ آپ ﷺ کی بلند و بالا شان سے فروتر ہے۔ کائنات میں کوئی شئے آپ ﷺ کے لیے مشبہ بہ بننے کی اہلیت نہیں رکھتی۔ ذات الہٰ اور ذات خاتم المرسلین کے مابین ''قاب قوسین او ادنیٰ'' کی حد بندی ہے۔ اس حد بندی کو توڑنا اور عبد کو معبود بنا دینا شرک ہے، جس کی بیخ کنی کے لیے آپ ﷺ مبعوث فرمائے گئے۔ حضرت مولانا عبدالعزیز محدث دہلوی نے درست فرمایا ہے:

یا صاحب الجمال و یا سید البشر
من وجہک المنیر لقد نور القمر
لایمکن الثناء کما کان حقہ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

ترجمہ: اے جمال والے اور اے سردار بشر! آپ ﷺ کے تابناک چہرے سے چاند روشنی حاصل کرتا ہے۔ آپ ﷺ کے شایان شان نعت کہنا ممکن نہیں۔ مختصراً یوں کہا جاسکتا ہے کہ خدا کے بعد آپ ﷺ ہی سب سے افضل ہیں۔

☆۶۔ کلیات غالب، (مکمل کلام فارسی مرزا اسداللہ خاں غالبؔ) غالب، مرتبہ امیر حسن نورانی، صفحہ ۶۰، ناشر راجا رام کمار بک ڈپو، وارث مطبع منشی نول کشور، سنہ اشاعت ۱۵ر فروری ۱۹۶۸ء

☆۷۔ مشہور حدیث ''لولاک لما خلقت الافلاک''... اگرچہ یہ حدیث کسی کتاب حدیث میں دیکھی نہیں گئی مگر مضمون اس کا صحیح ہے۔ الکلام المبین فی آیت رحمۃ للعالمین مؤلفہ مولانا مفتی محمد عنایت احمد، صفحہ ۳، حاشیہ ☆۲، مطبوعہ مطبع نامی لکھنؤ اشاعت اگست ۱۸۹۵ء بار دوم۔

☆۸۔ پارہ ۲۷، سورۃ النجم، آیت ۳ و ۴۔ ترجمہ اور نہ اپنی خواہش سے منہ سے بات نکالتے ہیں۔ یہ تو حکم خدا کہتے ہیں، جو بھیجا جاتا ہے۔

☆۹۔ پارہ ۲۶، سورۃ الفتح، آیت ۱۰۔ ترجمہ: وہ جو آپ کی بیعت کرتے ہیں، وہ اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔

☆۱۰۔ پارہ ۹، سورۃ الانفال، آیت ۱۷۔ ترجمہ: اے محبوب! وہ خاک جو آپ ﷺ نے پھینکی، آپ ﷺ نے نہ پھینکی، وہ اللہ نے پھینکی تھی۔

☆۱۱۔ پارہ ۱۴، سورۃ الحجر، آیت ۷۲۔ ترجمہ: آپ ﷺ کی جان کی قسم بے شک یہ لوگ اپنے نشہ میں بہک رہے ہیں۔

☆۱۲۔ پارہ ۲۷، سورۃ القمر، آیت ۱۔ ترجمہ: قیامت نزدیک آگئی اور چاند شق ہوگیا۔ اس سے پیوستہ شعر میں مہر نبوت کا ذکر خیر ہے۔ اس سلسلے میں حضرت سائبؓ بن یزید کی حدیث ملاحظہ ہو، جس میں مہر نبوت کی تشبیہ اس طرح رقم ہے ''فاذا ھو مثل زر الحجلۃ'' (تو وہ (مہر نبوت) مسہری کی گھنڈیوں جیسی تھی) شمائل ترمذی، امام المحدثین محمد بن عیسیٰ بن سورہ الترمذی، ترجمہ خصائل النبوی، مولوی محمد زکریا۔ صفحہ ۱۶، کتب خانہ، یحیوی، سہارنپور، (گھنڈی کبوتر کے انڈے کے برابر بیضوی شکل میں اس پردہ میں لگی ہوتی ہے، جو مسہری پر لٹکایا جاتا ہے)

☆۱۳۔ کلیات غالب، صفحہ ۶۱ ☆۱۴۔ ایضاً ۳۱۹

☆۱۵۔ ایضاً ۳۸۳ ☆۱۶۔ ایضاً ۴۲۲
☆۱۷۔ پارہ ۶، سورۃ المائدہ، آیت ۱۵ ☆۱۸۔ پارہ ۶، سورۃ النسا، آیت ۱۷۴
☆۱۹۔ پارہ ۲۲، سورۃ الاحزاب، آیت ۴۵ و ۴۶
☆۲۰۔ کلیات غالب، صفحہ ۳۸۳ ☆۲۱۔ ایضاً ص ۳۸۳

☆۲۲۔ "وما ارسلنک الا رحمتہ للعالمین" پارہ ۱۷، سورۃ الانبیاء۔ آیت ۱۰۷۔ ترجمہ: اور ہم نے آپ ﷺ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔

☆۲۳۔ "ما کان محمد ابا احد من رجالکم و لکن رسول اللہ و خاتم النبیین" پارہ ۲۲، سورۃ الاحزاب، آیت ۴۰ ترجمہ: محمد ﷺ تمھارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں۔ وہ تو اللہ کے رسول ہیں اور تمام انبیاء کے ختم پر ہیں۔

☆۲۴۔ کلیات غالب، ص ۳۸۹ و ۳۹۰

☆۲۵۔ پارہ ۲۲، سورۃ الاحزاب، آیت ۵۶

☆۲۶۔ کلیات غالب، ص ۴۱۹

☆۲۷۔ ایضاً ص ۴۲۱ و ۴۲۲

☆۲۸۔ سبحٰن الذی اسریٰ بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ الذی بٰرکنا حولہ لنریہ من اٰیٰتنا انہ ھو السمیع العلیمO پارہ ۱۵، سورۂ بنی اسرائیل، آیت ۱۔ ترجمہ: پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصا تک لے گئی۔ جس (مسجد اقصا) کے گرداگرد ہم نے برکت دے رکھی ہے کہ ہم اسے ﷺ اپنی عظیم الشان نشانیاں دکھائیں۔ بے شک وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

معراج کے لغوی معنی زینہ ہیں۔ عرف عام میں رجب کی ستائیسویں شب کو سنہ نبوی میں نبی ختمی مآب ﷺ کے مسجد حرام سے مسجد اقصا اور وہاں سے آسمان اور پھر اس کے آگے عجائب ملکوت و غرائب قدرت کا مشاہدہ کرتے ہوئے ملا اعلیٰ تشریف لے جانے اور خالق کائنات سے شرف ملاقات حاصل کرنے اور دیدار الٰہی سے مستفیض ہونے کے واقعہ کو معراج کہتے ہیں۔ لفظ معراج کا مادہ ع۔ ر۔ ج ہے چوں کہ احادیث میں الفاظ "عرج بی" استعمال فرمائے گئے ہیں۔ اس لیے اس واقعہ مبارکہ کے لیے معراج لفظ مخصوص ہوگیا۔ معراج کے معنی زینہ بھی ہیں۔ چوں کہ عروج و ارتقا منزل بہ منزل ہوا تھا، اس لیے واقعہ باطنی کے لیے یہ ظاہری تشبیہ بھی خوب ہے۔ حدیثی و قرآنی حوالہ جات کے لیے راقم کی کتاب "نعتیہ شاعری کا ارتقاء ص ۲۴۳ (عربی و فارسی کے خصوصی مطالعہ) کی طرف رجوع کریں۔ آزاد

☆۲۹۔ کلیات غالب۔ ص ۴۲۴ و ۴۲۵

☆۳۰۔ ایضاً ص ۴۲۷ و ۴۲۸ ☆۳۱۔ ایضاً ص ۔ ۴۳۳ ☆۳۲۔ ایضاً ص ۴۳۷
☆۳۳۔ ایضاً ص ۸ ☆۳۴۔ ایضاً ص ۴۷۳ ☆۳۵۔ ایضاً ص ۴۷۴ و ۴۷۵
☆۳۶۔ ایضاً ص ۴۷۷ ☆۳۷۔ ایضاً ص ۴۷۹ ☆۳۸۔ ایضاً ص ۴۸۰
☆۳۹۔ ایضاً ص ۴۸۱ و ۴۸۲ ☆۴۰۔ ایضاً ص ۴۸۲

☆۴۱۔ الانصار، ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزاد فتح پوری، ص ۲۵۶ و ۲۵۷، مطبوعہ نظامی آفسیٹ پریس لکھنؤ اشاعت ۱۹۹۲ء

☆۴۲۔ سیرت النبی کامل، ابن ہشام، مترجمہ۔ مولانا عبدالجلیل صدیقی و مولانا غلام رسول مہر ص ۶۱۹، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس دہلی نمبر ۳، اشاعت ۱۹۸۵ء

☆۴۳۔ کلیات غالب، ص ۴۸۳، ۴۸۴ ☆۴۴۔ ایضاً ص ۴۸۵
☆۴۵۔ ایضاً ص ۴۸۱ ☆۴۶۔ ایضاً ص ۴۸۴
☆۴۷۔ ایضاً ص ۴۸۴ ☆۴۸۔ ایضاً ص ۴۸۴
☆۴۹۔ ایضاً ص ۴۷۴ ☆۵۰۔ ایضاً ص ۴۷۵

ادیب رائے پوری۔ کراچی

غالبؔ کے فارسی کلام میں نعت

غالبؔ شعر و سخن کے سرگم سے واقف اور ساتوں سروں سے مکمل آگاہ تھا بلکہ اپنے ساز سخن سے کئی راگ امیر خسرو کی طرح ایجاد کیے تھے، یہ سات سروں کی بات عجیب ہے سارے عالم پر یہ عہد محیط ہے، غالب اس تخلص کے اعداد کو ہی دیکھئے۔ غ کے ہزار الف کا ایک، لام کے تیس اور ب کے دو جملہ ایک ہزار تینتیس جس کا مجموعہ سات ہے۔ شاید ڈاکٹر سہیل بخاری بھی اس فن کے موسیقار ہوں جنھوں نے ''غالب کے سات رنگ'' تصنیف فرمائی۔ ہفت آسمان، ہفت سیارگان، قوس و قزح کے سات رنگ، کعبہ کے سات طواف، صفا مروہ کی سات دوڑ، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جس پتھر پر حکم ربی سے عصا مارا اس سے پانی کے سات چشمے پھوٹے، اس عدد کی تفصیل بہت ہے۔ غالب کے کلام میں حسن اور کمال کی یکجائی نے جس ادبی قوس و قزح کے رنگ بنائے یہ ان کے اپنے عدد کا کمال تھا۔ یہی سبب ہے کہ ان کے کلام میں موسیقیت رچی بسی ہوئی ہے۔ اس موضوع پر تفصیل سے بہت جلد میرا تحقیقی مقالہ، غالب کی نعتیہ شاعری ''منظر عام پر آپ جیسے محب اور پرخلوص احباب کی دعاؤں کے نتیجہ میں آنے والا ہے جو غالب کے سر ساگر سے روشناس کرائے گا جس کی ہر تان دیپک ہے۔

غالب کی نعتیہ شاعری پر تحقیق اور پھر اس پر تنقید کا جو حق ادا ہونا تھا بصد افسوس کہتا ہوں کہ نہ ہوسکا۔ غالب کی نعتیہ شاعری کا مرحلہ بعد کا ہے ماقبل نعتیہ ادب پر ہی کیا کام ہوا اردو ادب میں میلاد ناموں کا سفر جنوبی ہند سے شروع ہوا، میں محمد حسین المعروف خواجہ بندہ نواز گیسودراز کا عہد ہے جو حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلیؒ کے خلیفہ مجاز ہیں یعنی نعتیہ

ادب کی تاریخ اردو غزل کی تاریخ سے قدیم ہے۔ پانچ سو سال کا طویل عرصہ ہے شمالی ہند میں گیسوئے اردو کو سنوارنے کی جدوجہد جس طرح نظر آتی ہے نعتیہ ادب کا میدان ایسی ہی کوششوں سے یکسر خالی ہے، یہ تصور کن کا ہے، معذرت کے ساتھ وہ اس عہد کے مولوی ہوں جنھیں دعویٰ علم تھا یا وہ نقادان سخن ہوں جن کے ہاتھوں میں تخلیقی ادب کے موتی تولنے کا ترازو تھا۔ آج کا نقاد تین صدیوں سے بھی قبل کی نعتیہ شاعری جو میلاد ناموں کی قباء زیب تن کر کے منظر پر آئی، اعتراض کی بوچھاڑ کرتا نظر آتا ہے لیکن اس عہد میں جب اس کی اصلاح کا وقت تھا، ان نقائص علمی و ادبی پر نہ کسی پیر پارسا کی نظر گئی، نہ ہی شیوخان ادب کی، ایسی علمی ادبی کس مپرسی کے ماحول میں کسی نے دست گیری کی تو وہ اس عہد کا تصوف تھا، حیرت کی بات ہے کہ زبان و بیان کے گیسو سنوارنے کا آغاز شمالی ہند سے ہوا۔ لیکن یہاں بھی نعتیہ ادب سے کسی میں لگاؤ نہیں پایا جاتا۔

غالب کی غزل کے حسن بیان کا پہلا دریچۂ تعارف حالیؔ نے کھولا۔ اس تنقید یا تبصرہ کا آغاز حالی کا مرہون منت ہے جس کے بعد آزاد، شبلی اور اس عہد کے نقاد کی کڑیاں آج ہمارے عہد کے نقادان ادب کی کثیر تعداد سے جا ملتی ہے۔ اردو، فارسی، انگریزی اور دیگر زبانوں میں اتنا کام ہوا ہے کہ حیرت کا مقام ہے اس حیرت کا سبب آئندہ سطور میں آ رہا ہے، غالب پر جتنا کام ہوا ہے آج سے بہت پہلے عروس البلا کراچی کی مشہور و معروف ادبی شخصیت پروفیسر سحر انصاری نے اس کی تفصیل افکار کے غالب نمبر میں پیش کی ہے، یہ سلسلہ ڈیڑھ سو سال سے جاری ہے اور غالب کے کلام بلاغت نظام کی فصاحت معنی آفرینی اور اس کے کلام کی جملہ خوبیوں پر لکھنے والوں کی تعداد کا شمار مشکل ہے، غالب اس طرح نقادان ادب کی فکری استعداد اور صلاحیتوں پر چھایا ہوا ہے کہ اس کی مخصوص تراکیب اور اختراع پسندی بعض اہل قلم کی تصانیف کا عنوان بن گئی۔ علامہ اقبال کی ''بال جبریل''، سجاد انصاری کی محشر خیال اور رشید احمد صدیقی کی ''گنجہائے گراں مایہ'' کی طرح، عزیز حامد مدنی، فیض احمد فیض، فراق گورکھپوری، عبدالعزیز خالد، عبادت بریلوی، کنہیالال کپور اور نہ جانے کتنے اہل فکر و نظر نے اپنے فکری سرمایہ کو جب قرطاس پر لایا تو عنوان غالب کی مخصوص ترکیب ہی کو بنایا۔ ''نقش فریادی''، ''دست تہ سنگ''، ''لذت سنگ''، ''گویا دبستاں کھل گیا''، ''دشت امکاں''، ''خون جگر ہونے تک'' ''شہر آرزو''، ''چند تصویر بتاں''، ''سحر ہونے تک''، ''سنگ وحشت''،

''شمع ہر رنگ میں جلتی ہے''، ''درد چراغ محفل''، ''خانہ زنجیر''، ''کاغذی ہے پیرہن'' اور ایسی لاتعداد تراکیب غالب کے اشعار سے تبرکا لیں۔ شاید علامہ اقبال نے اس میں پہل کی کہ وہ حکیم الامت تھے۔ غالب نے کہا:

تیرا انداز سخن شانۂ زلف الہام
تیری رفتار قلم جنبش بال جبریل

اور واپس اپنے اس جملہ کی طرف آتا ہوں جو پہلے رقم ہوا کہ ''حیرت کا مقام ہے'' کہ علماء کی کثیر تعداد میں جن میں ایسے بزرگ بھی شامل ہیں جنھوں نے اپنی اغراض کے لیے انگریز کی شان میں قصیدہ پیش کیا کہ تھانہ بھون میں ریلوے اسٹیشن نہیں تھا اس غرض کے لیے جو قصیدہ لکھا اس میں گلبرٹ صاحب کے لیے مشکل کشا کا لفظ ایک جید عالم نے تحریر کیا۔ لیکن افسوس کہ ان پیران پارسا اور شیوخان ادب کی خانقاہ تحقیق میں نعتیہ شاعری کو شرف باریابی نہ مل سکا جس کے نتیجہ میں ہمارا روحانی ادب اپنے ماضی میں مفلسی کا آئینہ دار نظر آتا ہے۔

ہندو تہذیب کے ملے جلے ردعمل کے نتیجہ میں اس عہد کے میلاد ناموں میں ضمنیات کا جو حصہ شامل ہوگیا وہ تمام شاعری پر حاوی نہیں یہ بات میری تحقیق میں خال خال ہے لیکن اسی خال کو لے کر آج کا نقاد بال کی کھال جو نکال رہا ہے اسے ہم مشرب ماضی کے تنقید نگاروں سے زیادہ باز پرس کرنا چاہیے۔ اس فقیر نے میلاد ناموں کے حوالوں سے اپنی تصنیف ''نعتیہ ادب میں تنقید اور مشکلات تنقید'' میں سیر حاصل بحث کی ہے۔ اور یہ بات دلائل کے ساتھ پایۂ ثبوت کو پہنچائی ہے کہ اگر اردو غزل کی طرح نعتیہ شاعری جس کا آغاز جنوبی ہند سے میلاد ناموں کی صورت میں ہوا، تنقید کی مقراض چلائی جاتی تو اس عہد کی یہ روح پرور اور ایمان افروز نعتیہ شاعری آج کے تنقید نگار حضرات کو نشانہ بازی کی اجازت نہ دیتی۔ یہ بات یوں کہہ کر بھی ٹالی نہیں جاسکتی کہ نعتیہ ادب اتنا قدیم ہے کہ اس عہد میں ادب میں تنقید کا رجحان نہیں تھا۔ اپنے مقالہ ''تنقید اور مشکلات تنقید'' میں ایسی کم زور باتوں کا مکمل رد کیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ تنقید کا عمل تخلیق کے ساتھ ساتھ شروع ہوجاتا ہے اور بعض منکرین ادب نے بجا خیال پیش کیا کہ بسا اوقات تخلیق سے پہلے تنقید کا عمل ہوتا ہے جو تخلیق کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ اب اگر اس نظریہ کو جو ناقابل تردید ہے، درست مان کر غالب کی نعتیہ شاعری پر عمل تحقیق و تنقید کا جائزہ لیں تو اس دفتر کا پہلا صفحہ بھی مکمل

نہیں ہوسکا۔

میں صبیح رحمانی کی کاوشوں کو خراج تحسین پیش کرتا ہوں کہ جس کی محنت، لگن اور جذبہ نے عروس البلاد کراچی کے اہل قلم کا سر فخر سے بلند کردیا جن کی نعتیہ ادب پر تنقیدی تحریریں اپنی قبولیت اور شہرت کے لیے ملک کی جغرافیائی حدود عبور کر چکی ہیں۔ محترم صبیح رحمانی اس گوشہ نشین کو مجبور کرتے ہیں کہ جو کام خاموشی سے کر رہا ہوں اسے منظر عام پر لانے میں تکلف نہ برتیں ورنہ:

زحمت احباب نتواں داد غالب بیش ازیں
ہرچہ می گوئیم بہر خویش می گوئیم ما
(غالبؔ)

یا پھر یوں سمجھئے:

غالب ہے ادیب، ان کا کرم، میرے سخن پر
مقصود نہ شہرت ہے نہ دعویٰ مرے آگے
(ادیبؔ)

ایک مصور جو مصوری کے کمال میں اپنا جواب یا ثانی نہیں رکھتا وہ دلدادۂ حسن فطرت اور کمال فن جس جانب رخ کرے گا اس کی فنی صلاحیتیں قدم بہ قدم اس کے ساتھ چلیں گی، وہ کہسار اور دامن کہسار کی تصویر کشی کرے۔ چمن زاروں اور آبشاروں کی خموشی اور شور تلاطم کو پیکر عطا کرے، تاج محل کا عکس جمنا کے شفاف پانی پر بنائے یا بوڑھے کسان کو ہل چلا کر خوشۂ گندم کی پرورش کرتے دکھائے، اس کا فن اس کے جذبات و احساسات کی تصاویر بناتا جائے گا۔ غالب، کیا صرف حسن وعشق کی داستان یا اپنی ذات پر گزرنے والی کرب پیہم کی کیفیات ہی کا نام ہے؟ اس کی مایوسیوں، مجبوریوں اور پشیمانیوں میں اس کا ذہن خالق حقیقی اور اس کے محبوب سے نسبت کو، امیدوں کو، اس کے ٹوٹے ہوئے حوصلوں کو بڑھاتا رہا ہے۔ بے شک غالب نے روایت سے بغاوت کی اور یہی بغاوت تھی جس نے اسے اوروں سے ممتاز کردیا، جس پہلو سے بھی اسے دیکھیں وہ اپنے عہد کے سخنوروں سے جدا ہے، الفاظ و معانی میں اس کی جدت طرازی کا مرغ بلند پرواز دام روایات میں نہ آسکا یہی صورت اس کے مذہبی جذبات کی بھی ہے اگرچہ اس کی شوخ کلامی اس کا طرۂ امتیاز ہے لیکن

باخدا دیوانہ باش و بامحمد ﷺ ہوشیار کے اسلامی اصولوں کو نظر میں رکھ کر وہ ذات باری تعالیٰ کے حضور پیش ہوتا ہے تو اپنی شوخی سے باز نہیں آتا لیکن حد ادب کی بجا بھی زیب تن کیے رہتا ہے۔ اپنے خالق کی بارگاہ میں بصد عجز و انکسار، اعتراف گنا اور خطاپوشی و درگذری کے لیے نغمہ سرا ہوتا ہے تو الفاظ میں وہی سحر انگیزی کے ساتھ شوخی میں جو کچھ کہتا ہے اس انداز سے کہنے والا ہمارے ادب میں کوئی دوسرا نظر نہیں آتا جو اسی طرح دیوانہ باشی کا مظاہرہ کرے۔ کون ایسا شاعر ہے جو اپنے خالق کی بارگاہ میں اپنی عقیدت کا نذرانہ لے کر حاضر نہ ہوا ہو، لیکن کوئی ایک تو بتائیے جو غالب پر سبقت لے جاتا تو محال اس کے قدم بہ قدم چلے جس کا یہ عالم ہو کہ وہ مشاہدہ حق کی گفتگو بھی بادۂ ساغر کے بغیر نہ کرے۔

وہ اپنے پروردگار کے حضور پیش ہوتا ہے تو بے شمار تمہیدی کلمات، جو اس کی سخن طرازی کا طرۂ امتیاز ہیں، کے بعد اپنے گناہوں کی بخشش کے لیے محشر خیال سے ایک منظر روز حساب کا پیش کرتے ہوئے کہتا ہے کہ جب سارے انسان جمع ہوں گے یعنی جسم اور جان ایک مرتبہ پھر ہم آہنگ کر دیے جائیں گے اس وقت ان اصحاب کو جنھیں اپنے سرمایۂ آخرت پر ناز ہوگا وہ اپنے اپنے گہرہائے شہوار پیش کریں گے۔ وہ لوگ اپنے نور سے چشم جہاں کو روشن کریں گے۔ انھیں جگر گوشگاں کے ساتھ ساتھ کئی قسمت کے مارے بھی ہوں گے اور اس مجمع میں یہ سینہ فگار (غالب) بھی ہوگا، گردش روزگار کا مارا ہوا، جس کا بدن بسبب خوف اپنے سایہ سے بھی فرار ہوگا۔ دل اس کا غموں سے شکستہ اور داغ دار ہوگا۔ (غالب اپنی آپ بیتی کی تصویر اختصار سے اپنے رب کے حضور کس خوب صورتی سے پیش کرتا ہے)

بروزے کہ مردم شود انجمن
شود تازہ پیوند جاں با بتن
گہر ہائے شہوار پیش آورند
فروہیدہ کردار پیش آورند

(فروہیدہ بہ معنی درست کردار)

زنوری کے ریزند و خرمن کنند
جہان رابخود چشم روشن کنند

بہ ہنگامہ با ایں جگر گوشگاں
در آیند مشتے جگر توشگاں
درآں حلقہ من باشم و سینہ ای
زغم ہائے ایام گنجینہ ای
تن از سایۂ خود بیم اندروں
دل از غم بہ پہلو دو نیم اندروں

غالب جانتا ہے کہ جس کے حضور میں اپنا حال پریشان بیان کررہا ہوں وہ اپنی ذات و صفات میں عالم الغیب ہے۔ غالب نیکوکاروں اور عاصیوں کو جدا جدا کرکے دکھاتا ہے اس لیے کہ نیکوکار بہتر ہے وہ بندے جو اعمال صالح کے سبب بخشش و جنت کے حق دار ہوں گے یہ رحمت تیری پھر کن کی جانب جائے گی کن سے رحمت کی طلب گاری کی تمنا کرے گی اُس وقت یہ غالب ہی تو ہوگا جو تیری رحمت کو جوش میں لائے گا۔ جب وہ کہے گا کہ میں نے دنیا میں رہ کر جو شب و روز گزارے اور جس طرح گزارے اب میں مستحق ہوگیا ہوں کہ مجھے میری اس بے کسی پر بخش دے کیا میرے بخشنے کے لیے میری درماندگی، مایوسی، بے کسی کافی نہیں ہے یہ میری حسرتوں کی مسلسل پامالی، محرومی و خستہ حالی تو ذرا دیکھ

بخشای بر ناکسیہای من
تہید ست و درماندہ ام وائے من

اتنا کہہ کر وہ اپنی شوخ مزاجی کو پیرہن ادب میں ملبوس کرتا ہے اور کہہ دیتا ہے:

بدوش ترازو منہ بار من
نسنجیدہ بگوار کردار من

یعنی میرے کردار پر یہ کیا بات ہوئی کہ اب میرے اعمال کو ترازو میں تولے گا۔ یہاں سے التجا کے ساتھ مکالمہ کا یک طرفہ انداز ہوگیا ہے۔ عبد و معبود کے درمیان عجیب انداز ہے اے پروردگار تو نے غالب کو تمام عمر عیش و نشاط سے محروم رکھا، میری ہر تمنا میری ہر حسرت دم توڑ گئی ان سب کو تو کس طرح ترازو میں تولے گا۔ یہ ترازو تو اعمال کے لیے ہے جو بیش و کم کا حساب بتاتا ہے۔ پھر کہتا ہے کہ اگر مآل کار تیری مشیت کا یہی تقاضا ہے کہ بندہ سے اس کے اعمال کی پرسش کی جائے تو پھر غالب کو بھی کہنے کا یارا بخشدے کہ مجھے جو کہنا ہے میں بھی وہ

کہہ دوں۔

وگر ہم چنیں است فرجام کار
کہ می باید از کردہ راندن شمار
مرا نیز یارائے گفتار دہ
چوگویم برآں گفتہ زنہار دہ

فارسی زبان و بیان کی لطافتوں کے ساتھ خدائے قدوس کی بارگاہ میں مناجات کا یہ انداز اس کی انفرادیت کا آئینہ دار ہے۔ دیکھئے اب وہ اپنی مغفرت کی التجا کا رخ کس طرح بدلتا ہے کہتا ہے اے میرے رب مجھے اتنا بتا دے کہ میرے حصہ میں تیرے غضب کے سوا اور کیا تھا اوروں کا حاصل تو عمل تھا مگر میری ہستی کا پھل فقط الم ہی رہا اور اگر یہ سیلاب بلا تیری ہی جانب سے تھا تو پھر یہ اعمال کی پرسش آخر کیا ہے۔ اب مجھے رہائی دے کہ میں حسرت کا مارا ہوا ہوں اور دم سرد سے یخ بستہ۔ سمجھ لے کہ میری بخشش ہوگئی۔ گھانس کا ایک پر تھا جسے ہوا اڑا کر لے گئی۔

نہ من باخود از ہر چہ سنجد خیال
ندارم بغیر از نشان جلال
اگر دیگراں رابود گفت و کرد
مرا مایۂ عمر رنجست و درد
چہ پرسی چوں آں درد ورنج از تو بود
غمی تازہ در ہر نورد از تو بود
فرو ہل کہ حسرت خمیر من است
دم سرد من زمہریر من است

(زمہریر: وہ خطہ جہاں پانی جم کر سرد و یخ ہوجاتا ہے)

پھر وہ نہایت پرجوش انداز میں کہتا ہے کہ اگر مجھے دوزخ میں ڈال دیا گیا تو میرے جلنے سے جو دھواں ہوگا وہ تاریکیوں کو اور بڑھا دے گا ان تاریکیوں میں وہ آب بقا بھی نہ ہوگا جو خضرؑ کو ملا تھا۔ جرأت اظہار اور حد ادب کا امتزاج ان اشعار میں حسن بیان کی جان ہیں۔ کہتا ہے تجھے یہ خبر ہے کہ میں کافر نہیں ہوں اور یہ بھی تو جانتا ہے کہ سورج اور

آذر کا پجاری نہیں ہوں یعنی کفر اور شرک سے پاک ہوں۔

ہمانا تو دانی کہ کافر نیم
پرستار خورشید و آذر نیم

نہ ہی میں نے اہرمن کی طرح کسی کا قتل کیا ہے اور نہ ہی راہزن کی طرح کسی کو لوٹا ہے۔

نہ کشتم کسے را با ہر یمنی
نہ بردم کسے مایہ از رہزنی

یعنی کفر اور شرک وہ گناہ ہیں کہ جس کے ارتکاب کی معافی نہیں۔ قتل اور رہزنی وہ گناہ ہیں جو حق العباد کے زمرہ میں آتے ہیں اور ان کی بھی معافی نہیں۔ غالب نے ان میں سے کوئی گناہ نہیں کیا اور پھر کیا خوب شوخی ہے ملاحظہ کیجیے:

مگر مئے کہ آتش بگورم از وست
بہ ہنگامہ پرواز مورم از وست
من اندوہ گیں و مئے اندہ ربائی
چہ می کردم ای بندہ پرور خدائی

مگر یہ مئے جو میری محبوبہ جاودانی ہے تو جانتا ہے کہ میں کس قدر اندوہ گیں تھا اور یہ مئے دلربا اے بندہ پرور اگر نہ پیتا تو پھر کرتا بھی کیا۔ اپنی وکالت میں پہلے ان گناہوں سے اجتناب کا ذکر کیا جن کے ارتکاب سے معافی نہیں۔ شمار عصیاں سے برأت کی بات کہہ کر پھر بصد انداز شوخی و بصد ادب ''دیوانہ باشی'' کہ مئے نوشی یہی ایک میرا جرم ہے اور یہ بھی میری غمگینی کا ردعمل تھا۔ اب اس جرم سے نجات کے لیے کیسے کیسے عذر پیش کرتا ہے ملاحظہ کیجیے:

حساب مئی و رامش و رنگ و بوئے
زجمشید و بہرام و پرویز جوئی
کہ از بادہ تا چہرہ افروختند
دل دشمن و چشم بد سوختند
نہ از من کہ از تاب مئی گاہ گاہ
بدریوزہ رخ کردہ باشم سیاہ

نہ بستاں سرائی نہ میخانہ ای
نہ دستاں سرائی نہ جانانہ ای
نہ رقص پری پیکراں بر بساط
نہ غوغائے رامش گراں در رباط
تمنائے معشوقہ بادہ نوش
تقاضائے بیہودۂ مئے فروش

غالب کہتا ہے کہ میری مے نوشی کا حساب لینا مشیت میں شامل ہے مگر کن سے لے جمشید سے لے، بہرام سے لے، خسرو پرویز سے حساب لے نہ یہ غالب کہ جس نے مانگ مانگ کر کبھی کبھار پی اور منت میں اپنا چہرہ سیاہ کرلیا۔ میرا تو نہ خیاباں تھا نہ میخانہ میرا تھا جہاں نہ کوئی مہ لقا تھی جو داستاں سرائی کرتی نہ وہ محفل کہ جہاں پری پیکروں کا رقص ہوتا۔ میں تو ساری عمر تمنائے معشوقہ بادہ فروش میں رہا یا پھر (اُدھار لے کر کبھی پی لی) تقاضائے بے ہودۂ مے فروش میں رہا۔ ان اشعار کے بعد غالب نے اپنی حسرتوں اور تمناؤں کی پامالی کا جن لفظوں میں بیان کیا ہے وہ اسی کا کمال ہے جسے طوالت کے خوف سے نہیں دے رہا ہوں۔ یہاں ایک پہلو ان التجاؤں اور مکالمہ کی یک طرفہ صورت میں اور بھی ہے غالب کہہ رہا ہے کہ جس کے حضور تو پیش ہوا ہے وہ عالم الغیب ہے اور اس سے تیری کوئی بات پوشیدہ نہیں ہے کیا خبر تیری حسن گوئی اور بیباکی کے سبب وہ تجھ سے راضی ہوجائے اور دوسری بات یہ بھی کہ روز محشر سے پہلے تو تیری کوئی حسرت نہ نکلی اور تجھے اسی بات کا غم ہے آج ان مسرتوں کا ذکر کر کے اپنی یہ حسرت تو نکال۔ جن اشعار کو طوالت کے خوف سے پیش نہیں کیا ان کا خلاصہ پیش کرتا ہوں جس سے غالب کی حق گوئی کا اندازہ ہوگا۔

کہتا ہے جب شب ماہ ہوتی ہے افق پر جب جب گھٹائیں چھا جاتی ہیں تو میرا پیالہ اس موقع پر تہی ہوجاتا ہے جب بارشیں ہوتی ہیں تو محرومی کے سبب وہ خواہ شب ماہ ہو میرے لیے تاریک ہوجاتی ہے، جب چمن میں بہار آتی ہے تو میں مثل بے برگ و ساز دروازہ بند کر کے وقف نیاز ہوجاتا ہوں۔ دنیا میں مری ہستی ایسی گراں بار تھی گویا جسم میں میری جاں نہ تھی خار ہی خار تھے۔ پھر کس ادا کے ساتھ اپنے اعمال کو ترازو پہ تولے جانے کے خیال سے کہتا ہے کہ میرے دفتر اعمال میں جو بھی خطائیں رقم ہوئی ہیں ان کے مقابل

ایک ایک حسرت بھی درج ہے جو بہت جاں گداز ہے اب تو ہی بتا کہ انصاف کیسے ہو یعنی میری خطاؤں سے میری حسرتیں زیادہ ہیں۔

بہر جرم کز روئے دفتر رسد
زمن حسرتی در برابر رسد
بفرمائی کایں داری چوں بود
کہ از جرم من حسرت افزوں بود

اس انداز بیان کو مندرجہ ذیل اشعار پر ختم کرتا ہوں جن میں وہ رحمت باری تعالیٰ کو جوش میں لانے کے لیے کیا کیا نہیں کہتا:

بدیں مویہ در روز امید و بیم
بگریم بد انساں کہ عرش عظیم
شود از تو سیلاب را چارہ جوئی
تو بخشی بداں گریہ ام آبروئی
وگر خون حسرت ہدر کردہ ای
زپاداش قطع نظر کردہ ای
گزشتم زحسرت، امیدیم ہست
پپید آب روئی سپیدیم ہست
کہ البتہ ایں رند نا پارسا
کج اندیشہ گبر مسلماں نما
پرستار فرخندہ منشور تست
ہوا دار فرزانہ "وخشور ﷺ" تست

("وخشور" بہ معنی نبی کریم ﷺ) (حسن اللغات فارسی)

بند امید استواری فرست
بغالب خط رست گاری فرست

کہتا ہے کہ میرے جرموں سے اگر میری حسرت سوا ہے تو پھر مرے جیسے انسان کو عقوبت نہیں تلافی ملنی چاہیے، وگرنہ روز امید و بیم اس قدر گریہ کروں گا کہ عرش عظیم کہے گا

کہ مجھے سیلاب سے بچا لہٰذا مجھے میرے اس انتہائی گریہ کے سبب بخش دے لیکن اگر تو نے میری مسرتوں کا خون روا ہی رکھا ہے تو میں اپنی حسرت سے گزرا (گزشتم ز حسرت) تو، مجھے امید سحر تاب ہے کہ یہ رند ناپارسا جو مسلمان نما، کج اندیشہ گیر ہے یہ تیرے دین کا جان سے پرستار ہے اور رسول اللہ ﷺ کا ہوادار ہے یعنی عاشق ہے (ہوادار فرزانہ وخشور ﷺ تست) اب اس عطاء بند اُمید کو ثبات ہو اور غالب کو نجات کی تحریر پہنچے۔

یہ قول ہمارے ادب کا قیمتی جملہ ہے جو فارسی زبان کی لطافت کے ساتھ روحانی اقدار کا حوالہ ہے۔ ''باخدا دیوانہ باش و با محمد ﷺ ہوشیار'' اس قول کے دو جزو ہیں، غالب نے پہلے جزو میں دیوانہ باشی کے حصہ کو طاق اقوال سے اتار کر جس طرح برتا ہے وہ بے نظیر و بے مثال ہے۔ شوخی اور حد ادب کا امتزاج عجب انداز سے ہے۔ غالب کی فکر اور اس کی رسائی کو علامہ اقبال نے کچھ اس طرح خراج پیش کیا:

فکر انساں پر تیری ہستی سے یہ روشن ہوا
ہے پرے مرغ تخیل کی رسائی تا کجا
تھا سراپا روح تو، بزم سخن پیکر ترا
زیب محفل بھی رہا، محفل سے پنہاں بھی رہا
(اقبالؒ)

غالبؔ کو خود اپنے حسن بیاں پر جو ناز تھا اس بابت اردو اور فارسی میں بہت کچھ کہا لیکن اپنے کلام پر حرف گیری بھی اس کو گوارا نہ تھی چناں چہ عجب انداز میں اس نے یہ بات ایک شعر میں کہی:

لکھتا ہوں اسد سوزش دل سے سخن گرم
تا رکھ نہ سکے کوئی میرے حرف پہ انگشت
(غالبؔ)

جس پہلو سے وہ کسی واقعہ کو دیکھتا اور پھر جس انداز سے اسے پیش کرتا بہ قول اقبالؔ اس کے مرغ تخیل کی رسائی کا اعلیٰ نمونہ ہوتی۔ واقعہ طور کو ہی لیجیے بیشتر شعرا نے اس مضمون کو اپنی بساط فکر کے مطابق باندھا ہے اور ہر خیال نے دوسرے خیال پر سبقت لے جانے کی کوشش کی ہے۔ غالب نے جس طرح اسے پیش کیا اس میں قرآنی آیات کے

مفہوم کو بھی اپنے اندر جذب کیے ہوئے ہے اور ندرت بھی ساتھ ساتھ اپنا کمال کا جلوہ دکھا رہی ہے:

گرنی تھی ہم پہ برق تجلی نہ طور پر
دیتے ہیں بادہ ظرف قدح خوار دیکھ کر
(غالبؔ)

اب دیکھیے کہ اس شعر کا حسن یہ کہ اس کے دو طرح معنی لیے جاسکتے ہیں یعنی نہ ہم پر برق گرتی تھی نہ طور پر اور دوسرے معنی جو قریب تر ہیں کہ برق تجلی تو ہم پر گرنی چاہیے تھی نہ کے طور پر اور پھر دوسرے مصرعہ میں شوخی نمایاں ہے کہ ظرف قدح خوار دیکھ کر ہی بادہ دیا جاتا ہے بھلا طور اس کا متحمل کہاں ہوتا۔ یہ غالب کا اپنا شوخ انداز ہے، کرشمۂ قدرت پر نعوذ باللہ اعتراض نہیں۔ جیسا کہ اس نے ترازو پر اعتراض کیا جس میں اعمال تولے جاتے ہیں۔ وہ اپنے اشعار میں مفہوم تک رسائی کے لیے ذہانت کا امتحان لیتا ہے اور جستجو کی دعوت دیتا ہے۔ کہتا ہے:

جب تک دہان زخم نہ پیدا کرے کوئی
مشکل کہ تجھ سے راہ سخن وا کرے کوئی
(غالبؔ)

باخدا دیوانہ باش و با محمدﷺ ہوشیار کے دوسرے جزو کی جانب آتے ہیں۔ غالبؔ کی نعتیہ شاعری پر تحقیق کا فقدان بھی ویسا ہے جیسا مجموعی نعتیہ ادب میں۔ پاسداران ادب نے اپنا فرض پورا کیا ہوتا تو آج عوامی سطح پر یوں کوئی نہ کہتا کہ غالب نے ایک ہی نعت کہی ہے۔ حق جلوہ گرز طرز بیان محمدﷺ است۔ غالب کی نعتیہ شاعری سے ناواقفیت کا یہ احساس عام، کن کوتاہیوں کی طرف اشارہ کرتا ہے:

رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی سے معاف
آج کچھ درد میرے دل میں سوا ہوتا ہے

مجھے اس درد کی کسک شفیق الدین شارق کے سینہ میں محسوس ہوئی جب انھوں نے کہا:

"اگر غالب شناسوں میں سے کوئی صاحب چاہیں تو اس موضوع پر پوری ایک کتاب مرتب کرسکتے ہیں، غالب کی شاعری کا یہ پہلو بھی

مناسب توجہ کے انتظار میں ہے، اس کی شاعری کے مختلف پہلوؤں پر
جب اتنا کام ہو چکا ہے تو اس پہلو پر بھی ہو سکتا ہے۔''

میدان شاعری کا وہ شہسوار، جس کے سخن معنی آفریں کا ایک ایک ٹکڑا بے مثال، گوہر آبدار، پرواز فکر میں فلک مدار جس کے مرغ تخیل کی رسائی پر حکیم الامت رطب اللسان، وہ جب اپنی فکر رساء کو بصد عقیدت اور محبت اور جذبات ایمانی کی کیفیتوں کے ساتھ مدحت ساقیٔ کوثر کو متوجہ کرے گا تو اس قدح خوار کے ساغر میں کیا کچھ نہ سمٹ آیا ہوگا جسے ہمارے ادب میں خاطر خواہ پیش کیا نہ جاسکا۔ اقلیم نعت کے پہلے شمارہ میں اس ناچیز کا مضمون ''نعتیہ ادب میں تنقیدی جمود'' کے عنوان سے شائع ہوا۔ یہ اپریل ۱۹۹۵ء کا ذکر ہے الحمدللہ مجذوب نعت کی انتھک، بے مثال مسلسل کوششوں کے نتیجہ میں اس فقدان کے گرداب سے اہل تحقیق کو نکلتے دیکھ رہا ہوں۔ پانچ سال کا طویل عرصہ گزرا، غالب کی نعتیہ شاعری نہ صرف محروم تبصرہ بلکہ محروم تعارف تھی اب میرے شہر اور میرے وطن کے اہل قلم اپنے فرض کی ادائیگی میں سرگرم ہیں جن کے مضامین میری نظروں کے سامنے ہیں۔ غالب کی نعتیہ شاعری پر آئندہ چند ماہ میں میری تحقیق کتابی صورت میں ''غالب کی نعتیہ شاعری'' کے عنوان سے منظر عام پر ان شا اللہ آئے گی ایک اندازہ ہے کہ ضخامت پانچ سو صفحات ہوگی۔ اس لیے میں نے اب تک جو کچھ یہاں پیش کیا وہ کافی سمجھتا ہوں لیکن جیسا کہ مندرجہ بالا سطور میں یہ شکوہ کر چکا ہوں کہ اہل ذوق اور اہل مطالعہ سے پوشیدہ نہیں لیکن غالب کی نعتیہ شاعری سے عوام الناس نابلد ہیں انھیں ذوق مطالعہ کے لیے جس رہنمائی کی ضرورت ہے اپنے اس مضمون اور اقلیم نعت کے توسط سے پیش کرتا ہوں۔ جو حضرات فارسی زبان کی شیرینی سے لطف اندوز ہوتے ہیں انھیں بھی غالب کے نعتیہ کلام سے آگہی نہیں ہے اگر ہم غالب کی نعتیہ شاعری پر بھرپور تبصرہ کے جوہر بھی دکھائیں تو بات وہی آ جاتی ہے کہ وہ کلام آخر ہے کہاں۔ چند مصرعوں کو پیش کر کے شاعر کے کمال فن کا تعارف تو ممکن ہے لیکن قاری غالب کی نعت کہاں تلاش کرے کہ اس کے ذوق مطالعہ کی تسکین اور سیرابی ہو اس لیے میں اس خدمت کو تبصرہ سے زیادہ افضل خیال کرتے ہوئے ذوق مطالعہ رکھنے والے قارئین کو اس خزینہ گوہر نعت کا پتہ بتاتا ہوں۔

غالب کے نعتیہ فارسی کلام کا تمام تر ذخیرہ ''کلیات غالب'' فارسی میں ہے ''کلیات غالب'' (فارسی) تین جلدوں پر مشتمل ہے۔ پہلی جلد کے صفحات ۵۱۲، دوسری جلد کے صفحات

۴۰۲، تیسری جلد کے صفحات ۴۲۳، ہیں۔ اس طرح یہ کلیات ۱۳۲۷ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے ہر جلد کے آغاز میں کلام غالب پر تبصرہ بھی شامل ہے، لیکن تمام صفحات نعتیہ کلام پر مشتمل نہیں ان میں جہاں نعتیہ کلام ہے اس میں تلاش کی دشواری نہ ہو تفصیل پیش کرتا ہوں:

جلد اوّل

	برصفحہ	تاصفحہ	تعداد اشعار	زیرعنوان	مطلع
۱۔	۲۴۵	۲۵۲	۵۷	نعت	(مطلع: ہنا میزد اے کلک قدسی صریر
۲۔	۳۵۳	۳۳۷	۲۸۱	معراج نامہ	بہ ہرجنبش از غیب نیرو پذیر
۳۔	۲۹۳	۳۰۳	۱۲۸		ہمانا در اندیشۂ روزگار شبی بود بر جوش لیل و نہار بیان نموداریٔ شان نبوت/ بعد حمد ایزد و نعت رسول و ولایت کہ در حقیقت پرتو/ مینگارم نکتۂ چند از اصول نور الانوار حضرت الوہیت است ابتدا کے گیارہ شعر نعت کے ہیں بعدازاں اولیائے کرام کے فیضان بتوسط رسول کریم اس کی تفصیل فہرست کے آخر میں دوں گا
				کلمات طیبات	مطلع
۴۔	۴۶۳	۴۶۸	۶۴	(تفصیل فہرست کے بعد)	(خلہ حال اے دقیقہ اندیشاں حق پرستان و معدلت کیشاں)
				فاتحہ	
۵۔	۴۴۱	۴۴۲	۱۱	(واقعات کربلا پر آسمان سے شکوہ جس کے ہر شعر کی ردیف ''بمصطفےٰ ہے)	(اے فلک! شرم از ستم برخاندان مصطفےٰ داشتی زیں پیش سر بر آستان مصطفےٰ
۶۔	۴۴۹	۴۵۱	۹ بند ہیں	خمسہ برغزل قدسی	کیستم تا بخروش آوردم بے ادبی قدسیاں تو در موقف حاجت طلبی رفتہ از خویش بدیں زمزمۂ زیر لبی مرحبا سید کی مدنی العربی دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

از جلد دوم

	از صفحہ	تا صفحہ	تعداد اشعار	زیر عنوان	مطلع
۱۔	۶۰	۱۱	۶۵	درنعت سید المرسلین ﷺ	(مطلع اول میں ۳۷ شعر مطلع ثانی میں ۲۸ شعر مطلع اول: مرا دلیست بہ پس کوچۂ گرفتاری کشادہ روی تر از شاھدان بازاری مطلع ثانی: زہے ز حرف تو اندیشہ را مدد گاری خرد بسایۂ شرعت زفتنہ زنہاری
۲۔	۲۱	۲۵	۵۵	درنعت مصطفےٰ بشمول منقبت مرتضوی (تفصیل فہرست کے بعد)	مطلع: چوں تازہ کنم درسخن آئین بیاں را آواز دہم شیوہ ربا ہم نفساں را

جلد سوم

	از صفحہ	تا صفحہ	تعداد اشعار	زیر عنوان	مطلع
۱۔	۱۱۳	×	۹	نعت شریف	مطلع: حق جلوہ گرز طرز بیان محمد است آری کلام حق بہ زبان محمد است

کلیات کی ان تین جلدوں میں ۵۵۹ اشعار ہیں حمدیہ کلام ان سے علاحدہ کر لیا گیا ہے ورنہ مجموعی تعداد اشعار سات سو سے تجاوز کر جاتی ہے۔

جلد اوّل میں زیر عنوان ’’بیان نموداریٔ شان نبوت و ولایت کہ درحقیقت پرتو نورالانوار حضرت الوہیت است‘‘ اس طویل عنوان کے تحت مندرجہ بالا فہرست میں بتایا گیا ہے کہ اس میں ۱۲۸ ۔ اشعار ہیں ان میں ابتدا کے گیارہ شعر خالصتاً نعت شریف کے ہیں بعدازاں اولیائے کرام کے فیضان کی بحث ہے جو رسول اللہ ﷺ ہی کے حوالہ سے ہے۔ دُنیا کے انسانوں اور بھٹکی ہوئی مخلوق کی رہبری اور رہنمائی کے لیے نبیوں اور رسولوں کو مبعوث فرمایا گیا۔ رحمت للعالمین ﷺ پر نبوت و رسالت کا سلسلہ ختم ہوا۔ لیکن مخلوق خداوندی کی ہدایت کے لیے قرآن کریم اور احادیث نبوی کی روشنی میں خلافت کا سلسلہ جاری ہوا اور جاری رہا تاوقتے کہ مشیت ایزدی سے خلافت بھی اختتام کو پہنچی۔ نبوت اور خلافت دونوں دراصل گمرہی، جبر و ظلم کرنے والی طاقتوں کے خلاف محاذ آرا رہے، ان کے بعد یہ سلسلہ اولیائے کرام کو سونپا گیا اور قیامت تک یہ اولیائے کرام اللہ کے حکم اور رسول اللہ ﷺ کی اتباع و پیروی کرتے ہوئے

جبر، ظلم، جہل اور استعماریت سے برسرپیکار رہیں گے۔ حق سبحانہ و تعالیٰ نے انھیں خاص شرف روحانیت بخشا ہے جس کی نسبت سے مخلوق خدا ان کے پاس جایا کرتی ہے۔ استعماریت اور جہل و جبر نظام سرمایہ داری کی گمراہیوں کے خلاف جمہوریت کے اصول اور قوانین خود استعمار پرستوں کے بنائے ہوئے ہیں خدا کا قانون قرآن ہے پھر رسول کی ذات ہے پھر صحابہ کی زندگی ہے پھر اہل بیت اور آل نبی ہیں پھر اولیائے کرام ہیں ان تمام سے اگر جمہوریت کے ساختہٗ انسان قوانین متصادم ہوں تو برتری قانون خداوندی ہی کو دی جائے گی۔ ان باتوں کو نظر میں رکھ کر غالب کے ان اشعار پر غور کریں تو اس کی فکر اس کے نظریات اور اس کے عقیدہ کی واضح صورت سامنے آتی ہے وہ کہتا ہے کہ تو نے اگر کسی ولی اللہ سے کچھ طلب کیا ہے وہ درحقیقت خدا سے ہی طلب کرنا ہے کہ جو کچھ طاقت ولی کی ہے وہ اس کی ذاتی نہیں بلکہ رب کریم نے اسے عطا کی ہے اور اسے یہ مرتبہ نور حق سے ملا ہے:

ہر کہ او را نور حق نیرو فراست
ہرچہ ازوے خواستی از ہم خداست
بر لب دریا گر آبی خوردہ ای
آب از موج بجام آوردہ ای
آب از موج آید اندر جام تو
لیکن از دریابود آشام تو

ترجمہ: تو نے جو کچھ اللہ کی بارگاہ کے مقبول بندے ولی سے طلب کیا وہ دراصل خدا سے طلبی ہے کہ ولی پر خدا مہربان ہے اور اس کے نور نے اسے نوازا ہے وہ تجھے نواز دے گا۔

تو اگر پیاسا دریا کے پاس گیا اور پانی پیا تو تیرے پیالے میں پانی دریا سے نہیں بلکہ موج دریا سے آیا۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ غالب فلسفۂ وحدت الوجود کے آخر تک قائل رہے اسی مثنوی کا یہ شعر بہت مقبول ہوا جو ختم نبوت پر ہے۔

منشاء ایجاد ہر عالم یکیست
گر دو صد عالم بود خاتم یکیست

اسی طرح جلد دوئم میں زیر عنوان ''کلمات طیبات'' میں جس کا مطلع حلہ حال اے دقیقہ اندیشاں ہے اصحاب رسول ﷺ کی عظمت، بزرگی اور بلند مراتب و فضیلت بیان کی ہے

اور جو ان کی عظمت کے قائل نہیں ہیں ان کو مخاطب کر کے کہا کہ اہل ایمان ہونے کے لیے ان کی محبت شرط ہے میں بہ طور نمونہ چند شعر پیش کرتا ہوں:

دشمن جوہر نگاہ نہ ایم
منکر رویت الٰہ نہ ایم
رسم ما نیست نا سزا گفتن
کار ما نیست جز ثنا گفتن
خانہ زاد رسول و آل ویم
دشمن خصم و بدسگال ویم
خانہ زاد نبی و آل نبی
نکند با صحابہ بے ادبی
زاں کہ ایناں امین و داد گراند
با نبی ہم نشین و ہم سفراند
کیش بیگانگی رہا کردہ
بر نبی مال و جاں فدا کردہ
بولای نبی و عترت او
یافتہ ملک و دیں بدولت او

اس تعارف اور تعریفی کلمات کے بعد کہتا ہے:

بد سگال صحابہ بے دین است
در خور صد ہزار نفرین است
کار اصحاب بیں و بد مشمر
حال ایشاں چو حال خود مشمر
گر ترا صرفۂ نکو کاریست
حب ایشاں طراز دینداریست
فکر بغض صحابہ سودا نیست
خاطر کفر را سویدا نیست

رفض ماخولیائی خام آرد
صید دیوانگی بدام آرد
یا تو گویم اگر یقیں داری
کاں بزرگاں زروی دین داری
خیر خواہ رسول ﷺ و آل وینذ
عاشق جلوۂ جمال وینذ

ان چودہ شعروں سے بہ خوبی اندازہ ہوسکتا ہے کہ غالب اپنے عقائد میں کن باتوں کو تسلیم کرتا ہے اور اس کا طرۂ امتیاز یہی ہے کہ بارگاہ خداوندی میں پیش ہو یا حلقۂ یاراں میں بلاخوف جو بات ایمان و عقیدہ کی ہے بیان کر جاتا ہے۔ ان اشعار کی تعداد بہت ہے طرز بیان میں سادگی اور استدلالی کیفیت کے ساتھ روانی اور سلاست بھی نمایاں ہے۔

اب ان گیارہ اشعار کا ذکر جو اگرچہ براہ راست نعت شریف کے نہیں لیکن کربلا میں امام عالی مقام پر جو گزری اس کا شکوہ فلک بیداد سے جن لفظوں میں کیا ہے وہ خود ایک شہ پارہ ہے جس کے ہر شعر کی ردیف مصطفیٰ ﷺ ہے۔ یہ چند اشعار بطور حوالہ بھی اور بطور عقیدت بھی نذر قارئین کر رہا ہوں اس میں غالب نے جو کہا تھا کہ:

ہیں اور بھی دنیا میں سخنور بہت اچھے
کہتے ہیں کہ غالب کا ہے انداز بیاں اور

اس دعوے کی دلیل یہ اشعار ہیں:

اے فلک! شرم از ستم بر خاندان مصطفیٰ ﷺ
داشتی زیں پیش سر برآستان مصطفیٰ ﷺ
اے بمہرو ماہ نازاں ہیچ میدانی چہ رفت؟
از تو برچشم و چراغ دودمان مصطفیٰ ﷺ
سایہ از سرد روان مصطفیٰ ﷺ نفتد بخاک
ہاں ، چہ برخاک افگنی سروروان مصطفیٰ ﷺ
گرمئ بازار امکاں خود طفیل مصطفیٰ ﷺ است
ہیں چہ آتش میزنی اندر دکان مصطفیٰ ﷺ

کینہ خواہی بیں کہ با اولاد انجادش کنی
آنچہ بامہ کردہ اعجاز بنان مصطفےٰ ﷺ
نیک بنود گر تو برفرزند دل بندش رود
آنچہ رفت از مرتضیٰ بر دشمنان مصطفےٰ ﷺ
یا تودانی مصطفےٰ ﷺ را فارغ از رنج حسین؟
یا تو خواہی زیں مصیبت امتحان مصطفےٰ ﷺ
یا مگر گاہی نہ دیدی مصطفےٰ ﷺ را با حسینؓ
یا مگر ہر گز نہ بودی در زبان مصطفےٰ ﷺ
آں حسینؓ است ایں کہ سودی مصطفےٰ ﷺ چشمش برخ
بوسہ چوں باقی نہ ماندی در دہان مصطفےٰ ﷺ
آں حسینؓ است ایں کہ گفتی مصطفےٰ ﷺ "روحی فداک"
چوں گزشتی نام پاکش بر زبان مصطفےٰ ﷺ
قدسیاں رانطق من آوردہ غالب در سماع
گشتہ ام در نوحہ خوانی مدح خوان مصطفےٰ ﷺ

جلد دوئم میں ہی بہ عنوان "نعت مصطفیٰ ﷺ بہ شمول منقبت مرتضوی" میں قلم کی جولانی، گوہرفشانی سیمائے بیانی کے شعر۔ یہاں صرف تین شعر پر اکتفا کرتا ہوں:

رقصد قلم بے خود و من خود زرہ مہر
برزہرہ فشانم اثر جنبش آں را
گوہر کدۂ راز بود عالم معنی
در لفظ گہر ریزہ بود وادیٔ آں را
لفظ کہن و معنی تو در ورق من
گوئی کہ جہانست و بہار است جہاں را

اپنی ان گزارشات کے آخر میں اس نعت کا حوالہ بھی ضروری سمجھتا ہوں جس کی فارسی داں اور فارسی زبان سے ناواقف حضرات میں یکساں مقبولیت ہے جس کا مطلع ہی عاشقان مصطفیٰ ﷺ کے لیے آب حیات سے زیادہ معتبر ہے کہ عمر جاودانی عشق بخشتا ہے اور

غالب کی حقیقی عظمت وہیں جلوہ گر ہے۔

حق جلوہ گرز طرز بیان محمدؐ است
آری کلام حق بہ زبان محمدؐ است

اس نعت پر غالباً جتنا لکھا گیا ہے وہ کسی دفتر سے کم نہیں ہر ہر مصرعہ کی تشریح و تفسیر قرآن و حدیث کے حوالوں سے بھی کی گئی ہے اور شعری محاسن کے اعتبار سے بھی لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ابھی تشنگی دور نہیں ہوئی اور اس پر مزید دفتر رقم ہوگا۔ میرا یہ مضمون طویل ہوگیا ہے اور مجھے احساس ہے کہ غالب کی اس شہرۂ آفاق نعت پر تبصرہ بھی ضروری ہے۔ چناں چہ میں اس ارادہ کو اپنی مجوزہ تصنیف ''غالب کی نعتیہ شاعری'' کے لیے جس پر شب و روز تحقیقی کام ہورہا ہے ملتوی کرتا ہوں البتہ مقطع پر:

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم
کآں ذات پاک مرتبہ دان محمدؐ است

اظہار خیال کرتا ہوں یہ عجیب بات ہے کہ ایک صاحب علم نے مجھے اپنے اس خیال سے چونکا دیا کہ غالب چوں کہ نعت کا مرد میدان نہیں تھا اس نے اپنا پیچھا چھڑانے کے لیے یہ شعر کہا ہے یقیناً وہ یگانہ چنگیزی نہ تھا میرے عہد کا انسان تھا لیکن میری حیرت کا سبب کچھ اور نہیں تھا بلکہ یگانہ کے افکار کی عصر حاضر میں پیکر بشری میں ملاقات تھی۔ خیر اس نے جو کہا بقدر ہمت اوست حقیقت یہ ہے کہ عربی اور فارسی کے علاوہ اردو زبان میں بھی دس بیس نہیں سیکڑوں شعرا نے اپنے اس عجز کا اظہار اپنے اپنے انداز سے کیا ہے۔ میری نظر سے جو اشعار گزرے ان میں سے چند پیش خدمت ہیں۔

کنوں گویم ثنا ہائے پیمبر
کہ مارا سوئے یزدانست رہبر
(گرگانی)

یہاں فخرالدین گرگانی غالب کے برعکس کہتے ہیں کہ میں جو ثنائے پیمبر میں مصروف ہوں تو میری رہبری یزداں کر رہا ہے۔ لیکن انوری غالب کی طرح کہنا چاہتا ہے پھر

بھی وہ اپنے آپ کو نااہل قرار دے کر کہتا ہے:

سخن از شرح دین احمد گو
بے دلا، ابلہا و بے دُنیا
(انوریؔ)

البتہ حکیم خاقانی کے عجز میں زور کلام اور حسن بیان دونوں شامل ہیں:

مرغے چنیں کہ دانہ و آبش ثنائے تست
مپسند کز نشیمن عالم کشد جفا
(خاقانیؔ)

اور فرید الدین عطار کہتے ہیں:

اگر در نطق آیم تا قیامت
نیارم گفت یک وصفت تمامت
(عطارؔ)

خلاق المعانی کمال الدین اسمٰعیل کہتا ہے:

دریائے مدحت تو ز پہناوری کہ ہست
در وے شناوران سخن را گزار نیست
(کمال الدین اسمٰعیل)

اور اب دیکھیے گلستان پند و بوستان سخن شیخ سعدی کی جانب فرماتے ہیں:

تورا عز لولاک تمکیں بس است
ثنائے تو طٰہٰ و یٰسیں بس است
چہ وصفت کند سعدیؔ نا تمام
علیک الصلوٰۃ اے نبی السلام
(سعدیؒ)

چار مصرعہ سعدی ہی کے اور دیکھیے:

چو دولت با یدم تمہید ذات مصطفےٰ گویم
کہ در در یوزہ صوفی گرد اصحاب کرم دارد

زباں را درکش اے سعدی ز شرح علم او گفتن
تو در علمش چہ دانی باش تا فرد اعلم گردد
(سعدیؒ)

اور خواجہ ہمام تبریزی فرماتے ہیں:

ہزار بار بشویم دہن ز مشک و گلاب

یہ مصرعہ عام زد زبان اسی طرح سے ہے لیکن اصل شعر اس طرح ہے:

ہزار بار بشستم دہن ز مشک و گلاب
ہنوز نام تو بردن مرا نمی شاید

اس نعت کا مطلع کچھ اس طرح ہے اور دیگر اشعار بھی اپنے قارئین کے علم میں حقیقی اضافہ کے لیے پیش کر رہا ہوں:

دلم ز عہدۂ عشقت بروں نمی آید
بجائے ہر سر موئے مرا دلے باید
رواں شود زلبم چشم ہائے آب حیات
چوں نام دوست مرا بر سر زباں آید
ہزار بار بشستم دہن ز مشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن مرا نمی شاید

اور مطلع اس طرح سے ہے:

زہے خجستہ مباحے کہ وقت بیداری
ہمام روئے تو بیند چودیدہ بکشاید
(خواجہ ہمام تبریزی)

بات جب نکلتی ہے تو اضافے بھی ہوتے جاتے ہیں زبان کو خواجہ ہمام تبریزی نے نعت رسول ﷺ میں دھونے کا جو خوب صورت لفظوں میں ذکر کیا ہے تو اسی انداز کو مرزا داراب بیگ نے جن کا تخلص جویا تھا اپنے انداز میں یوں کہا ہے:

پاک تر از موج کوثر کن زبان خویشتن
ناتوانی بود زیں پس نعت نغز مصطفےٰ ﷺ
(جویا تبریزی)

خواجہ جمال الدین سلمان ساوجی کہتا ہے:

فکرم نمی رسد بصفاتت کہ وصف تو
بر دست و پائے عقل ز حیرت عقال یافت
فکر ہوائی بشریت کجا و کئے
در بارگاہ وصف ہوایت مجال یافت

جمال دہلوی کے اشعار کمال ادب و عجز ہیں اور غالب نے جو یہ کہہ کر کہ ''آں ذات پاک مرتبہ دان محمد است'' یزداں پر بات چھوڑ دی جمال دہلوی نے یہی بات کہی ضرور مگر غالب کے پہلے مصرعہ کے مقابل وہ پھر بھی مصروف ثناء ہے اور اس کا سبب بیان کرتا ہے۔ بہت خوب اشعار ہیں ملاحظہ کیجیے:

زباں در وصف ذاتت گنگ و لالست
کہ وصف چوں توئی کر دن محال است
میان احت از ہیچ ہیچم
چہ باشد من ؟ کہ در نعت تو ہیچم
چوں نعتت می سراید ایزد پاک
چہ باشد در صفاتت زہرۂ خاک
و لیکن چوں من از خیل سگانم
ز او صافت چرا خاموش مانم
(جمال دہلوی)

عرفی شیرازی نے کیا خوب کہا:

دعوئ کن نعت لائق تو
رسوائے جہان آفرینش
دارو بہ عنایت تو عرفی
حرفے ز زبان آفرینش
(عرفی)

محمد حسین نظیری نے جو یہ شعر کہا ہے محسوس یہ ہوتا ہے کہ غالب نے اسی خیال کو

اپنے مقطع میں سمو لیا ہے غالب نظیری سے بے حد متاثر بھی تھا اور اس کے کلام کے حوالہ سے شعر بھی کہے:

خدا نعت محمد داند و بس
نیاید کار یزدان از دگر بس

نظیری کا اس سے پہلا شعر بھی اسی ضمن میں بہت خوب ہے:

بہ نعت مصطفٰے نامیست نام
کزیں معنی بہ یزداں ہم کلام
(نظیریؔ)

اس سے قبل ہزار بار بشویم دہن زمشک گلاب کی بحث اور تصحیح میں مرزا جویا کا ہم معنی شعر پیش کیا تھا مرزا جویا کا ایک اور شعر سامنے آگیا تو نقل کرتا ہوں کہ وہ تو عام انسانوں کے لیے مشک و گلاب سے دہن شوئی کی بات تھی لیکن جویاؔ نے اس شعر کو اور بلند کردیا ہے یہ کہہ کر کہ:

از ادب شوید دہن را خضر از ہفتاد آب
تا تواند برد نام نائے آں پیشواء
(مرزا جویاؔ)

صاحب لولاک کا نام لینے سے پہلے عام آدمی تو کجا ادب کا قرینہ حضرت خضرؑ کو بھی مجبور کرتا ہے کہ ایک نہیں دو نہیں ہفتاد آب سے اپنے دہن کو دھولیں۔ (ہفتاد بہ معنی ۷۰)

میر سید علی مشتاق اصفہانی کہتا ہے۔ یہ جمال الدین اصفہانی اور کمال الدین اصفہانی سے مختلف شخصیت ہے) جس طرح گرگانی ہے زیاد بن محمد قمری گرگانی اور فخر الدین اسعد گرگانی)

کہ بوادیٔ ثنائے تو صد افلاطوں را
پائے اندیشہ بود با ہمہ سرعت ارجل

یوں میری نظر میں ان شعرا کا کلام بھی ہے جو عربی اور اردو میں اس خیال کو منفرد انداز میں پیش کر چکے ہیں لیکن میں حکیم قاآنی کے ان تین اشعار پر ختم کرتا ہوں جن میں

قاآنی اپنے عجز کا یوں اظہار کرتا ہے:

لیکن ترا مجال بیاں نیست در درود
لیکن ترا قبول سخن نیست در ثناء
دست دعا وسیع و سمند تو ناتواں
بام ثناہ رفیع و کمند تو نارسا
گر رایت از مدیح شناسائی است و بس
خود راشناس تانہ کنی مدح نا سزا
(حکیم قاآنی)

اور اپنے ہی شعر کے مقابل غالب ایک اور منزل پہ اس طرح لب کشا ہوتا ہے:

بہشت ریزدم از گوشۂ ردا کہ مرا
زخوان نعت رسولست زلہ برداری
سخن زمدح تو باید زخویش کز تعظیم
بصد ہزار زبانی ستودہ باری
(غالب)

اگرچہ غالب نے اپنی عقیدت اور رسول ﷺ سے اپنی بے پناہ محبت کے اظہار میں لاتعداد اشعار نظم کی صورت اردو اور فارسی میں کہے لیکن جب رسول ﷺ کا ایک ایسا نمونہ غالب نے اپنی نثر میں چھوڑا ہے جو یقیناً اس کی نجات کا باعث بنے گا اور اہل جہان کو حب رسول ﷺ کا درس بن کر زبان و بیان کی تاریخ میں مہر و ماہ کی طرح روشن رہے گا۔ نواب علاؤ الدین احمد خاں علائی کو اپنے خط میں لکھتے ہیں:

"اگر مجھ کو دوزخ میں ڈالیں گے تو میرا جلانا مقصود نہ ہوگا بلکہ دوزخ کا ایندھن ہوؤں گا اور دوزخ کی آنچ کو تیز کروں گا تاکہ مشرکین اور منکرین نبوت مصطفوی اور امامت مرتضوی اس میں جلیں"

از: "غالب کے خطوط" جلد اوّل

ڈاکٹر سیّد یحییٰ نشیط۔ بھارت

عظمت رسول ﷺ خطوط غالبؔ میں

غالبؔ کی چلبلی اور شوخ طبیعت نے کشاکش حیات میں بھی انھیں سنجیدگی اور سنجیدہ روی سے دور رکھا۔ دُشوار اور کٹھن مراحل میں ان کی شگفتہ مزاجی ماحول میں بدمزگی پیدا نہیں ہونے دیتی تھی۔حتیٰ کہ مذہب جیسے حساس اور تشفف آمیز مسئلہ میں بھی وہ متشفف اور سنجیدہ نظر نہیں آتے تھے۔چناں چہ غدر کے بعد باغی مسلمانوں کو انگریزوں نے مراعات سے محروم کردیا تھا تو ان میں غالبؔ کی بھی پنشن بند کر دی گئی تھی۔ پنڈت موتی لال میر منشی لفٹنٹی پنجاب نے غالبؔ سے اس معاملے میں تبادلہ خیال کیا تو غالبؔ کی غیر سنجیدہ طبیعت سے رہانہ گیا اور وہ فوراً کہہ اٹھے:

> تمام عمر میں ایک دن شراب نہ پی ہوتو کافر اور ایک دفعہ نماز پڑھی ہوتو گنہ گار۔ پھر میں نہیں جانتا کہ سرکار نے کس طرح مجھے باغی مسلمانوں میں شمار کیا ہے؟
>
> (حالی: ''یادگار غالبؔ''، علی گڑھ بلا مورخہ، ص۷۲)

بادی النظر میں مذہب سے متعلق تادب وتخلق سے عاری اس قسم کے فرمودات ونگارشات غالبؔ کی بدعقیدگی اور مذہب بیزاری کی دلیل فراہم کرتے ہیں،لیکن باب حیات غالبؔ کے روزنوں میں سے بغور دُمق مشاہدہ کیاجائے توان کی زندگی کے مذہبی گوشے میں اعمال کی بے سرو سامانی کے ساتھ ہی عقیدت کی شمع روشن دکھائی دیتی ہے۔ اس عقیدت میں اخلاص واستخلاص کی فراوانی تو ہے لیکن اندھاپن اور رسمیت نہیں۔ وہ قلب سے زیادہ عقل کو اپیل کرنے والی عقیدت کے روادار تھے اور روایات سے زیادہ درایات پر تکیہ کرتے۔ لاگ و

لپٹ ان کی راہ اطاعت میں روڑا نہیں بنتے تھے اور نہ وہ انھیں پسند کرتے۔ اطاعت میں خلوص ان کے یہاں بندگی کا معیار تھا۔ ''مئے وانگبیں'' کی لالچ کو وہ صالح عمل کی کھوٹ اور نقلی پن سے تعبیر کرتے، اسی لیے وہ ''بہشت کو اُٹھا کر دوزخ میں جھونک دینے کے خواہش مند تھے۔ غالبؔ اپنے کو ''آدھا مسلمان'' لیکن پکا موحد سمجھتے تھے۔ ''ترک رسوم'' ان کا کیش اور ''رہ و رسم ثواب'' سے انحراف ان کا وطیرہ تھا۔ ''مشاہدہ حق کی گفتگو'' وہ بغیر ''بادہ وساغر'' کے نہیں کرتے۔ ''وہ مسجد کے زیرِ سایہ خرابات'' اور ''لطافت بے کثافت جلوہ پیدا کر نہیں سکتی'' کے قائل تھے۔ لیکن وہی غالبؔ جن کا ''حلقہ دام خیال'' عالم شاعری پر محیط ہے اور جن کی شاعری ''گنجینہ معنی کا طلسم'' ہے جو اپنے وسعت بیان کی خاطر ''تنگنائے غزل کے شاکی رہے ہیں، مذہب کے لق و دق میدان میں ان کی پرواز فکر اور اسپ قلم درماندہ وعاجز دکھائی دیتے ہیں۔ انھیں مذہبی امور میں عملی سرد مہری کا بڑا احساس تھا۔ حالی نے جب ایک بار اس جانب توجہ دلائی تو کہنے لگے:

> ساری عمر فسق وفجور میں گزری۔ نہ کبھی نماز پڑھی نہ روزہ رکھا۔ نہ کوئی نیک کام کیا۔ زندگی کے چند انفاس باقی رہ گئے ہیں۔ اب اگر چند روز بیٹھ کر یا ایما و اشارہ سے نماز پڑھی تو اس سے ساری عمر کے گناہوں کی تلافی کیوں کر ہوسکے گی۔ میں تو اس قابل ہوں کہ جب مروں، میرے عزیز اور دوست میرا منہ کالا کریں اور پھر شہر سے باہر لے جاکر کتوں اور چیلوں کو اور کوؤں کو کھانے کو (اگر وہ ایسی چیز کھانا گوارا کریں) چھوڑ آئیں اگرچہ میرے گناہ ایسے ہیں کہ میرے ساتھ اس سے بھی بدتر سلوک کیا جائے۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ میں موحد ہوں۔
>
> (بحوالہ: شاعر: غالبؔ ممبئی: فروری مارچ ۱۹۶۹ء ص ۸۷)

عجز کی یہ درماندگی غالبؔ کے سینہ میں گوشہ اخلاص کا پتا دیتی ہے۔ اسی اخلاص کا اثر تھا کہ وہ قوم مسلم کی تحقیر و ذلت کی کوئی بات سنتے تو غم زدہ ہوجاتے۔ ایک وقت حالیؔ سے فرمانے لگے:

> مجھ میں کوئی بات مسلمانی کی نہیں ہے، پھر میں نہیں جانتا کہ مسلمانوں کی ذلت پر مجھ کو کیوں اس قدر رنج و تاسف ہوتا ہے۔
>
> (حالیؔ: یادگار غالبؔ: علی گڑھ بلا مورخہ ص ۷۱)

ان کی صلح کل طبیعت، روادارانہ جذبہ اور برادران وطن سے دوستانہ تعلقات کی وجہ سے ہر مذہب کا احترام غالب اخلاص نیت کے ساتھ کرتے تھے۔ اپنے احباب وتلامذہ کو دیوالی ہولی کی مبارک باد بھیجتے۔ نو روز اور کوسہ برنشین (پارسیوں کی عید) کے موقعوں پر دوستوں کی خوشیوں میں شریک ہوتے، اپنی اصنام خیالی کی بنا پر کعبہ سے بتوں کی نسبت تلاش کرتے اور قرآن حکیم کے ساتھ توریت، زبور، وید، دساتیر، اوستا اور گروگرنتھ تک کی قسم کھاتے۔ اس وسیع المشربی نے تمام مذاہب کے لیے ان کے دل میں خلوص پیدا کردیا تھا اس لیے عصبیت انھیں چھو تک نہیں گئی تھی۔ ہاں! البتہ مجموعی قوم یا دین مبین کی بات آتی یا ادیان کی سچائی اور صدق وپارسائی پر گفتگو ہوتی تو ان کا جھکاؤ اکثر قوم مسلم و اسلام کی طرف ہی ہوتا۔ چناں چہ ایک خط میں تفتہ کو لکھتے ہیں:

> بندہ پرور! میں تو بنی آدم کو مسلمان ہو یا ہندو یا نصرانی عزیز رکھتا ہوں اور اپنا بھائی گنتا ہوں دوسرے مانے یا نہ مانے۔ باقی رہی وہ عزیزداری، جس کو اہل دنیا قرابت کہتے ہیں اس کو قوم اور ذات اور مذہب اور طریق شرط ہے۔
>
> (غالب، مرتبہ خلیق انجم، "غالب کے خطوط" دہلی جلد اوّل ص ۳۱۷)

امتیاز، تفوق و تفضل سے عاری غالب کے اس مذہبی میلان اور دینی رجحان نے اگرچہ امور دینیہ کو ان کی ظاہرہ عملی زندگی میں جگہ نہیں دی لیکن بہ باطن اسلام، خدا، نبی اور امام و خلفا کی عزت و توقیر بہ نیت خلوص ان کے دل میں گھر کر گئی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اگرچہ دنیا کے مقابلے میں دین کی باتیں شاذ ہی کی ہیں لیکن ان میں اخلاص و عقیدت کی جو گہرائی ہے اہل صدق و صفا کے اخلاص سے کم نہیں۔ چناں چہ جہاں انھوں نے القاب و آداب سے معریٰ خطوط لکھنے کی طرز جدید کو رواج دیا وہاں بعد حمد خداوند اور نعت رسول ﷺ خطوط لکھنے کی روایت کو اردو میں جاری کرنے کا سہرا بھی ان ہی کے سر بندھتا ہے۔ صاحب عالم مارہروی کے نام لکھے گئے خط کا آغاز غالب یوں کرتے ہیں:

> بعد حمد خداوند و نعت رسول ﷺ، پہلے قبلہ روح رواں جناب صاحب عالم صاحب کو بندگی۔
>
> (ایضاً جلد سوم ص ۱۰۲۰)

علمائے کرام کے مکاتیب اور ملفوظات ہی میں اس طرح کا اندازِ تحریر پایا جاتا ہے۔
بہرحال! یہ طرزِ تحریر غالبؔ کے ایمان باللہ اور حبِ رسول اللہ ﷺ کا اظہار کرتی ہے۔ یوں بھی حدیثِ رسول ﷺ کی رو سے مومن کے کامل الایمان ہونے کے لیے عشقِ رسول ﷺ لازم ہے۔ اس معاملے میں حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ نے خود حضرت عمرؓ کو ٹوک دیا تھا۔ اسلامی تاریخ کا یہ واقعہ مسلمان کے دل میں ایمان کے لیے عشقِ رسول ﷺ کے لزوم کی نشان دہی کرتا ہے۔ غالبؔ کو دہری، رافضی، شیعہ، سنی آدھا مسلمان جو کچھ کہا گیا ہو لیکن عشقِ رسول ﷺ سے ان کا قلب منور تھا اور روح بالیدہ۔ نواب کلب علی خاں بہادر کو لکھے گئے ایک خط (مورخہ ۱۶/اکتوبر ۱۸۶۶ء) میں غالبؔ نے اپنی برأت کا اظہار خدا اور رسول ﷺ کی قسم کھا کر کیا ہے:

> مجھے جنابِ الٰہی اور حضرت رسالت پناہی کی قسم! اگرچہ فاسق و فاجر ہوں مگر وحدانیت خدا اور نبوت خاتم الانبیاء کا بہ دل معتقد اور بہ زبان معترف ہوں۔ خدا اور رسول ﷺ، کی قسم جھوٹی نہ کھاؤں گا۔
>
> (ایضاً ص ۱۲۲۵)

لگائے گئے الزام اور اس کی تردید کے لیے غالبؔ نے خدا اور رسول ﷺ کی قسم مذکورہ بالا حظ میں جس انداز سے کھائی ہے اس میں عقیدت کی بے انتہا گہرائی اور اخلاص کا عمق پایا جاتا ہے۔ عقیدت کی اس فراوانی اور بے ریا جذبہ خلوص نے غالب کو کافر ہونے سے بچالیا اور ایمان باللہ وحبِ رسول ﷺ کے جذبہ صادق نے انھیں تادمِ حیات موحد و محمدی بنائے رکھا۔
غالبؔ کی عملی زندگی اگرچہ سنتوں سے خالی تھی، لیکن عظمتِ رسول ﷺ ان کے دل کی گہرائیوں میں مضبوط جمی ہوئی تھی۔ انھیں جب موقع ہاتھ آتا وہ اس عظمت کا برملا اظہار کردیتے۔ نواب کلب علی خاں سے غالبؔ کو امداد ملا کرتی تھی اس لیے وہ ہمیشہ نواب صاحب کو خوش رکھنے کی کوشش کرتے رہتے۔ سطور بالا میں ایک مثال ہم دیکھ چکے ہیں۔
۱۵/نومبر ۱۸۶۷ء کے ایک مکتوب میں غالبؔ نے نواب صاحب کے لیے ایک دعائیہ قطعہ ۱۵ اشعار کا لکھا تھا۔ اس کے متعلق وہ رقم طراز ہیں کہ "یہ دعا کا نیا طور ہے۔" اس میں نواب صاحب کے "عمر طبیعی بہ دوام اقبال" اور "دولت دیدار شہنشاہ امم" سے سرفرازی کی دعا کی گئی ہے۔ واقعتاً اقبال مندی اور عمر طبیعی آدمی کے لیے جتنی اہم ہے حضور پرنور سرکار دوعالم ﷺ کا دیدار ان سے بھی زیادہ اہمیت کا حامل ہے کہ عمر طبیعی اور اقبال مندی تو موت

کے ساتھ ختم ہوجائیں گی، لیکن دیدار رسول ﷺ سے مشرف ہوجانے سے دنیا و آخرت سنور جاتی ہے۔ احادیث میں روایت رسول ﷺ کے بہت سارے فضائل وارد ہوئے ہیں اور ایسے خواب جن میں آپ ﷺ کا دیدار ہوجائے رویائے صادقہ سے تعبیر کیے گئے ہیں۔ بہر کیف! دیدار رسول ﷺ کا شرف اپنے ممدوح کو حاصل ہوجائے اس کے لیے غالب بارگاہ ایزدی میں یوں ملتجی ہیں:

یاخدا! غالب عاصی کے خداوند کو دے
دو وہ چیزیں کہ طلب گار ہے جن کا عالم
اولاً عمر طبیعی بہ دوام اقبال
ثانیاً دولت دیدار شہنشاہ امم
(ایضاً ص۱۲۵۲)

یہ دعائیہ اشعار جہاں نواب کلب علی خاں بہادر سے غالب کی وابستگی اور انسیت کے مظہر ہیں اس سے کئی گنا زیادہ مدحت رسول ﷺ کا حامل آخری مصرع پورے قطعہ کی روح کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے دکھائی دیتا ہے اور غالب کی طبع حب رسول ﷺ کا کاشف بھی۔

غالب کا عشق رسول ﷺ مومنانہ شان کا حامل ہے۔ ان کا یہ عشق جاں سپاری اور قربانی پر منتج ہوتا ہے، جس کے لیے وہ ہمیشہ تیار رہتے تھے حتیٰ کہ جب مضمحل قویٰ غالب کے عناصر میں اعتدال نہیں رہا اور ضعف پیری نے انھیں شکن بستر بنادیا تھا، تب بھی رسول عربی ﷺ کی خاطر فدائیت کا جذبہ ان کے یہاں عنفوان شباب پر تھا۔ ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

> مشرک وہ ہیں جو مسیلمہ کو نبوت میں خاتم المرسلین کا شریک گردانتے ہیں... میں موحد خالص اور مومن کامل ہوں... انبیا سب واجب التعظیم اور اپنے اپنے وقت میں سب مفترض الطاعت تھے۔ محمد علیہ السلام پر نبوت ختم ہوئی۔ یہ خاتم المرسلین اور رحمۃ للعالمین ہیں...

ہاں! اتنی بات اور ہے کہ اباحت اور زندقہ کو مردود اور شراب کو حرام اور اپنے کو عاصی سمجھتا ہوں۔ اگر مجھ کو دوزخ میں ڈالیں گے تو میرا جلانا مقصود نہ ہوگا بلکہ دوزخ کا ایندھن ہوں گا اور دوزخ کی آنچ کو تیز کردوں گا، تاکہ مشرکین اور منکرین نبوت مصطفوی اور امامت مر

مرتضوی اس میں جلیں۔

(خط بنام نواب علاء الدین احمد خاں علائی)

(غالب (مرتبہ خلیق انجم) غالب کے خطوط جلد اول ص ۳۹۷)

اس خط میں شوخی ولطافت بیان بھی ہے اور محمد مصطفیٰ ﷺ کے تئیں عقیدت سے لبریز صبوئے الفاظ میں ندرت معنی کی شراب طہورا بھی۔ مذکورہ خط حضور ﷺ کے تئیں غالب کے جوش عقیدت میں صرف الفاظ کا گورکھ دھندا نہیں بلکہ آپ ﷺ کے متعلق ان کے قلم گوہر بار سے ٹپکے ہوئے الفاظ کے موتیوں میں جاں نثاری اور روح فدائی کی تابانی جلوہ گر ہے۔عقیدت کے یہ موتی انھوں نے عرق انفعال کے قطروں میں رولے ہیں جن کی وجہ سے ان کی تابش میں بلا کا اضافہ ہوا ہے۔ کچھ بعید نہیں (لاتقنطو فرمان خدا ہے۔) کہ شان کریمی ان موتیوں کو چن لے اور غالب کی بخشش کے لیے انھیں قبول کر لے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین۔

غالب کے خطوط میں ایسے بہت سارے گوشے ہمیں نظر آتے ہیں جب انھوں نے روادارانہ نہیں عقیدت کے اندھے پن سے نہیں بلکہ روح کی عمیق گہرائیوں سے بے ساختہ اور برملا حضور ﷺ کی عظمت با وقار کا اعتراف کیا اور نہ کرنے والوں کو متنبہ کیا۔ ان کی سرزنش کی۔ انھیں ٹوکا ، بلکہ للکارااور لتھاڑا بھی ۔ ان کے خطوط کے تیور ہی سے ہم بھانپ لیتے ہیں کہ یہ بیانات رسمی نہیں ہوسکتے ، یہ تحریریں روایتی نہیں ہوسکتیں بلکہ الفاظ کے ایک پہلو سے آپ ﷺ کی عظمت رسول ﷺ کا بیان شعری پیکر میں ہوتا تو برائے شعر گفتن پر محمول کیا جاسکتا تھا لیکن یہاں تو معاملہ خطوط کا ہے جو سراسر نجی ہوتے ہیں اور مکتوب نگار کا اندرون ان میں جھانکتا ہے۔ یہ وہ شیشہ ہیں جس سے صاحب نامہ کی باطنی کیفیات عکس ریز ہوتی ہیں اور جو دل میں ہوتا ہے وہی قلم سے صفحہ خط پر ٹپکتا ہے۔ خطوط میں مکتوب نگار کے جذبات واحساسات کے پیکر تادب وتخلق اور تصنع وتکلف کے دبیز ملبوسات سے عاری اپنی فطرت حالت میں نمایاں ہوتے ہیں۔ یہ وہ آئینہ ہوتے ہیں جس میں انسان ویسا ہی نظر آتا ہے جیسا کہ وہ ہوتا ہے۔ پس غالب کے خطوط میں عظمت رسول ﷺ کی جھلک ویسی ہی دکھائی دیتی ہے جیسی ان کے نگارخانہ دل میں بسی ہوئی ہے۔ وہ ادبی نکات کی توضیح یا اشعار کی تشریح بھی کرتے ہیں تو ایسے الفاظ سے جن سے اہانت رسول ﷺ کے معنی نکلتے ہوں ان پر زبردست گرفت کرتے ہیں ایسے

مواقع پر وہ شارح یا ناقد کی سختی کے ساتھ سرزنش کرتے ہیں۔ چناں چہ مرزا رحیم بیگ کے نام لکھے طویل خط میں غالبؔ نے ''برہان قاطع'' اور ''ساطع برہان'' کے مرتبین کی ان آراء کی تردید کی ہے جن میں بعض فارسی تراکیب کو حضور ﷺ کی صفات سے جوڑا گیا تھا، درآں حالے کہ ان تراکیب کے معنی سے شانِ رسول ﷺ میں گستاخی کا پہلو نکلتا ہے، مثلاً ''برہان قاطع'' کے مرتب نے خاقانی کے شعر میں لفظ آبدہ دست کے معنی کنایۃً حضور ﷺ کی ذات کے لیے تھے اور لکھا تھا:

> آبدہ دست بہ کسر دال ابجد وہائے ہوز اشارہ بہ حضرت رسول صلوٰۃ اللہ علیہ است خصوصاً و شخصی رانیز گوید کہ بزرگ مجلس بود و آرائش صدر و زینت از باشد عموماً۔

اس کی تردید غالبؔ نے ''قاطع برہان'' میں یوں کی:

> آبدہ دست'' مرکب از'' ''آب'' و''دہ'' کہ صیغہ امر است از''دادن'' و''دست'' کہ با وجود معنی دیگر ''مسند'' رانیز گویند، معنی ترکیبی رونق دہندہ مسند ہر آینہ تامسند رابہ طرف نبوت یا رسالت، یا حدایت مضاف مضاف نگر دانند بہ مقام لغت فرد نیارند... نبینی کہ تنہا '' آبدہ دست'' افادہ معنی شو بانندہ دست می کند وآں خود اہانتی است قبیح؟''

غالبؔ کی اس تردید پر مرزا رحیم بیگ نے ''ساطع برہان'' میں غالبؔ کو خوب برا بھلا کہا تھا:

> ''آبدہ دست'' خدا نکند کہ ایں اعتراض از جانب مرزائے من باشد کو رسودائی ہم چو من گفتہ باشد۔ بہ خاطر داشت آں درج کتاب کرد ورنہ ایں کنایہ قابلِ اعتراض نیست۔

اس بحث میں بالآخر غالبؔ نے ایک طویل خط رحیم بیگ کو اردو میں لکھا۔ (غالباً اس سے زیادہ کوئی دوسرا طویل خط غالبؔ نے کسی کو بھی نہیں لکھا۔) اور اس میں اپنے عندیہ کو برملا پیش کیا۔ اس خط میں وہ رسول ﷺ کی عظمت اور شان ارفع کو پیش نظر رکھتے ہوئے تراکیب الفاظ کی نحوی بحث دلائل دے کر کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

> عرف میں ''آبدست'' کسی عضو کے غسالہ کو کہتے ہیں... پس آبدہ دست

اور دست آبدہ کے معنی وضو کروانے والا اور ہاتھ دھلانے والا۔ آب بمعنی رونق اور دست بمعنی مسند کا یہاں ادخال محض جہل اور صرف اہمال... سراسر بے پردہ اشرف الانبیاء علیہ السلام کی تذلیل و توہین ہے اور جو پیغمبر کو ایسا کہے کہ وہ مجموع اہل اسلام کے نزدیک مرتد و مردود و بے دین ہے بلکہ مخالفین بھی جو مسلمان اپنے پیغمبر کو برا کہے اس کو برا جانیں گے یقین ہے۔ پس پیمبر کا ''آبدہ دست'' نام رکھنے والا مورد لعنت اللہ والملائکہ والناس اجمعین ہے۔

(ایضاً جلد چہارم ص۱۴۸۴)

آگے وہ خاقانی کے قطعہ کی وضاحت نحوی وصرفی ضابطوں کے تحت کرتے ہیں کہ اشعار کا صحیح مطلب اور شاعر کا عندیہ قارئین کے سامنے آجاتا ہے۔فرماتے ہیں۔

خاقانی کے شعر لکھنے سے آپ کی کیا مراد ہے؟ یہ شعر قطعہ بند ہے اور اس کا پہلا شعر مجھ کو یاد ہے۔ پہلے پوچھتا ہوں کہ ''دست آبدہ'' کا فاعل اور ''شین'' کا مرجع تم نے کس کو ٹھہرایا اور آنحضرت ﷺ کا نشان اس میں بہ طریق مذکور یا مقدر کہاں پایا۔ جب اس مصرع کی رو سے ''دست آبدہ مجاورانش'' دست آبدہ پیغمبر کا نام قرار پایا تو دوسرے مصرع کے مطابق ''ارزن دہ برج کبوترانش'' کا خطاب بھی حضور ﷺ پر صادق آیا۔ سبحان اللہ! جہاں مصطفیٰ و مجتبیٰ و رحمۃ للعلمین و خاتم المرسلین آپ ﷺ کے القاب ہیں وہاں ''آبدہ دست'' بھی آپ کا لقب ٹھہرا۔ مرزا جی! میں ترک جاہل ہوں، بجا ہے اگر مجھ کو گالیاں ازروئے عتاب دوگے۔ خدا کے واسطے پیغمبر ﷺ کو کیا جواب دوگے؟ بندہ پرور! خاقانی کا شعر قطعہ بند ہے اور اس شعر کا پہلا شعر یہ ہے:

روح از پئی آبروی خودرا
خلد از پئی رنگ و بوئی خودرا
دست آبدہ مجاور انش
ارزن دہ برج کبوتر انش

ہندی کی چندی غالب سے سن لیجیے۔ روح اپنی افزائش آبرو کے واسطے وضو کا پانی دیتی ہے کعبہ کے مجاوروں کو اور خلد اخذ رنگ وبو کے واسطے

> دانہ کھلانا ادنیٰ خدمت ہے خدا کے واسطے مخدوم کونین کو خادم کہنا مدح ہے یا مذمت؟ ''برہان قاطع'' والا اگر یہ قباحتیں نہ سمجھا ہے تو احمق ہے اور اگر سمجھ کر لکھتا ہے تو کافر ہے۔
>
> (ایضاً ص ۱۴۸۵)

آگے اسی خط میں غالب نے ''آب'' بہ معنی'' رونق'' اور''دست'' بہ معنی''مسند'' کے معنی لے کر خاقانی کے شعر کی تشریح کرنے والوں کی خبر لی ہے۔ بالخصوص رحیم بیگ کے تو خوب کان کھینچے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

> تخت اور اورنگ سلاطین کے جلوس کے واسطے اور وسادہ اور مسند امرا کے جلوس کے واسطے موضوع ہے۔۔۔۔ انبیاء خصوصاً سیدالانبیاء مسند پر کب بیٹھے تھے۔ان کے غلاموں کو امارت ننگ اور زمزمہ الفقر وفخری'' بلند آہنگ ہے۔ میرے خداوند کا فرش حصیر نمد گلیم، ردائے صحابہ سطح خاک، میں مومن مجرم اپنے اس خداوند کو ... ''آبدہ دست'' ''وزینت بخش مسند'' کیوں کر سمجھوں؟ بلکہ مجموع اہل اسلام بشرط فہم صحیح وطبع سلیم گوارا نہ کریں گے...اگر''آب'' سے پانی اور''دست'' سے ہاتھ مراد لیں تو اس کو اسم پیمبر سمجھنا کتنی بے ادبی ہے اور اگر آب کو یہ معنی رونق اور'' دست'' سے ہاتھ مراد لیں تو اس کو پیمبر سمجھنا کتنی بے ادبی ہے اور اگر آب کو یہ معنی رونق اور دست کو بمعنی مسند مانیں تو بے الحاق لفظ نبوت و ہدایت حضرت ﷺ کو اس ترکیب کا مشارٌالیہ سمجھنا کیسی بلاعجبی ہے۔
>
> (ایضاً ص ۱۴۸۷)

اس طرح غالب نے صاحبان''برہان قاطع'' اور''ساطع برہان'' کی تراکیب نحوی و معنوی کے درپردہ حضور پرنور ﷺ کی تحقیر وتوہین کرنے کی نیتوں کا پردہ فاش کر دیا ہے۔ مرزا رحیم بیگ کو لکھا گیا یہ مکتوب اگرچہ سراسر علمی بحث پر مشتمل ہے اور اس میں فن اشتقاق اور فن لغت نویسی کی باریکیوں کو زیر بحث لایا گیا ہے، لیکن غالب نے اس بحث میں صرف الفاظ کے معنی اور مترادفات پر ہی روشنی نہیں ڈالی بلکہ زبان و الفاظ کے استعمال کے معاشرتی پہلو پر

زیادہ زور دیا ہے کہ الفاظ کی اصل روح معاشرتی روایات سے وابستہ ہوتی ہے، الفاظ کے ڈھانچے تو کھوکھلے ہوتے ہیں۔ زبان کا سماجی سطح پر استعمال اس میں موجود الفاظ کی معنوی روح کو پیش نظر رکھ کر کیا جاتا ہے اور ان معنوں کو ترجیح دی جاتی ہے جو سماجی روایات کے منافی نہ ہوں۔ مذکورہ خط میں غالبؔ نے زبان و الفاظ کی تہذیبی روایت پر زور دے کر اس سے مستنبط معنی کو قبول کیا اور اس سے ہٹ کر دوسرے معنی کو رد کر دیا کہ فرہنگ نویسوں نے تہذیب و معاشرت سے ہٹ کر ان الفاظ کے معنی مرتب کیے ہیں جس کی وجہ سے توہین رسول ﷺ ان الفاظ کے استعمال سے صادق آتی ہے۔

اس توضیح سے پتا چلتا ہے کہ غالبؔ حب رسول ﷺ میں بڑے زودحس واقع ہوئے تھے اور عظمت رسول ﷺ کے معاملے میں عقائد وہابیہ کو ترجیح دیا کرتے تھے۔ وہ توہین رسول ﷺ اور تذلیل نبی کریم ﷺ کو ذرا بھی برداشت نہ کرتے۔ ''قافلہ شد'' کے معنی جب ''برہان قاطع'' نے ''قافلہ سالار رفت'' یعنی ''رحلت رسول ﷺ'' لیے تو ان کا جذبہ عشق رسول ﷺ جوش میں آ گیا۔ انھوں نے اس معنی میں ''استہزا رسول ﷺ'' سمجھا اس لیے ''برہان قاطع'' اور ''ساطع برہان'' کو مولانا فضل حق کی زبان میں یوں برا بھلا کہا۔

> (کوئی) کہے کہ آپ ﷺ کی ردا میلی ہے اگرچہ اس وقت میں ہو لیکن چوں کہ ایک گونہ سوئے ادب اور اہانت ہے۔ حاکم اہل اسلام کو چاہیے کہ اس قول کے قائل کو سزا دے۔

(ایضاً جلد چہارم ص ۱۴۸۶)

عشق رسول ﷺ میں غالبؔ کی سرشاری کا یہ عالم ہے کہ وہ اشعار کے معنی کو حضور ﷺ کی ذات وصفات یا آپ ﷺ کی حیات طیبہ کے واقعات سے جوڑ دیتے ہیں۔ خاقانی کے قطعہ کی ایک مثال ہم اوپر دیکھ چکے ہیں۔ اب یہ مثال بھی ملاحظہ کریں۔ منشی نبی بخش حقیر کے استفسار پر غالبؔ نے انھیں ۱۹ر نومبر ۱۸۵۲ء کو ایک خط لکھا تھا جس میں وہ تحریر فرماتے ہیں:

> آپ نے ایک بیت کے معنی پوچھے وہ سنیے:
>
> تو گوئی مگر مہر زینہ زمیں
>
> فروزان فوہ بود پشت نگیں

یہ شعر شب معراج کی توصیف میں ہے کہ وہ شب ایسی روشن تھی کہ بہ سبب روشنی کے زمین ایسی چمکتی تھی کہ جیسے ڈانک سے نگینہ چمک جاتا ہے۔ آفتاب رات کو تحت الارض ہوتا ہے اور ڈانک نگینے کے تلے لگاتے ہیں اور نگینہ چمکتا ہے۔ اور نگینہ بقدر ڈانک کی چمکتا ہے پس جس نگیں کے نیچے آفتاب ڈانک ہوگا، وہ نگیں کتنا درخشاں ہوگا۔ ''فوہ'' فارسی لغت ہے بہ معنی، ڈانک کے۔

(ایضاً جلد سوم ص ۱۱۱۵)

مندرجہ بالا خطوط کی روشنی میں ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ غالب عشق رسول ﷺ میں سرشار ہیں۔ ان کے یہاں حب رسول ﷺ شگفتہ وشیفتہ ہے۔ عقیدت والہانہ و فدایانہ ہے اور عظمت رسول ﷺ دل کی گہرائیوں میں اتری ہوئی ہے۔ لیکن یہ عقیدت و عظمت غلو و ابلاغ سے یکسر پاک ہے اسی لیے عقائد وہابیہ کی رد میں ''امتناع النظیر خاتم النبیین'' کے مسئلہ پر مولانا فضل حق کی منشا کے مطابق مثنوی نہ لکھ سکے۔ وہ اس لیے بھی کہ اس مسئلہ میں توقیر رسول ﷺ کے درپردہ تحقیر الٰہ کا احتمال تھا۔ غالب جبکہ پکے موحد اور ''لا موجود الا ھو'' کے زبردست حامی تھے وہ بھلا اس ہتھکنڈے اور چال کو سمجھ کر مولانا کے حکم کی کیسی پیروی کرتے۔ وہ تو شیخ ابن العربی کے فلسفۂ وحدۃ الوجود کے قائل تھے اور آپ کے قول:

انه لیس للعبد فی العبودیة نہایة حتیٰ یصل الیہا ثم یرجع رباً کما انه لیس للرب حد ینتہی الیه ثم یعود عبداً فالرب رب غیر نہایة والعبد عبد غیر نہایت.

یعنی عبد کے لیے عبودیت کی کوئی انتہا نہیں کہ اس کو پالے اور پھر رب بن جائے جس طرح کہ رب کے لیے کوئی حد نہیں کہ وہ ختم ہوجائے اور عبد بن جائے۔ اس لیے رب رب ہے بغیر نہایت اور عبد عبد ہے لانہایت۔

اَلعَبدُ عَبدٌ وَ اِن تَرقٰی

بندہ بندہ ہے گو وہ لاکھ ترقی کرے

وَالرَّبَّ رَبٌ وَان تنزل.

رب رب ہے گو وہ کتنا ہی نزول کیوں نہ کرے

(میر ولی الدین: قرآن اور تصوف، دہلی ص ۶۲)

کی صداقت تسلیم کرتے تھے۔ مولانا فضل حق نے سید اسمٰعیل شہید کی تردید میں "امتناع النظیر" کے مسئلہ کو منطقیانہ بنیاد پر پیش کیا اور عوام الناس کے سامنے اس مسئلہ کی یوں تصریح کی کہ: خاتم النبیین کا مثل ممتنع بالذات ہے اور جس طرح خدا اپنا مثل پیدا نہیں کرسکتا۔ اسی طرح خاتم النبیین کا مثل بھی پیدا نہیں کرسکتا تھا۔ غالب سمجھ گئے تھے کہ اللہ جو مختار کل ہے اس مسئلہ کی بنیاد پر مجبور محض کا تصور اس کی ذات سے جڑ سکتا ہے۔ اس لیے انھوں نے مولانا فضل حق کے کہنے پر ایسی مثنوی لکھی جس میں عظمت رسول ﷺ اور اللہ تعالیٰ کی قادریت کا پورا پورا خیال رکھا گیا اور مولانا کے عقیدے کی گول مول تصریح کر دی گئی جس سے مولانا بڑے جز بز ہوئے۔ لیکن غالب کے نزدیک تو ایمان کی شرط اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے ساتھ محمد ﷺ کی عبدیت کو تسلیم کرنے میں ہے۔ اس لیے انھوں نے اس مثنوی میں اس مسئلہ کو کچھ اس ڈھنگ سے پیش کیا تھا:

> اس موجودہ عالم میں ایک خاتم کے سوا دوسرا خاتم پیدا نہیں ہوسکتا، لیکن خدا قادر ہے کہ ایک ایسا ہی عالم پیدا کر دے اس میں خاتم النبیین کا مثل جو اس دوسرے عالم کا خاتم النبیین ہو خلق فرما دے۔

(حالی: یادگار غالب: علی گڑھ ص ۷۶)

اس پر فضل حق صاحب غالب پر غصہ ہوئے تھے۔ بالآخر از راہ مروت غالب نے اپنی مثنوی اگرچہ "امتناع النظیر" کے مسئلہ کے مطابق لکھ دی لیکن بعد کے اشعار ان کے خیالات کی ترجمانی نہیں کرتے بلکہ بقول حالی:

> پھر اس کے بعد جو کچھ لکھا وہ مولانا کے جبر سے لکھا ہے۔ اس کو مرزا کے اصل خیالات سے کچھ تعلق نہیں۔

(ایضاً ص ۷۸)

یوں غالب نے اپنی بشری کوتاہوں کے باوصف لاالہٰ الا اللہ محمد رسول اللہ کے تقاضے پوری طرح نبھانے کی سعی فرمائی۔ انھوں نے مدینۃ النبی کے بالمقابل بیت اللہ کو پس پشت ڈالا نہ نبوت کے سامنے ربوبیت کو کمتر جانا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور محمد رسول اللہ ﷺ کی عبدیت کے قائل تھے اور ان دونوں کے مراتب کا بہر حال خیال رکھا کرتے تھے۔ عظمت

رسول ﷺ کی عقیدت میں وہ محمد مصطفیٰ ﷺ کے لیے شان خداوندی کے مرتبہ کا تصور نہیں کر سکتے تھے اس لیے کہ وہ وحدۃ الوجود کے قائل تھے۔ انھوں نے اپنے خطوط میں بارہا اس نکتہ پر زور دیا ہے کہ شرک فی الذات، شرک فی الصفات اور شرک فی الافعال قدرت میں تو آدمی خطرے سے بچ سکتا ہے لیکن شرک فی الوجود نہایت لطیف نکتہ ہے اس میں شرک سے بچنا امر محال ہے۔ غالب اس باریکی کو سمجھے ہوئے تھے اس لیے مولانا فضل حق کے مسئلہ ''امتناع النظیر'' کے مسئلہ میں مثنوی لکھنے کے لیے پس و پیش کررہے تھے۔ بہرحال! یہ حقیقت ہے کہ غالب کی ''عود ہندی'' میں بسی ہوئی عظمت رسول ﷺ کی بھینی بھینی خوشبو نے ''اردوئے معلیٰ'' کو معطر و مطہر کر دیا ہے۔

ڈاکٹر عاصی کرنالی۔ ملتان

غزلیاتِ غالبؔ کی زمینوں پر نعت گوئی

و رفعنا لک ذکرک کے الٰہی فرمان و اعلان کے مطابق حضرت محمد ﷺ کا ذکر مقدس ازل سے ابد تک جاری ہے۔ ہر زماں اور ہر زباں اس سے منور و معطر ہے۔ اظہار کے جتنے لسانی و سائل اور تحریر و تقریر کے جتنے پیرایے اور اسالیب ہیں، ان سب میں اس ذکر کی جلوہ نمائی اور جمال افروزی ہے... عشق محمدی سے سرشار اور جوہر ایجاد و تخلیق سے معمور طبائع اس ذکر جمیل کے لیے نئے نئے اور اچھوتے اچھوتے پہلو تلاش کرتی ہیں اور مداحین رسالت کی فہرست میں اپنا نام درج کراتی ہیں...... اور حسب توفیق و استعداد عقیدت کے شگوفہ وگل اس بہارستان نبوت کی نذر کرتی ہیں...

اس سلسلہ تذکار کی ایک خوشنما روایت یہ ابھری کہ شعرا کی غزلوں سے مصرع ہائے طرح لے کر ان پر نعتیں کہی جائیں... یا ان کی پوری غزل کو زمین قرار دے کر اس میں نعت کی گل کاری کی جائے یا بہ توفیق الٰہی کسی شاعر ایک سے زیادہ غزلوں پر نعت کے لیے طبع آزمائی کی جائے۔ اہل ہمت و عزیمت نے اس سے آگے قدم اُٹھایا اور ۶۳ یا ۹۲ غزلوں کی زمینوں پر نعتیں کہیں پھر یہ خوش گوار و خوش آئند روایت اس طرح برگ و بار لائی کہ الاماشاء اللہ کسی مشہور و معروف استاد کے تمام دیوان غزل کو نعت کی ''گل زمین'' بنا ڈالا...

اردو میں اس روایت کا مرکز و محور غالبؔ کا دیوان غزل رہا ہے... یہ ہمارے نزدیک غالبؔ کی خوش طالعی ہے کہ وہ اس شرف و سعادت کا نقطہ ارتکاز ہے اور شعرائے نعت گو کا یہ عمل خود غالبؔ کی فنی اور معنوی حیات میں ایک خداداد سلسلہ برکات ہے...

غالبؔ بجائے خود اور بذات خود ایسا شاعر ہے جس کی شاعری اپنے اختصاص کے

سبب زندہ سے زندہ تر ہوتی چلی جا رہی ہے اور اس کا یہ شعر اس کی پیشین گوئی کا مصداق بن گیا ہے...

کوکبم را در عدم اوج قبولی دادہ اند
شہرت شعرم بہ گیتی بعد من خواہد شدن

اور ''شہرت شعر'' کی یہ کیسی مقدس، مبارک، مشرف اور سعید صورت ہے کہ اس کی غزلوں کی زمینیں اس کی بحوز اس کے قوانی اور ردیفیں نعت کے انور و تجلیات میں ملفوف ہو رہی ہیں... غالب کی غزل کو اس کے پیرائے اسلوب اور غزلیہ فضا کے مدنظر نعت کے سانچے میں ڈھالنا کوئی آسان کام نہیں۔ اس کی مشکلات ان سے پوچھیے جو اس وادی دشوار سے گزرے ہیں۔ غالب عجیب اور حیرت انگیز ردیفیں اختیار کرتا ہے اور (بظاہر) ایسا نظام قوانی لاکر ان ردیفوں سے مربوط کرتا ہے جن کو سامنے پا کر کوئی نعت گو شاعر یقیناً خود کو خاصے امتحان میں محسوس کرتا ہے۔ اور پھر توفیق خداوندی ہی اس کو منزل تک پہنچاتی ہے ... مثلاً غالب کے طلسم خانہ غزلیات اور عجائب کدۂ شاعری سے چند قافیہ و ردیف کے تلازمات دیکھیے:

کار فرما جل گیا۔ بال عنقا۔ جل گیا + صد دل پسند آیا مشکل پسند آیا+ دفتر کھلا۔ گنجینہ گوہر کھلا+ خمیازہ تھا۔ اندازہ تھا۔ آب بقا موج شراب۔ بال کشا موج شراب + بال و پر درد دیوار ۔ پیشتر ۔ در و دیوار خار آتش۔ روئے نگار آتش + زبانی شمع۔ بدگمانی شمع + وارفتگی کی شرم۔ بے کسی کی شرم + رسا باندھتے ہیں۔ ہوا میں باندھتے ہیں + رہ گزر میں خاک نہیں۔ گھر میں خاک نہیں + دکھا کہ یوں۔ بتا کہ یوں + سیمتن کے پانو + بود چراغ کشتہ ہے۔ دود چراغ کشتہ ہے +مانی مانگے، ریشہ دوانی مانگے + اعتبار نغمہ ہے۔ جوئبار نغمہ ہے + متاع جلوہ ہے۔ اختراع جلوہ ہے + برائے خندہ ہے۔ قفائے خندہ ہے +

غالب کی یہ اور ایسی ہی بہت سی امتحان گاہیں ہیں جن سے مداحین رسالت کو گزرنا پڑتا ہے۔ پھر ایک اور اعتبار سے دیکھیے کہ یہ نظام قوانی اور یہ ردیفیں بہت حد تک غزل اور تغزل کے مزاج اور فضا کے مطابق ہیں ان میں جذباتی سرمستیوں اور لغزش ہائے رندانہ کی بہت گنجائشیں ہیں اور معاملات عشق کی گونا گوں کیفیتوں کے لیے ایسے التزامات نہایت سازگار ہیں۔ لیکن انہیں نعت کی ادب گاہوں میں لانا اور ان میں تقدس مآب نعتیں کہنا بہ ظاہر محالات کی مد میں آتا ہے.. محبوب ہائے مجازی کا سروساماں محبوب خدا اور ممدوح الٰہی کے لیے

کہاں زیبا ہے لیکن یہ حقیقتاً نعت گو شعرا کی عالی ہمتی قدرت فن اور خصوصاً عشق محمدی کی برکات ہیں کہ یہ لائق تحسین شعرا اس بحر مواج کی طوفاں خیزیوں سے گزر کر بہ عافیت ساحل مراد تک پہنچتے ہیں... ویسے بھی غالب کی پرواز خیال کے ساتھ ہم پرواز ہونا اور آفاق بلند میں اس کا ساتھ دینا آسان کام نہیں اور پھر اس کی فضائے تغزل میں داخل ہوکر وہاں سے نعت کے ارفع آفاق میں بال کشا ہونا یقیناً ''اعجاز فکر وفن'' ہی کہلایا جاسکتا ہے...

اب ہم ان سعید شعرائے نعت کا ذکر کرتے ہیں جنہوں نے غزلیات غالب کی زمینوں کو نعت گوئی کے لیے برتا ہے۔ ہمارے علم وخبر کے مطابق تادم تحریر ان کے اسمائے گرامی مع تصانیف یہ ہیں:

ساجد اسدی	پیامبر مغفرت	۱۹۷۵ء	تمام غزلوں پر نعتیہ مجموعہ
راغب مراد آبادی	مدحت خیرالبشر	۱۹۷۹ء	۶۳ غزلوں پر نعتیں
ابرار کرتپوری	مدحت	۱۹۹۲	۹۲ نعتیں
ایاز صدیقی	ثنائے محمد	۱۹۹۳ء	۹۲ نعتیں
بشیر حسین ناظم	جمال جہاں فروز	۱۹۹۸ء	تمام غزلیات غالب پر نعتیں مع ایک حمد۔

ساجد اسدی کی تصنیف کے دو نام ہیں۔ پیامبر مغفرت (جس سے سن عیسوی میں تاریخی نام نکلتا ہے ۱۹۷۵ء) اور مخزن نعت مقبول (تاریخی نام سال ہجری ۱۳۹۵ھ) بزم احباب اسدی نے اسے کراچی سے شائع کیا ہے۔

ساجد اسدی آغاز میں کہتے ہیں: ''ابتدا میں تو کچھ پتا نہ چلا لیکن جب سنگلاخ زمینیں آئیں تو بڑی دشواری کا سامنا کرنا پڑا مگر میری ہمت اور غیرت نے گوارا نہ کیا کہ بڑھا ہوا قدم پیچھے ہٹایا جائے... میں نے ایک سال کی مدت میں مرزا صاحب کی تمام غزلوں پر نعتیں لکھ دیں۔ اس التزام کے ساتھ کہ کوئی زمین نہیں چھوڑی'' (ص ۴)

ساجد اسدی کی زباں سلیس اور بیان دلکش ہے۔ اور عشق رسول ﷺ کے گداز نے ان کے اس عمل میں تاثیر پیدا کی ہے۔ ان کے یہاں یہ سعی غالب ہے کہ وہ قریب قریب نعت وثنا کے تمام مروّج و متداول موضوعات پر عمدہ شعر کہتے ہیں: مثلاً

سرکار دو عالم کا ہے اُسوہ مرے آگے
اللہ سے ملنے کا ہے رستہ مرے آگے

مجھ کو تو بڑا عید کے دن سے بھی ہے وہ دن
جب ہوگا نبی ﷺ کا مرے، روضہ مرے آگے

راغب مراد آبادی کی مدحت خیرالبشر ۱۹۷۹ میں سفینہ اکیڈمی کراچی نے مطبع ایجوکیشنل پریس سے شائع کی۔

آغاز میں غالب کا فارسی شعر درج ہے:

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتم
کاں ذات پاک مرتبہ دان محمد است

اس کے مقابل غالب نے یہ شعر کہا ہے:

راغب ثنائے خواجہ شنیدہ ام
شعرش دلیل عظمت و شان محمد ﷺ است

آغاز میں ڈاکٹر ابوالخیر کشفی، پروفیسر منظور حسین شور، الحاج عبدالحبیب احمد کے تعارفی مضامین اور خود راغب صاحب کے چند کلمات درج ہیں۔ کتاب کے آخر میں قرآن و احادیث کے حوالے درج ہیں۔

ڈاکٹر ابوالخیر کشفی فرماتے ہیں: ''اس مجموعے کی نعتیہ غزلوں کے اشعار بھی اردو غزلوں کے اشعار کی طرح منفرد حیثیت رکھتے ہیں لیکن جس طرح ایک اچھی غزل اپنی ایک فضا رکھتی ہے، وہی فضا ان نعتیہ غزلوں میں بھی موجود ہے۔'' (ص ۲۴)

پروفیسر منظور حسین شور کے بہ قول: ''ان نعتوں کا سب سے بڑا وصف یہ ہے کہ راغب صاحب نے جس مشکل گو اور مشکل پسند شاعر کی زمینیں اپنی نعتوں کے لیے منتخب کی ہیں اس کی زبان میں اظہار مطالب سے اس طرح عہدہ برآ نظر آتے ہیں کہ مطالب کی نوعیت کے ساتھ زبان کی ریزہ کاری اور بیان کی رنگینی سے ہر نعت نکھرتی چلی جاتی ہے''...(ص ۳۴)

راغب مراد آبادی کی شاعری میں خیال کی پاکیزگی، سنجیدہ اور متین اسلوب، زبان کی سلاست اور بیان کی روانی ملتی ہے حمد و نعت میں بھی ان کی کاوشیں لائق تحسین ہیں اور اپنی سعی و ریاضت سے انہوں نے ان اصناف میں معنوی اضافہ کیا ہے۔ اسلامی روح اور عشق رسول ﷺ کی نعمت سے خدا نے انہیں نوازا ہے۔ حمد و نعت میں ان کا بیش بہا سرمایہ ہنوز چار

تصانیف پر مشتمل ہے۔ مدحت خیرالبشر (۱۹۷۹) مدح رسول (۱۹۸۳) بحضور خاتم الانبیا (۱۹۸۵) اور بدر الدجی (۱۹۹۱)۔ (مدحت خیرالبشر میں انھوں نے غالب کی ۶۳ غزلوں پر نعتیں کہی ہیں۔ غالب کی مصرعوں کی تضمین نہیں کی صرف زمینوں کو برتا ہے اور اس انوکھے اور عمدہ تجربے کے حوالے سے نعت گوئی میں خوشگوار اضافہ کیا ہے۔ ان کے بعض اشعار میں آیات و احادیث کی تفہیم ملتی ہے۔

بقول کشفی صاحب " وہ مقصد بعثت اور عالم انسانیت پر حضور ﷺ کے احسانات کا ذکر کرتے ہوئے اتباع اسوۂ حسنہ کے فیوض و برکات کو شاعرانہ زبان میں بیان کرتے ہیں۔" مثلاً:

سیرت خیرالوریٰ سے سیکھ لے وہ خدوخال
جس کے دل میں شوق ہو قرآن کی تفسیر کا
عقل انسانی احاطہ کر نہیں سکتی کبھی
داعیِ اسلام کے احسان عالمگیر کا

ابرار کرتپوری کی "مدحت" ۹۲ نعتوں پر مشتمل ہے۔ اسے غالب اکیڈمی نئی دہلی نے ۱۹۹۲ء میں شائع کیا۔

ابوالفیض سحر اپنے تعارفی مضمون میں کہتے ہیں: "یوں تو غالب کی زمینیں اپنی مشکل پسندی اور اختراعی شکوہ کی وجہ سے بھی اہم رہی ہیں اور اسی وجہ سے بھی سخنوری کے کمال کے امتحان کی کسوٹی اور اساس بھی قرار پاتی ہیں۔ اسی رویے اور رجحان نے شاید ابرار کرتپوری کو اپنے سحر میں لے لیا اور ابرار صاحب نے بڑی خوبی اور فنی مہارت اور ندرت کلامی سے غالب کی ہر طرح کی چھوٹی بڑی زمینوں میں نعتیں کہی ہیں۔ بلاشبہ یہ ان کے کمال ہنر مندی کی دلیل بھی ہے۔" (ص ۶)

کتاب کے آغاز میں ورفعنا لک ذکرک کے حوالے سے قرآنی آیات کا اندراج ہے اور نعت گوئی کی ضرورت اور اہمیت واضح کی گئی ہے۔ حضور کا شجرہ مبارک ہے۔ اسمائے مبارک درج ہیں ارشادات عالیہ، چالیس احادیث، شاعری اور رسول اکرم ﷺ کے عنوانات سے مفید نثری تحریریں ہیں۔ چند شعرائے عرب کے نعتیہ اشعار شامل تصنیف کیے گئے ہیں۔ چند اردو شعرا کی نعتیں درج ہیں اور کتاب میں ص ۴۷ سے ص ۱۴۳ تک ابرار کرتپوری کا نعتیہ کلام موجود ہے۔

ابرار کرتپوری کی نعتیہ شاعری میں عقیدت کی سرشاری اور صداقت کی تاثیر موجود ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فضائل اور مکارم اخلاق کا بیان حضور ﷺ کے ارشادات و تعلیمات کا ابلاغ اور حضور ﷺ کی نبوت کی عالم انسانیت پر برکات کا ذکر ہے۔ حاضری اور زیارت کی آرزو اور ذوق عقیدت کے مضامین نمایاں ہیں۔ بیان میں سادگی اور دل کشی کے اجزا ہیں، مثلاً:

معرفت آپ کی وہ واقف یزداں ہونا
بخت امت کا ہوا صاحب ایماں ہونا
رحمت و خیر دو عالم ہیں ہمارے آقا
ان کی ہر بات میں ہے خیر کا امکاں ہونا

ایاز صدیقی کی نعتیہ تصنیف ثنائے محمد ﷺ ۱۹۹۳ میں روحانی آرٹ پریس ملتان سے شائع ہوئی۔ یہ ۹۲ نعتوں پر مشتمل ہے... جہاں تک نعت گوئی کے اسلوب کا تعلق ہے، صداؤں کے ہجوم میں ایاز صدیقی کی آواز سب سے الگ، سب سے یکتا اور سب سے منفرد سنائی دے گی... لفظوں کا چناؤ اور شعر میں ان کا قرینہ معنوی، لفظی تراکیب کی ایجاد جس سے نئی معنویت کی خوب صورت پیکر تراشی ہوتی ہے... ان کی نعت کا رشتہ حسن روایت سے بھی مستحکم ہے اور عصری تقاضوں کے مطابق موضوعاتی اور اسلوبیاتی جمال سے بھی بہرہ ور... نیز مستقبل میں ہماری نعت فکر و اظہار کا جو پیرایہ اختیار کرے گی اس کے امکانات بھی ان کے یہاں جھلملاتے ہیں۔ ایاز صدیقی نے غالب کی غزلوں پر نعتیں کہیں تو گویا اپنی پرواز کے لیے ایک الگ فضا کا تعین کر لیا وہ فضائے نعت میں اُڑے ہیں اور بڑی شان سے اُڑے ہیں۔ انھوں نے کامیاب نعتیں کہیں۔ ہم ان کی اس خصوصیت کا لازماً ذکر کریں گے، انھوں نے غالب کے جس مصرع غزل پر گرہ لگائی یعنی اس کی تضمین کی اسے اس طرح نعت کے سانچے میں ڈھالا کہ غالب کے غزلیہ مصرع کا مزاج ہی بدل گیا... دو تین مثالیں دیکھیے:

آقا نے مجھ کو دامن رحمت میں لے لیا
میں ورنہ ہر لباس میں ننگ وجود تھا
نبی ﷺ کے ہجر میں رونا بھی عین راحت ہے
مری نگاہ میں ہے جمع و خرج دریا کا

مشاطگیٔ باغ جہاں آپ ہی سے ہے
بے شانہ صبا نہیں طرہ گیاہ کا

اسی انداز کا حسن و جمال ایاز صدیقی کی تمام نعتوں سے جلوہ فشاں ہے۔

بشیر حسین ناظم کی نعتیہ تصنیف جمال جہاں فروز ۱۹۹۸ء میں فریدیہ پرنٹنگ پریس کراچی نے چھاپی۔ یہ غالب کے تمام دیوان غزل پر کہی گئی نعتوں کا مجموعہ ہے۔

بشیر حسین ناظم کے نعتیہ اسلوب کی ممتاز خصوصیت یہ ہے کہ وہ زبان اردو میں فارسی اور خصوصاً عربی کا الفاظ تراکیب لفظی اور اصطلاحات کو شعوری سطح پر داخل کر رہے ہیں اور انھیں اردو کے شعری مزاج کا حصہ بنا رہے ہیں۔ ان کا یہ لفظیاتی نظام اصل میں زبان اردو کا لسانیاتی توسیع منصوبہ ہے۔ جس کے وسیلے سے وہ عربی اور فارسی جیسی اہم زبانوں کو ہمارے دینی اور تہذیبی احیا کے لیے استعمال کر رہے ہیں وہ شعوری طور پر ہمیں یہ احساس دلا رہے ہیں کہ ہمیں اپنے ادب کے اسالیب اور اظہارات میں خصوصاً عربی کے لائق تحلیل اجزا کو ضرور جذب کر لینا چاہیے تاکہ ایک طرف تو اردو وسعت پذیر ہو اور اس کے اظہاری امکانات میں اضافہ ہو اور دوسری طرف بحیثیت ہم مسلمان اپنی دینی زبان سے رابطہ بحال کرسکیں۔ ان کے نعتیہ اسلوب میں اردو کے ساتھ ساتھ عربی الفاظ و تراکیب کی کثرت اور وفور ہے لیکن ان کا سلیقہ شعری اس غضب کا ہے کہ دونوں بلکہ تینوں زبانوں کے الفاظ ان کے مزاج شعری میں پوری طرح ممزوج ہوجاتے ہیں۔ ان کے فن اور فکرو خیال کی اساس علمی ہے اور ان کے یہاں اول سے آخر تک عالمانہ شعور کی اساس پر ادبی اسلوب کا تلازمہ ملتا ہے... رہی موضوعات، مضامین کی بات، ان کی نعتیں تنوع سے مالا مال ہیں، مثلاً:

مطلع
نہ پوچھ مجھ سے مرے رخ تمنا کا
کہ اس کی ذات ہے مصدر دم مسیحا کا

جو مستوار شراب لقائے احمد ﷺ ہیں
چلا نہ ان پہ کبھی سحر جام و صہبا کا

اب ہم یہ چاہیں گے کہ غالب کی ایک غزل کے حوالے ان پانچ شعرا کی نعتوں کے پانچ پانچ اشعار درج کریں تاکہ جہاں ایک جانب غالب کی زمین میں ان کی فلک پیمائیاں ہمارے

سامنے آسکیں وہیں ہم ان کے اپنے اسالیب اور طرز ہائے کلام کا مشاہدہ کرسکیں:
غالب کی غزل: نقش فریادی ہے کس کی شوخیِ تحریر کا۔
ساجد اسدی:

ہے درخشاں ایک پہلو یہ مری تقدیر کا
واسطہ ہے ان کی رحمت سے مری تقصیر کا
خواب میں دیکھا تھا جاتا ہوں مدینے کی طرف
منتظر مدت سے ہوں اس خواب کی تعبیر کا
لکھ دیا قسمت میں میری عشق محبوب خدا
ہوں بہت ممنون منت کا تب تقدیر کا
جاں لبوں پر آگئی ہے، لیجیے اب تو خبر
یا رسول اللہ ﷺ اب یارا نہیں تاخیر کا
خواب ہی میں اس کو دکھلا دیجیے جلوہ حضور ﷺ
وقت آخر آگیا ہے ساجد دل گیر کا

راغب مراد آبادی:

مدحت خیر البشر ﷺ اعجاز ہے تحریر کا
یہ بھی اک انداز ہے قرآن کی تفسیر کا
سیرت خیر الوریٰ ﷺ کے دیکھ لے وہ خد و خال
جس کے دل میں شوق ہو قرآن کی تفسیر کا
زلزلے کیا قلعہ اسلام سے ٹکرائیں گے
سنگ بنیاد آپ نے رکھا ہے اس تعمیر کا
جو بہ ہر انداز ہوں، شایان شان مصطفیٰ ﷺ
لفظ ایسے ڈھونڈنا لانا ہے جوئے شیر کا
بھیجتا ہوں روز و شب راغب محمد ﷺ پر درود
مل گیا قرآن میں نسخہ مجھے اکسیر کا

ابرار کرتپوری:

ارتقا کا، روشنی کا، خواب کا، تعبیر کا
دینِ احمد ﷺ راستہ سر بسر تعمیر کا

آیئے اب چاند تاروں پر کمندیں ڈال دیں
آیۂ قرآن میں ہم کو حکم ہے تسخیر کا

عظمتِ انساں بھی ہے معراج کی بے مثل شب
اور کمالِ ارتقا سائنس کی تدبیر کا

آپ کے کردار کا سکہ جما ہے ہر طرف
دو جہاں میں غلغلہ ہے خلق کی تاثیر کا

بھیجتا ہے خالقِ اکبر محمد ﷺ پر درود
ہے علَم اونچا مرنے سرکار کی توقیر کا

ایاز صدیقی:

معجزہ ہے آیۂ والنجم کی تفسیر کا
ایک اک نقطہ ستارہ ہے مری تحریر کا

کب مجھے بلوائیں گے آقا ﷺ حریمِ قدس میں
خوابِ ہستی منتظر ہے جلوۂ تعبیر کا

آہ غمِ دل سے اٹھی اور بابِ رحمت کھل گیا
میں نے دیکھا ہے یہ منظر آہ کی تاثیر کا

جنتِ خوابِ تمنا ہے مدینے کا خیال
شہرِ رنگ و بو علاقہ ہے مری جاگیر کا

خاک ہو کر راہِ طیبہ میں بکھر جاؤں ایاز
یہ حسین رخ ہے مری تخریب میں تعمیر کا

بشیر حسین ناظم:

غلغلہ ہے ہر طرف اس حسنِ عالمگیر کا
مصدر و مطلع ہے جو آفاق کی تنویر کا

نغمہ صل و سلم ہے ضیائے قلب و جاں
بحد تزئین و غازہ رخ تحریر کا

پی لیا میں نے بلیٰ کے بعد خم تمعیت کا
ہمسر کیواں ہوا کوکب مری تقدیر کا

خطرہ اہلاک دینا ٹل گیا ان کے طفیل
ورنہ ساماں ہو چکا تھا خلق کی تدمیر کا

دیدار رخسار نبی ﷺ سے جان میں جاں آگئی
میں تھا ناظم عکس بس دیوار کی تصویر کا

☆

کہنہ مشق نعت گو شاعر حافظ عبدالغفار حافظ کا شعری عقیدت نامہ

ارمغانِ حافظ

کا دوسرا ایڈیشن نئی ترتیب کے ساتھ جلد شائع ہو رہا ہے۔

ناشر

اقلیم نعت

ای۔۲۰۱، صائمہ ایونیو، سیکٹر ۱۴۔بی، شادمان ٹاؤن نمبر۲، شمالی کراچی۔۷۵۸۵۰

عزیز احسن۔ کراچی

غالبؔ کی اردو شاعری میں مضامین نعت کا فقدان

غالبؔ نے اپنے چھوٹے سے اردو دیوان میں شعر یاتی کائنات بنائی جس کو دُنیا نے سراہا اور اس کے پیچیدہ شعروں کو سمجھنے کی کوشش کیں جو آج بھی جاری ہیں۔ غالبؔ کے دیوان میں غزل کے شعروں میں نعتیہ مضامین بھی کہیں کہیں سے ڈھونڈ نکالے لیکن وہ شعر تمام اہل فکر و نظر کے لیے نعت کے نہیں ہیں۔ ظاہر ہے غالبؔ نے بالقصد کم ازکم اردو میں کوئی نعت کہی ہی نہیں۔ راقم الحروف نے اس موضوع پر سوچا تو ایک عجیب منظر نامہ بنا۔ میں وہی منظرنامہ حوالۂ قرطاس کرنا چاہتا ہوں۔

غالبؔ کی فکری روش کے حوالے سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ کم ازکم دہریا نہ تھا، بلکہ توحید وجودی کا اس قدر قائل تھا کہ اپنی ہستی کو وہم اور عالم کے وجود کو حلقہء دام خیال سمجھتا تھا۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ غالبؔ شرک فی الوجود سے ہمیشہ بچتا رہا۔ اس کے علاوہ غالبؔ کی نثری تحریروں میں حب رسالت کے شواہد بھی ملتے ہیں۔ فارسی نعت بھی غالبؔ کے تصور رسالت کو بے داغ ظاہر کرتی ہے۔ اردو غزل کے مطلع کے طور پر جو ایک شعر غالبؔ سے ہوا ہے وہ اتنا بھرپور اور بھاری بھر کم ہے کہ حقیقت محمدیہ (ﷺ) پر اس سے بہتر شعر شاید ہی کوئی ہو۔ آپ بھی ملاحظہ فرمائیے اور میرے بیان کی صداقت پر غور کیجیے:

منظور تھی یہ شکل تجلی کو نور کی
قسمت کھلی ترے قد و رخ سے ظہور کی

لیکن مطلع کہنے کے باوجود غالب نے نعت نہیں کہی بلکہ دوسرے شعر ہی سے وہ غزل کی سطح پر آگیا۔ حالاں کہ تخلیقی ذہن رکھنے والے لوگ جانتے ہیں کہ شعرا اگر نعتیہ مضمون سے مطلع کہتے ہیں تو مقطعے تک نعت ہی کہتے ہیں۔ مطلع کے علاوہ اگر غزل کے کسی شعر میں نعتیہ مضمون بندھ ہوجاتا ہے تو ضروری نہیں کہ اگلے اشعار بھی نعت ہی کے ہوں۔ لیکن غالب اتنا بھرپور مطلع کہنے کے باوجود نعت کہنے کا موڈ نہیں بنا سکا۔

اس رویے سے غالب کے تخلیقی منہاج کی یہ کم زوری سامنے آتی ہے کہ وہ حب رسالت کے جذبے کو جزوِ ہنر بنانے سے قاصر تھا اسی لیے اس نے قافیے کی سہولت اور مضمون کی بے ارادہ بنت کو کم ازکم نعتیہ مضامین کی حد تک غزل میں آمد ہی کو کافی سمجھا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں ہے؟... اس کیوں کا جواب جاننے کے لیے ہمیں ذرا دور جانا ہوگا۔

غالب رند مشرب تھا اور رند مشرب لوگ عموماً خود کو احساس گناہ سے نہیں بچا پاتے ہیں اس لیے اگر وہ شاعر پیشہ ہوتے ہیں تو مذہبی حوالوں سے کم کم ہی اپنے شعروں کو سجاتے ہیں؟ لیکن غالب تو توحیدی مضامین بہت باندھتا ہے۔ آخر ایسا کیوں ہے کہ اللہ کے معاملے میں غالب بے باک ہے اور رسول ﷺ کے معاملے میں احساس گناہ سے حد درجہ مغلوب؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ غالب وحدۃ الوجودی تھا اور اپنے اور کائنات کے وجود ہی کو معدوم جانتا تھا۔ اپنی نفی کر کے جب وہ رب تعالیٰ کا اثبات کرتا تھا تو اس پر وجد طاری ہوجاتا تھا اور وہ ازخود رفتگی کی کیفیت میں فلسفہ بولنے لگتا تھا جو اس کی شاعری کا بنیادی مواد ہونے کی وجہ سے اس کی تخلیقی دانش کا حصہ بن جاتا تھا اور اسے شعر کہنے میں اور شعر کو اپنا مخصوص لہجہ دینے میں کوئی دقت نہیں ہوتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ توحیدی (اور بالخصوص وحدۃ الوجودی فکر جس کا ویدانت سے گہرا سمبندھ ہے) مضامین بیان کرنے میں غالب کو اپنے مخصوص لہجے اور اپنے تخلیقی مزاج سے ہٹنا نہیں پڑتا تھا، چناں چہ اس میدان میں اس کا توسن فکر سرپٹ دوڑتا تھا۔

محولہ بالا تناظر کو پیش نظر رکھ کر جب ہم غالب کا اردو دیوان کھولتے ہیں تو یہ دیکھ کر کچھ حیرانی ہوتی ہے کہ جس دیوان میں نعت رسول ﷺ کو بالارادہ موضوع بنانے کے شواہد معدوم ہیں اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں کئی قصیدے موجود ہیں۔ تو کیا غالب نعوذ باللہ حضرت علیؓ کو کوئی مذہبی شخصیت نہیں سمجھتا تھا یا خدانخواستہ وہ حضرت علیؓ کو جناب

رسالت مآب ﷺ پر کسی قسم کی فوقیت دیتا تھا؟ ان دونوں سوالوں کا جواب نفی میں ہے۔ جی ہاں نہ تو وہ حضرت علیؓ کو کوئی غیر مذہبی شخصیت سمجھتا تھا اور نہ ہی علیؓ کو نبی علیہ السلام پر ترجیح دیتا تھا۔ معاملہ یہ تھا کہ غالبؔ ولایت عامہ اور ولایت خاصہ کا فرق جانتا تھا اور ولایت عامہ میں وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بہت اونچے مقام پر فائز جانتا اور مانتا تھا...اور خود کو بھی کسی نہ کسی درجے میں ولایت عامہ میں شامل سمجھتا تھا لہذا حضرت علیؓ کی منقبت کہتے ہوئے وہ عرفانیات میں اپنے احوالی تجربات یا واردات کو تخلیقی رو سے ہم آہنگ کرنے میں سہولت محسوس کرتا تھا اور یوں حضرت علیؓ کی منقبت اس کے فن کا جزو بن جاتی تھی۔

میری ان باتوں کی تفہیم ذرا مشکل محسوس ہوگی اگر غالبؔ کے تخلیقی مزاج کے حوالے سے یہ بنیادی بات زیر بحث نہ آئی کہ غالبؔ کا تخلیقی رویہ کیا تھا؟ تو جناب یہ جاننے کے لیے بہت زیادہ دور جانے کی ضرورت نہیں ہے محض یہ سمجھ لیجیے کہ غالبؔ نہ تو بیانیہ (Narrative) شاعری کا قائل تھا اور نہ روش عام پر چلنا اس کا شیوہ تھا۔ غالبؔ نے حتیٰ الوسع یہ کوشش کی تھی کہ اس کے دیوان میں یک رخا شعر نہ رہ جائے اس نے بیشتر ایسے ہی شعر دیوان میں رکھے جن کے ایک سے زیادہ معانی برآمد ہوتے ہوں اور جن میں غالبؔ کا مخصوص آہنگ اپنے بھرپور انداز سے سمویا ہوا محسوس کیا جاسکے۔ یہ بات بھی ہمارے علم میں ہے کہ ایک بیانیہ شعر کا انتساب اپنی ذات سے ہونے کے امکانات کے اندیشے کو بھانپ کر ہی اس نے ''اسد'' سے ''غالبؔ'' ہونے کے بارے میں سوچا اور اس سوچ پر عمل کیا تھا۔ قاضی عبدالجمیل جنون کو لکھے ہوئے غالبؔ کے خط کا اقتباس ملاحظہ ہو: ''سنیے، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اور کی غزل میرے نام سے لوگ پڑھ دیتے ہیں۔ چناں چہ انھی دنوں میں ایک صاحب نے مجھے آگرے سے لکھا کہ یہ غزل بھیج دیجیے: ع اسد اور لینے کے دینے پڑے ہیں میں نے کہا لاحول ولاقوۃ۔ اگر یہ کلام میرا ہو تو مجھ پر لعنت۔ اسی طرح زمانہ سابق میں ایک صاحب نے میرے سامنے یہ مطلع پڑھا:

اسد اس جفا پر بتوں سے وفا کی
مرے شیر، شاباش رحمت خدا کی

میں نے سن کر عرض کیا صاحب، جس بزرگ کا یہ مطلع ہے اس پر بقول اس کے رحمت خدا کی اور اگر میرا ہو تو مجھ پر لعنت۔ اسد اور ''شیر'' اور ''بت'' اور'' خدا'' اور جفا''

اور ''وفا'' میری طرز گفتار نہیں ہے۔

اس بات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ صنائع بدائع اور لفظی رعایتوں کی بھر مار سے کوئی یک رخا اور محض بیانیہ شعر کہنا نہ تو غالب کا شیوہ تھا اور نہ ہی ایسی شاعری سے اس کی طبیعت کو کوئی مناسبت تھی۔ ایسے ہی اشعار کی اپنی ذات سے نسبت کا اس نابغہ ء روز گار ہستی پر یہ اثر ہوا کہ اس نے اپنا تخلص ہی بدل دیا۔ غالب کی انفرادیت پسندی صرف فنی معاملات تک محدود نہ تھی بلکہ اس نے اپنا حلیہ تک عام لوگوں کے حلیے سے جدا رکھنے کی شعوری کوششیں کیں۔ مرزا حاتم علی بیگ مہر کو غالب نے لکھا..''اس بھونڈے شہر (دہلی) میں ایک وردی ہے عام۔ ملا، بساطی، نیچہ بند، دھوبی، سقا بھٹیارہ، جولاہا، کنجڑا، منہ پر داڑھی، سر پر بال۔ فقیر نے جس دن داڑھی رکھی، اسی دن سر منڈوایا''۔☆۲

ان مختصر حوالوں سے غالب کی عام زندگی میں عوامی سطح سے خود کو ممیز کرنے کی آرزو اور شاعرانہ لحاظ سے اپنا علیحدہ تشخص منوانے کا شدید جذبہ جھلکتا ہے۔ اس شاعرانہ حسیت کے ساتھ وہ عشق رسول ﷺ کو کس طرح اپنے لہجہء خاص میں شعری پیکر دے سکتا تھا؟ جب کہ اس طرح کی کوششیں عوام میں زیادہ تھیں اور مستند شعرا نے بھی نعت کو محض حصول سعادت کے لیے چند شعروں سے آگے نہیں بڑھایا تھا۔

عوامی حلیہ بیان کرتے ہوئے غالب نے ملا کا ذکر جس حقارت سے کیا ہے اس کا اندازہ محولہ بالا خط کے اقتباس سے ہوجاتا ہے۔ ایک شعر بھی ملاحظہ ہو

نہ ہم پیالگیٔ زاہداں بلائے بود
خوش است، گرمے بغش خلاف شرع نبی است

(اچھا ہوا کہ شراب شرع نبوی کے خلاف ہے ورنہ زاہدوں کے ساتھ بیٹھ کر پینا عذاب ہو۔)☆۳ شرع نبوی کے بارے میں ایسے خیالات رکھنے والا شخص جناب رسالت مآب ﷺ کے بارے میں جب کسی ارتجالی اور وقتی قافیہ پیائی کے جذبے کے تحت کوئی نعت کا شعر کہتا بھی ہے تو وہ ایک ٹھٹھول سے زیادہ نہیں ہوتا۔ مشاہدہ ء حق کی گفتگو ''بادہ و ساغر کہے بغیر'' نہ کر سکنے کا اعلان کرنے والا نعت کا شعر بھی اس طرح کہتا ہے:

کل کے لیے کر آج نہ خست شراب میں
یہ سوءِ ظن ہے ساقیٔ کوثر کے باب میں☆۴

اس شعر میں عربی کے لفظ شراب (شربت۔ مشروب) کو اردو کی شراب (نشہ آور اور بدبودار رقیق شئے) سے ملا کر تجنیس لفظی کے مزے لینے کے عمل نے استخفاف رسالت کی صورت پیدا کر دی۔

غالب نے شریعت کا اکثر جگہ مضحکہ اڑایا ہے مثلاً:

ظاہر ہے کہ گھبرا کے نہ بھاگیں گے نکیریں
ہاں منھ سے مگر بادۂ دوشینہ کی بو آئے[۵۵]

اس شعر کی اہل ادب چاہے کتنی ہی داد دیں لیکن شریعت کا پاس و لحاظ کرنے والے اسے شریعت کی توہین ہی سمجھتے ہیں۔

ایسی صورت احوال میں ہمیں غالبؔ کی غزلوں میں وارد ہونے والے ان اشعار کا مطالعہ اور انتساب ''نعت'' کے ذیل میں کرتے ہوئے ذرا سے تامل کی ضرورت ہے، مثلاً تجمل حسین خان کے قصیدے میں موجود اس شعر کو اہل ادب بڑے خلوص سے نعت کا شعر سمجھتے ہیں لیکن قرائن یہ کہتے ہیں کہ یہ شعر تجمل حسین خاں ہی سے منسوب تھا۔

زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا؟
کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لیے

اس شعر میں ''تجمل'' کی ادائیگی کے حوالے سے ہونٹوں کا بوسے کی سی شکل اختیار کرنے کی طرف اشارہ ہے۔ اور بوسے کا لفظ غالبؔ نے کہیں بھی Erotic sense یا Erotic Reference کے سوا بیان ہی نہیں کیا ہے، مثلاً:

بوسے کو پوچھتا ہوں میں
منہ سے مجھے بتا کہ یوں[۵۶]

☆

لے تو لو سوتے میں اس کے پاؤں کا بوسہ
مگر ایسی باتوں سے وہ کافر بدگماں ہو جائے گا[۵۷]

وغیرہ وغیرہ۔

شاعری کی اور بات ہے جس میں ہر خیال تخلیقی عمل کا حصہ نہیں بن سکتا۔ لیکن نثر میں جن خیالات کا اظہار کیا جاتا ہے وہ ترسیل خیال اور ابلاغ کے شعور ہی کے ساتھ کیا

جاتا ہے۔ لہٰذا اس میں نہ تو شاعری کی طرح ایجاز ہوتا ہے اور نہ تقلیل الفاظ کے باعث پیدا ہونے والا ابہام اور نہ شعری اسلوب سے وجود میں آنے والی پیچیدگی ہوتی ہے۔ اس لیے کسی کے نظریات کی چھان پھٹک کے لیے نثر ہی زیادہ موزوں ہوتی ہے۔ غالب نے نثر میں جناب رسالت مآب ﷺ کے مقام و مرتبے کے بارے میں جہاں جہاں بات کی ہے، وہ بڑی واضح ہے جس کے مطالعے سے مقام نبوت کے ضمن میں غالب کے صحیح خیالات تک رسائی ممکن ہے۔ برہان دکنی کی ''قاطع برھان'' کے حوالے سے غالب نے لکھا... ''آب دہ دست درباب الف ممدودہ اسم حضرت ختم المرسلین صلوٰۃ اللہ علیہ، قرار دادہ است وایں لفظیست در غایت رکاکت صفت لفظ۔ (ترجمہ: آب دہ دست الف ممدودہ کے ذیل میں حضرت ختم المرسلین صلوٰۃ اللہ علیہ کا نام نامی قرار دیا ہے اور یہ لفظ نہایت درجہ رکیک لفظ ہے) پس غالب منع کرتا ہے برہان دکنی کو کہ لفظ رکیک آں حضرت ﷺ کے حق میں صرف نہ کر... عرف میں آبدست کس عضو کے غسالے کو کہتے ہیں؟ ہم تو اتنا پوچھ کر چپ ہو رہتے ہیں۔ پس ''آب دہ دست'' اور ''دست آب دہ'' کے معنی وضو کرانے والا ہاتھ دھلانے والا، آب بہ معنی رونق اور دست بہ معنی مسند کا یہاں ادخال محض جہل اور صرف اہمال... یہ تو میرا قول ہے کہ ''آب دہ دست رسالت'' رسول ﷺ کو کہ سکتے ہیں۔ ایک بے ادب فقط ''آب دہ دست'' کہتا ہے اور ہم منہ تکتے ہیں۔ منشی سعادت علی کو نہ علم، نہ فہم۔ اس نے اس قباحت کو نہ جانا، میرزا رحیم صاحب ! افسوس کی بات ہے تم نے اس بیان خاص میں ''قاطع برھان'' والے کے قول کو کیوں کر مانا؟ ہے ہے سراسر بے پردہ اشرف الانبیا علیہ وآلہ والسلام کی تذلیل اور توہین ہے اور جو پیغمبر کو ایسا کہے، وہ مجموع اہل اسلام کے نزدیک مرتد اور مردود و بے دین ہے۔ بلکہ مخالفین بھی، جو مسلمان پیمبر کو برا کہے، اس کو برا جانیں گے، یقین ہے۔ پس پیمبر ﷺ کا ''آب دہ دست'' نام رکھنے والا مورد لعنۃ اللہ وملائکۃ والناس اجمعین ہے۔''[۸]

اس عبارت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ غالب کے دل میں مقام رسالت بہت بلند تھا اور وہ حضور رسالت پناہ ﷺ کے القاب و آداب میں لفظوں کا بلا اکراہ استعمال ضروری جانتا تھا اور اس ضمن میں بے احتیاطی کرنے والے کو موجب ملامت گردانتا تھا۔

''سراج المعرفت'' مولفہ سید رحمت اللہ خاں بہادر، کے دیباچے میں غالب نے لکھا ''حق یوں ہے کہ حقیقت ازروئے مثال ایک نامہ، درہم پیچیدہ وسربستہ ہے کہ جس کے

عنوان پر لکھا ہے ''لاموثر فی الوجود الا اللہ'' اور خط میں مندرج ہے ''لاموجود الا اللہ'' اور اس خط کالانے والا اور اس راز کا بتانے والا وہ نامہ آورﷺ ہے کہ جس پر رسالت ختم ہوئی... ختم نبوت کی حقیقت اور اس معنی غامض کی صورت یہ ہے کہ مراتب توحید چار ہیں: آثاری و افعالی و صفاتی و ذاتی۔ انبیائے پیشین صلوٰت اللہ علیٰ نبینا و علیہم، اعلان مدارج توحید سہ گانہ پر مامور تھے، خاتم الانبیاء کو حکم ہوا کہ حجاب تعینات اعتباری اُٹھا دیں اور حقیقت نیرنگیٔ ذات کو صورت ''الان کما کان'' میں دکھا دیں۔اب گنجینۂ معرفت خواص اُمت محمدیہﷺ کا سینہ ہے اور کلمہ لاالٰہ الااللہ مفتاح باب گنجینہ ہے۔ زہے خامیٔ عامۂ مومنین کی کہ وہ اس کلام سے صرف نفی شرک فی العبادۃ مراد لیتے ہیں اور نفی شرک فی الوجود، جو اصل مقصود ہے، وہ ان کی نظر میں نہیں۔ جب لا الٰہ الا اللہ کے بعد محمد رسول اللہ کہیں گے، اس سے اسی توحید ذاتی کے اعتقاد کی قدم گاہ پر آرہیں گے۔یعنی ہمارے اس کلمہ سے وہ مراد ہے جو خاتم الرسلﷺ کا مقصود تھا۔ یہی حقیقت ہے شفاعت محمدیﷺ کی اور معنی ہیں رحمۃ للعلمین ہونے کے اور اسی مقام سے ناشی ہے ندائے روح فزائے ''قال لاالٰہ الااللہ دخل الجنۃ''۔...قلم اگرچہ دیکھنے میں دو زبان ہے، لیکن وحدت حقیقی کا راز دان ہے۔ گفتگوئے توحید میں وہ لذت ہے کہ جی چاہتا ہے،کوئی سو بار کہے اور سو بار سنے۔ نبیﷺ کی حقیقت ذوجہتین ہے: ایک جہت خالق کہ جس سے اخذ فیض کرتا ہے اور ایک جہت خلق،جس کو فیض پہنچاتا ہے:

نبیﷺ را دو وجہ است و لجوئے خلق
یکے سوئے خالق، یکے سوئے خلق
بداں وجہ از حق بود مستفیض !
بدیں وجہ برخلق باشد مفیض

یہ جو صوفیہ کا قول ہے الولایہ افضل من النبوۃ معنی اس کے صاف ازروئے انصاف یہ ہیں کہ ولایت نبی کی کہ وہ وجہ الی الحق ہے، افضل ہے نبوت سے کہ وہ وجہ الی الخلق ہے۔ نہ یہ کہ ولایت عام افضل ہے نبوت خاص سے، جس طرح نبیﷺ مستفیض ہے حضرت الوہیت سے، اسی طرح ولی مستنیر ہے انوار نبوت سے۔ مستنیر کی تفضیل منیر پر اور مستفیض کی ترجیح مفیض پر ہرگز معقول اور عقلا کے نزدیک مقبول نہیں۔ اب وہ ولایت کہ خاصۂ نبیﷺ تھی، نبوت کے ساتھ منقطع ہوگئی، مگر وہ فروغ کہ اخذ کیا گیا ہے مشکوٰۃ نبوت سے، ہنوز باقی

ہے۔ نقل و تحویل ہوتی چلی آتی ہے اور چراغ سے چراغ جلتا چلا جاتا ہے اور یہ سراج ایزدی ظہور صبح قیامت تک روشن رہے گا اور اب اسی کا نام ولایت اور یہی مشعل طریق ہدایت ہے۔''[☆۹]

غالبؔ کے خطوط اور دیباچے کے اقتباس سے جو نکات برآمد ہوئے وہ آسان زبان میں اس طرح مختصر کیے جا سکتے ہیں:

۱۔ غالبؔ کسی ایسے لفظ کا نبی ﷺ کی ذات سے انتساب پسند نہیں کرتے تھے جس میں معناً ذم کا پہلو نکلتا ہو۔ (ملاحظہ ہو ''برہان قاطع'' کی بحث)

۲۔ توحید کے معنی غالبؔ کے نزدیک وہی تھے جو وحدۃ الوجودی فکر کے صوفیا کے نزدیک تھے یعنی وجود صرف اللہ رب العزت کا ہے اور جو کچھ نظر آتا ہے یہ اعتباری ہے اصلاً ہے نہیں۔

۳۔ غالبؔ کے خیال میں سب سے بڑا شرک، شرک فی الوجود (یعنی اللہ کے علاوہ بھی کسی شئے کے وجود کو ماننا) تھا۔

۴۔ نبوت کی دو جہتیں ہیں: جہت خالق کے ساتھ نبی خالق سے اخذ فیض کرتا ہے... اور جہت مخلوق کے حوالے سے اخذ شدہ فیض کو خلق تک پہنچاتا ہے، یعنی وہ خالق اور مخلوق کے درمیان واسطہ ہے۔

۵۔ غالب کے نزدیک نبی ﷺ کی جہت خالق ''ولایت خاصہ'' ہے اور چوں کہ اس جہت کا تعلق خالق سے ہے اس لیے یہ جہت، جہت خلق یعنی ''نبوت'' سے افضل ہے۔

۶۔ نبی ﷺ کی جہت خلق ''ختم نبوت'' کے ساتھ ہی ختم ہوگئی۔

۷۔ نبی ﷺ کی جہت خالق یعنی ''ولایت خاصہ'' بھی نبی کے ساتھ ہی مختتم ہوئی لیکن اسی صفت ولایت کی عام جہت قیامت تک موجود رہے گی یعنی ''ولایت عامہ'' تا قیام قیامت جاری رہے گی۔

ان نکات کی روشنی میں ہم اُن قصائد کا مطالعہ کریں جو غالب نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں کہے ہیں تو صاف پتا چلتا ہے کہ ولایت کے استمرار (continuity) کے تصور نے یہ قصائد کہلائے ہیں... یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ ولایت کے استمرار میں غالبؔ نے سب سے بلند مقام پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے اور نچلے کسی نہ کسی

درجے میں اس نے اپنی ذات کو بھی ولایت کا مصداق پایا ہے۔ حضرت علیؓ کے قصائد میں جو فکری بلندی اور اسلوب کی نادرہ کاری ہے وہ اسی تداخل (personal involvement) کے باعث ہے۔ اس کی مثالیں بھی ملاحظہ فرمالیجیے:

دہر جز جلوۂ یکتائی معشوق نہیں
ہم کہاں ہوتے اگر حسن نہ ہوتا خودبیں

نقش معنی ہمہ خمیازۂ عرض صورت
سخن حق ہمہ پیمانۂ ذوق تحسیں!

عشق بے ربطیٔ شیرازۂ اجزائے حواس
وصل زنگار رخ آئینۂ حسن یقیں

جس قسم کے مضامین غالبؔ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی منقبت میں باندھے ہیں اور جس سرشاری کا مظاہرہ کیا ہے، نعت میں اس کی گنجائش نہیں تھی اسی لیے اس نے اردو میں کوئی نعت نہیں کہی اور فارسی میں بھی یہ کہ کر بری الذمہ ہوگیا:

غالبؔ ثنائے خواجہﷺ بہ یزداں گزاشتیم
کاں ذات پاک مرتبہ دان محمدﷺ است[۱۱]

معلوم ہوا کہ حساس شعرا جب تک کسی مضمون کو اپنی ذات کے اندر سمو کر شعر کا جزو بنانے کی صلاحیت حاصل نہ کریں، اس موضوع پر شعر کہنے سے اجتناب برتتے ہیں، کیوں کہ اس طرح وہ محض بیانیہ شاعری کر سکتے ہیں جس کی سطح عام ذہنی سطح سے بلند ہونا محال ہوتا ہے اور جو تخلیقی سطح کی وہ بلندی نہیں چھو سکتی جو اعلیٰ شاعری کا طرۂ امتیاز ہے غالبؔ چوں کہ شاعری کا ایک بلند آدرش رکھتا تھا اور اپنے شاعرانہ خیال (poetic perception) سے ہرگز ادھر اُدھر نہیں ہونا چاہتا تھا، اس لیے اس نے غزلوں میں کہیں کہیں بلا ارادہ نعتیہ مضامین کی بنت ہی کو کافی جانا، نعت کہنے کی شعوری کوشش نہیں کی۔ غالبؔ اگر اس طرح کی کوشش کرتا تو کامیاب شاعری کے موقع کم تھے۔ بیانیہ شاعری تو غالبؔ سے ایک سہرے میں نہ نبھ سکی تھی۔ شہزادہ جواں بخت کے سہرے کی سرگزشت، غالبؔ کی ناکامی کی منہ بولتی تصویر پیش کرتی ہے۔ خالص اردو شاعری کے معاملے میں ذوق، غالبؔ سے بہت آگے تھا دونوں سہروں کو پڑھ کر اس بات کی صداقت پر یقین ہو ہی جاتا ہے۔[۱۲] حقیقت یہ ہے کہ غالبؔ کے

لیے خالص اردو میں (ترسیل خیال اور اپنی فکر کے بھرپور ابلاغ کے شعور کے ساتھ) شاعری کرنا ممکن ہی نہ تھا۔ شاید اسی کمزوری کو چھپانے کے لیے اس نے یہ کہا تھا:

فارسی بیں تا بہ بینی نقش ہائے رنگ رنگ
بگور از مجموعہ اردو کہ بی رنگ من است

☆

حواشی

☆۱۔ خطوط غالب مرتبہ غلام رسول مہر، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور (ص ۲۳۷۔۲۳۸)
☆۲۔ ایضاً ص ۱۹۴۔
☆۳۔ شرح غزلیات غالب فارسی، صوفی غلام مصطفےٰ تبسم،،، پیکیجز لمیٹڈ، لاہور، جلد اوّل (ص ۴۴۳)
☆۴۔ نوائے سروش (مکمل دیوان غالب مع شرح)، غلام رسول مہر، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور۔ (ص۔ ۲۰-۷)
☆۵۔ ایضاً (ص ۵۳۸)
☆۶۔ ایضاً (ص ۳۹۸)

غنچۂ ناشگفتہ کو دور سے مت دکھا کہ یوں
بوسے کو پوچھتا ہوں میں، منہ سے مجھے بتا کہ یوں

☆۷۔ ایضاً (ص ۱۰۳)
☆۸۔ محولہ بالا نمبر ا۔ (ص ۵۵۸۔۵۵۹)
☆۹۔ ایضاً (۵۶۵۔۵۶۶)
☆۱۰۔ محولہ (۴) بالا دیوان غالب، (ص۔ ۷۵۷)
☆۱۱۔ شرح فارسی محولا بالا (۳)...، (ص۔ ۲۲۷)
☆۱۲۔ خوش ہوائے بخت کہ ہے آج ترے سر سہرا
باندھ شہزادہ جواں بخت کے سر پر سہرا
(غالب)
اے جواں بخت مبارک ترے سر پر سہرا
آج ہے یمن وسعادت کا ترے سر سہرا
(ذوق)

دونوں سہرے محمد حسین آزاد کی کتاب "آب حیات" (شیخ محمد بشیر اینڈ سنز، لاہور... ص ۵۰۲۔۵۰۳) میں ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں۔ اسی سہرے میں وارد ہونے والی تعلّی کے جواب میں ذوق نے سہرا کہا تھا اور غالب نے وہ مشہور معذرت نامہ لکھا تھا جس میں یہ شعر تھا:

سو پشت سے ہے پیشۂ آبا سپہ گری
کچھ شاعری ذریعۂ عزت نہیں مجھے

یہ معذرت نامہ بھی آب حیات کے محولہ نسخے میں ص ۵۰۴ پر درج ہے۔

پروفیسر سیّد وزیر حسن

قدسیؔ کی غزل پر غالبؔ کی تضمین

شاہ جہانی دربار کے ملک الشعرا قدسی کی نعتیہ غزل کو جو شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس نعتیہ غزل کی اب تک سیکڑوں تضمینیں ہوچکی ہیں۔ ایک صاحب قاضی محمد عمر نے جو دہلی کے ہی باشندے تھے۔ ۱۸۵۶ء میں حدیث قدسی کے نام سے ان تضمینوں کا ایک مجموعہ مرتب کیا تھا یہ مجموعہ شاید جنگ آزادی ۵۷ء سے چند ماہ پہلے کے ایک نعتیہ مشاعرے کا گل دستہ تھا، اس میں بہت سے شعرا کی تضمینیں ہیں، چند کے نام یہ ہیں:

بہادر شاہ ظفر، غالبؔ، مومنؔ، مجروحؔ، صہبائیؔ، غلام امام شہید اکبر آبادی، حکیم آغا جان عیشؔ، ولی عہد بہادر شاہ مرزا محمد سلطان فتح الملک المتخلص بہ رمزؔ، صاحب عالم مرزا رحیم الدین حیا، صاحب عالم مرزا فخرالدین حشمتؔ ابن مرزا معظم بخت بہادر، نواب مرزا والا جاہ بہادر لکھنوی المتخلص بہ عاشق، محمد عبداللہ علوی، احمد حسن وحشت مرزا رحیم بیگ رحیم میرٹھی (مؤلف ساطع برہان جو اور بدرالدین جو نقشی تخلص کرتے تھے۔

حدیث قدسی کے علاوہ غالب کی یہ تضمین دو اور کتابوں میں موجود ہے اوّل سبد باغ دو در اور دوم بیاض فرحت۔ غالباً مرزا غالبؔ نے کسی جذبے کے تحت تضمین تو اس نعت کی کر دی تھی لیکن اسے اپنے منتخبہ دیوان میں شامل نہیں کیا کیوں کہ یہ کلیتاً ان کی ملکیت نہ کہلاتی۔

قاضی محمد عمر نے ”حدیث قدسی کے آخر میں چند اشعار دیے ہیں جس میں تضمین

نگاروں میں سے چند کے نام نظم کیے ہیں۔

آج پھر بزم سعادت کی ہے ترتیب نئی — جمع ہوتے ہیں سبھی مدح سرایان نبی
گوہر مملکت و سایۂ حق، مہر عطا — شاہ ذی جاہ ظفر مظہر نور قدسی
جس کی پیشانی سے ظاہر تھے فیوض ابدی — ساقی میکدۂ علم و ہنر صہبائی
شیر میدان سخن، غالب یکتائے زمن — فخر خوش فہمی و خوشگوئی و شیریں سخنی
مومن و مضطر و مدہوش و حیات و حیدر — بسمل و طالب و آشفتہ و اسحاق و غنی

غالب نے تضمین میں بھی اپنے ادبی وقار کو قائم رکھا ہے، ملاحظہ کیجیے:

کیستم تا بہ خروش آور دم بے ادبی
قدسیاں پیش تو در موقف حاجت طلبی
رفتہ از خویش بدیں زمزمۂ زیر لبی
مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

اے کہ روئے تو دہد روشنیٔ ایمانم
کافرم کافر اگر مہر منیرش خوانم
صورت خویش کشید است مصور دانم
من بیدل بجمال تو عجب حیرانم
اللہ اللہ چہ جمال است بدیں بوالعجبی

اے گل تازہ کہ زیب چمنی آدم را
باعث رابطۂ جان و تنی آدم را
گرد دریوزۂ فیض تو غنی آدم را
نسبتے نیست بذات تو بنی آدم را
بر تر از عالم و آدم تو چہ عالی نسبی

اے لبت را بسوئے خلق ز خالق پیغام
روح را لطف کلام تو کند شیریں کام

ابر فیضی کہ بود از اثر رحمت عام
نخل بستان مدینہ تو سرسبز مدام
زاں شدہ شہرۂ آفاق بہ شیریں رطبی

خواست چوں ایزد دانا کہ بساطے از نور
گسترد در ہمہ آفاق چہ نزدیک چہ دور
حکم اصدار تو در ارض و سمایافت صدور
ذات پاک تو دریں ملک عرب کرد ظہور
زاں سبب آمدہ قرآں بہ زبانِ عربی

وصف رخش تو اگر در دل ادراک گذشت
نہ ہمیں است کہ از دائرۂ خاک گذشت
ہمچو آں شعلہ کہ گر از خس و خاشاک گذشت
شب معراج عروج تو از افلاک گذشت
بہ مقامے کہ رسیدی نہ رسد ہیچ نبی

چہ کند چارہ کہ پیوند خجالت گسلم
من کہ جز چشمۂ حیواں نبود آب و گلم
من کہ چوں مہر درخشاں بد مد نور دلم
نسبت خود بہ سگت کردم و بس منفعلم
زاں کہ نسبت بہ سگ کوئے تو شد بے ادبی

دل غم مردہ و غم بردہ زما صبر و ثبات
ساری کن و بنمائی بما راہ نجات
داد سوز جگر ما کہ دہد نیل و فرات
ما ہمہ تشنہ لبانیم و توئی آب حیات
رحم فرما کہ زحد می گذرد تشنہ لبی

غالبؔ غمزدہ را نیست دریں غم زدگی
جز بہ امید ولائے تو تمنائے بہی
از تب و تاب دل سوختہ غافل نہ شوی
سیّدی انت حبیبی و طبیب قلبی
آمدہ سوئے تو قدسیؔ پئے درماں طلبی

ناصر کاظمی

نعت

(تضمین بر اشعار غالب)

یہ کون طائر سدرہ سے ہم کلام آیا
جہانِ خاک کو پھر عرش کا سلام آیا
جبیں بھی سجدہ طلب ہے یہ کیا مقام آیا
"زباں پہ بارِ خدایا! یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لیے"

خطِ جبیں تو اُم الکتاب کی تفسیر
کہاں سے لاؤں ترا مثل اور تیری نظیر
دکھاؤں پیکرِ الفاظ میں تری تصویر
"مثال یہ مری کوشش کی ہے کہ مرغِ اسیر
کرے قفس میں فراہم خس آشیاں کے لیے"

کہاں وہ پیکرِ نوری، کہاں قبائے غزل
کہاں وہ عرش مکیں اور کہاں نوائے غزل
کہاں وہ جلوۂ معنی، کہاں ردائے غزل
"بقدرِ شوق نہیں ظرف تنگنائے غزل
کچھ اور چاہیے وسعت مرے بیاں کے لیے"

تھکی ہے فکر رسا اور مدح باقی ہے
قلم ہے آبلہ پا اور مدح باقی ہے
تمام عمر لکھا اور مدح باقی ہے
"ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے
سفینہ چاہیے اس بحر بے کراں کے لیے"

عبدالعزیز خالد۔ لاہور

تضمین اشعار غالب

سخنوری کے سفر میں یہ کیا مقام آیا
صریر خامہ سے آوازۂ سلام آیا
جو رزق دل تھا وہی سوز عشق کام آیا
''زبان پہ بار خدایا، یہ کس کا نام آیا؟
کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لیے!''

بیاض رُخ پہ رقم الکتاب کی تفسیر
وہ بے نظیر ہے وہ ممتنع ہے جس کی نظیر
وہ اس کے وصف کو لاؤں بہ حیطۂ تحریر
''مثال یہ مری کوشش کی ہے کہ مرغ اسیر
کرے قفس میں فراہم خس آشیاں کے لیے!''

بے بسکہ حرف زدن بازناں بنائے غزل
حریف نعت پیمبر نہیں نوائے غزل
کہ تنگ قد عبارت پہ ہے قبائے غزل
''بقدر شوق نہیں ظرف تنگنائے غزل
کچھ اور چاہیے وسعت مرے بیاں کے لیے

ہوئی اسی کے لیے زندگی کی پیدائش
اسی کا صدقہ ہے نوعِ بشر کی افزائش
نزولِ نعمت و تسکین و ذوقِ آسائش
زمانہ عہد میں اس کی ہے محوِ آرائش
بنیں گے اور ستارے اب آسمان کے لیے!"

میں تشنہ کام ہوں اس کا وہ میرا ساقی ہے
مرے بیان تمنا کی بے فراقی ہے
دیا جو میں نے سر انجام اتفاقی ہے
"ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے
سفینہ چاہیے اس بحرِ بے کراں کے لیے!"

نصیب اس کو نہ یوں ہی قبولِ عام ہوا
تمام عمر رہا حرف سے نبرد آرا
ہے اپنے طرزِ بیاں میں وہ بے گماں یکتا
"ادائے خاص سے غالب ہوا ہے نکتہ سرا
صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے!"

جعفر بلوچ۔ لاہور

ثنائے شہ لولاک ﷺ

(تضمین بر نعت حضرت غالب)

میں ماسوا کی نقش گری میں تھا محو و مست
بھولی ہوئی تھی کیفیت بادۂ الست
میرے نبیؐ نے مجھ کو بنایا احد پرست
'حق جلوہ گر ز طرز بیان محمد ﷺ است
آرے کلام حق بزبان محمد ﷺ است'

پیغامبر نظام تجلی کا ہے شہاب
ہوتا ہے گل کدوں سے بہاروں کا انتساب
بحر بسیط کا ہے تبحر نما سحاب
'آئینہ دار پرتو مہر است ماہتاب
شان حق آشکار ز شان محمد ﷺ است'

کیا ہے دلیل و اصل و غرض کائنات کی
سائنس و فلسفہ سے گرہ یہ نہ کھل سکی
پھوٹی کلام حق سے ہدایت کی روشنی
'دانی اگر بہ معنیٔ لولاک وا رسی
خود ہر چہ از حق است از ان محمد ﷺ است'

کیا جاں فروز باغ محمدؐ کی ہے بہار
یہ رنگ و نور یہ سمنستاں ہے لالہ زار
قمری لہک لہک کے یہ کہتی ہے بار بار
'واعظ حدیث سایۂ طوبیٰ فرو گزار
کیں جا سخن ز سرو روانِ محمدؐ است'

ختم الرسل سا کوئی نہ ہوگا نہ ہوسکا
اپنی مثال آپ تھے وہ شاہ انبیاء
کچھ ان کے معجزات کی حد ہے نہ انتہا
'بنگر دو نیمہ گشتن ماہ تمام را
کاں نیم جنبشے ز بنان محمدؐ است'

ان کا فروغ، صبح ازل سے ہے تا ابد
روشن ہیں ان سے چہرۂ ہستی کے خال و خد
ان کی صفات سے ہے ہر اعزاز کی سند
'ور خود ز نقش مہر نبوت سخن رود
آں نیز نامور ز نشان محمدؐ است'

شاعر ہوں میں ستارہ نگار و گہر رقم
وجدان و عقل میں نے کیے نعت میں بہم
اظہار عجز میں مری آنکھیں مگر ہیں نم
'غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتم
کاں ذات پاک مرتبہ دانِ محمدؐ است'

عبدالمالک مضطر۔ کراچی

مدحت رسول ﷺ

(تضمین بر اشعار غالب)

پیام رب کا جو انسان کے لیے لایا
نمونہ خلق کا، رستہ فلاح کا دکھلایا
مقام بندہ شاکر کا خود بھی اپنایا
طریقہ بندگی رب کا ہم کو سکھلایا
جو پردہ خالق و مخلوق میں تھا، اُٹھوایا
ہر ایک فاصلۂ رنگ و نسل جھٹلایا
یہ راز امن و سکوں کا ہے، سب کو بتلایا
جو خوں کے پیاسے تھے ان کو گلے سے لگوایا
زمیں پہ ابر کرم بن کے چار سو چھایا
نہ اُس ﷺ کے جیسا کوئی دوسرا کبھی آیا
نبی ﷺ آخر و ختم الرسل ﷺ وہ ﷺ کہلایا
جب اُس ﷺ کا ذکر کیا، کیف اک نیا پایا
"زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لیے"

نوید صبح سعادت تھی اُس ﷺ کی پیدائش
نہ رد کری کبھی سائل کی کوئی فرمائش

نہ چاہتا تھا وہ ﷺ اپنے لیے کچھ آسائش
تھی کفر و شرک پہ تنبیہ اور فہمائش
یہ فکر تھی کہ ہو انساں سے دُور آلائش
بھلائی کی ہو نمو، نیکیوں کی افزائش
مبالغے کی نہیں اس میں کوئی گنجائش
ہیں وصف اتنے کہ گنتی نہ کوئی پیمائش
"زمانہ عہد میں اس کے ہے محوِ آرائش
بنیں گے اور ستارے اب آسماں کے لیے"

ہیں بس جہاد و عبادات اس سے بھی افضل
وگرنہ اس کے برابر نہیں کچھ اور عمل
مگر درود و سلام ہوں نہ بس برائے شغل
اثر کچھ ایسے کرے مدحِ احمد ﷺ مرسل
کہ کلمہ گو سبھی اک بار پھر سے جائیں سنبھل
فسوں سے ذات کے اپنی ہر ایک آئے نکل
نگاہ و دل کا ہر اک زاویہ ہی جائے بدل
ہو لوحِ ہستی پہ ثبت اسوہ حسن کی شکل
رہے یہ زندگی پہ نقش، پائیدار، اٹل
ہر ایک امتی قالب میں اس کے جائے ڈھل
"بقدرِ شوق نہیں ظرفِ تنگنائے غزل
سفینہ چاہیے اس بحرِ بے کراں کے لیے"

لبوں پہ صدیوں سے ہی نالہ فراقی ہے
اخوتوں کی جگہ درسِ افتراقی ہے

یہ کیفیت نہ ہی وقتی، نہ اتفاقی ہے
اب امت راہ روِ جادہ نفاقی ہے
یہ ہندی، ترک، عرب، فارسی، عراقی ہے
ہے شرق و غرب میں تقسیم، گو وفاقی ہے
قرآن بھی، نبی اُمیﷺ خود، آفاقی ہے
صبوحی مئے توحید کا وہﷺ ساقی ہے
"ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے
کچھ اور چاہیے وسعت مرے بیاں کے لیے"

رہی نہ ملت بیضا کی اب کوئی توقیر
بنی ہے نکبت و ذلت کی آج یہ تصویر
زمانے بھر میں ہے رُسوا، ذلیل و خوار و حقیر
حسین خوابوں کی اندوہ ناک ہے تعبیر
نہ غم ہے دل کو کوئی اور نہ جاگتا ہے ضمیر
عمل سے ہوتی ہے ایمان کی کھلی تنکیر
ہے زندہ کرنے کی مردوں کے کیا بھلا تدبیر
اذاں ہے شہر خموشاں میں کار بے تاثیر
"مثال یہ مری کوشش کی ہے کہ مرغ اسیر
کرے قفس میں فراہم خس آشیاں کے لیے"

ہر ایک سمت میں مکر و فریب، دجل و ریا
نئے ہیں سامری، صنعت ہے ان کی ہوشربا
ہے شعبدوں کا اثر ذہن و فکر پر گہرا
نظر میں صید کی، صیاد معتبر ٹھہرا

ملا تھا ہم کو کبھی جو پیام جاں افزا
کلام رب کا، تھا حل جس میں سب مسائل کا
جسے لپیٹ کے مخمل میں، طاق پر رکھا
سمجھنے کی ہے ضرورت، نہ وقت پڑھنے کا
وہ یاد آئے تو مل جائے سب دکھوں کی دوا
ہو قافلے کے لیے بازگشت بانگِ درا
رہے نہ پھر یہ غبار سرِ راہ صحرا
کرے اثر دلِ مضطر کی ہم پہ تلخ نوا
''ادائے خاص سے غالب ہوا ہے نغمہ سرا
صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے''

بشیر حسین ناظم ۔ اسلام آباد

تضمین بہ نعت غالب

بالا ز عقل ذروۂ شان محمدﷺ ست
خلق عظیم تیغ و سنان محمدﷺ ست
کم تر ابد، ز آن زمان محمدﷺ ست
حق جلوہ گر ز طرز بیان محمدﷺ ست
آرے کلام حق بہ زبان محمدﷺ ست

آن مطلع ضیا و سنا آسماں جناب
معراج حسن خلق و معراج انتخاب
تاباں ز نورِ اُوست دلِ چشم آفتاب
آئینہ دار پرتو مہر است ماہتاب
شانِ حق آشکار ز شانِ محمدﷺ ست

ہر پہلوئے دیار نبیﷺ ہست مرغزار
خار رہ مدینہ، گل مایۂ بہار
خوشتر ز خلد، روضۂ شاہ ابد قرارﷺ
واعظ حدیث سایۂ طوبیٰ فروگزار
کانیجا سخن ز سرو روانِ محمدﷺ ست

این نکتہ را شناس کہ مبہم نہ مغلق است
بعد از خدا بنیست ﷺ مکرم، محقق است
ایں قول ہم مسلم و محکم، مصدق است
تیر قضا ہر آئینہ در ترکش حق است
اما کشودِ آں ز کمان محمد ﷺ ست

مملوٗ کنم ز بادۂ توحید جام را
تر می کنم زِ ذوقِ مئے عشق کام را
زینت دہم زِ اسم محمد ﷺ کلام را
بنگر دو نیمہ گشتن ماہ تمام را
کاں نیمہ جنبشے ز بنان محمد ﷺ ست

کیواں بہ پیش قبلہ رویش جبیں خمد
رخش زماں بزیر عنانش ہمی رود
بر امر اُو محیط و سپہر بریں چمد
ہر کس قسم بآنچہ عزیز است می خورد
سوگند کردگار بجانِ محمد ﷺ ست

آن کس کہ بر زبان برارد ھوالصمد
در طاق قلب، شمع ہدا را جلا دہد
بر نقش پائے شاہد کونین ﷺ سر نہد
د ز خود ز نقش مہر نبوت سخن رود
آن نیز نامور ز نشان محمد ﷺ ست

ہین گوش کن بہ نکتۂ عرفان و آگہی
غرقند دو جہان بہ میم محمدیﷺ
از رمز مار میت بداں عظمت نبیﷺ
دانی اگر بہ معنئ لولاک وا رسی
خود ہر چہ از حقیقت از آن محمدﷺ ست

بر لوح روح صورت جانان نگاشتم
جز عشق او بہ کشت تمنا نکاشتم
چو زہرہ و مجال ستایش نداشتم
غالب ثنائے خواجہﷺ بہ یزداں گزاشتم
کان ذات پاک مرتبہ دان محمدﷺ ست

مرزا اسد اللہ خاں غالب

نعت بزبانِ فارسی

حق جلوہ گر ز طرز بیان محمد است
آرے، کلام حق بزبان محمد است

آئینہ دار پرتو مہر است ماہتاب
شان حق آشکار ز شان محمد است

تیر قضا ہر آئینہ در ترکش حق است
اما کشاد آن ز کمان محمد است

دانی، اگر بہ معنیٔ لولاک واری
حق ہر چہ از حق است از آن محمد است

ہر کس قسم بدانچہ عزیز است، می خورد
سوگند کردگار بہ جان محمد است

واعظ حدیث سایۂ طوبیٰ فرو گذار
کانیجا سخن ز سرو روان محمد است

بنگر دو نیمہ گشتن ماہ تمام را
کان نیمہ جنبشے ز بنان محمد است

وزخود ز نقش مہر نبوت سخن رود
آن نیز نامور ز نشان محمد است

غالبؔ، ثنائے خواجہ بہ یزداں گذاشتم
کان ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمد است

ڈاکٹر اسلم انصاری۔ ملتان

منظوم ترجمہ اردو

حق جلوہ گر ہے طرز بیان حضور سے
بے شک، کلامِ حق ہے زبانِ حضور سے

آئینہ دار، پرتو خورشید کا ہے ماہ
شان حق آشکار ہے شان حضور سے

تیر قضا ہر آئینہ ترکس میں حق کی ہے
پر ہے کشاد اس کی کمان حضور سے

جانو جو تم پہ معنیٔ لولاک کھل سکیں
تخلیق کا فروغ ہے آن حضور سے

اپنی عزیز چیز کی کھاتے ہیں سب قسم
سوگند کردگار ہے جان حضور سے

واعظ، تو ذکر سایۂ طوبیٰ کو چھوڑ دے
ہے اب تو بحث سرو روان حضور سے

کس طور سے دو نیم ہوا چاند، دیکھئے
یہ نیم جنبش آئی بنانِ حضور سے

گر بات نقشِ مہرِ نبوت کی چل پڑے
وہ خود بھی نامور ہے نشانِ حضور سے

غالب، خدا پہ چھوڑ دی مدحت رسول ﷺ کی
آگاہ بس وہی تو ہے شانِ حضور سے

افتخار احمد عدنی۔ کراچی

ترجمہ

جلوہ ہے حق کا طرز بیان محمدی
ہاں ہے کلام حق بزبان محمدی

سورج کی روشنی کا ہے آئینہ دار چاند
شان خدا کا عکس ہے شان محمدی

ترکش میں حق کے تیر قضا ہے نہاں مگر
پرواز اس کی ہے بکمان محمدی

اس کے سوا ہے معنی لولاک اور کیا
آیات حق ہیں جملہ نشان محمدی

کھاتے ہیں سب اسی کی قسم جو عزیز ہو
سوگند ہے خدا کی بجان محمدی

واعظ بیان سایۂ طوبیٰ نہ کر جہاں
ہو گفتگوئے سرو روان محمدی

دو ٹکڑے ہونا چاند کا کیا چیز ہے مگر
اک جنبش خفیف بنان محمدی

ہے افتخار مہر نبوت یہی کہ وہ
معروف ہے بطور نشان محمدی

غالب ثنائے خواجہ کو یزداں پہ چھوڑ دے
ہے بس وہی تو مرتبہ دان محمدی

مولانا احمد رضا خاں

پوچھتے کیا ہو عرش پر یوں گئے مصطفےٰ ﷺ کہ یوں
کیف کے پر جہاں جلیں کوئی بتائے کیا کہ یوں

قصرِ دنیٰ کے راز میں عقلیں تو گم ہیں جیسی ہیں
رُوحِ قدس سے پوچھئے تم نے بھی کچھ سنا کہ یوں

میں نے کہا کہ جلوۂ اصل میں کس طرح گمیں
صبح نے نورِ مہر میں مٹ کے دکھا دیا کہ یوں

ہائے رے ذوقِ بے خودی دل جو سنبھلنے سا لگا
جھک کے مہک میں پھول کی گرنے لگی صبا کہ یوں

دل کو دے نور و داغِ عشق پھر میں فدا دو نیم کر
مانا ہے سن کے شقِ ماہ آنکھوں سے اب دکھا کہ یوں

دل کو ہے فکر کس طرح مردے جلاتے ہیں حضور ﷺ
اے میں فدا، لگا کر ایک ٹھوکر اُسے بتا کہ یوں

باغ میں شکر وصل تھا ہجر میں ہائے ہائے گل
کام ہے اُن کے ذکر سے خیر وہ یوں ہوا کہ یوں

جو کہے شعر و پاس شرع دونوں کا حسن کیوں کر آئے
لا اُسے پیش جلوۂ زمزمۂ رضا کہ یوں

رفیع عالم رفیعؔ بدایونی

درِ حضور ﷺ سے بیداری مقدر کھینچ
اگر ہے ظرف تو اس خاک سے بھی گوہر کھینچ

خلا کو حکم خدا یہ ملا شب معراج
مرے حبیب کو ارضی کشش سے باہر کھینچ

خدا کی شان دکھانا ہے تجھ کو اے بندے
پس غروب بھی چاہے تو مہر خاور کھینچ

مرے امامؑ جو دیکھے تجھے نبی سمجھے
اس اختیار سے ہجرت کی رات چادر کھینچ

وہ در پہ یوں ہی بلا لیں تو کیا مزا ہے رفیعؔ
نفس تو ہجر میں اُن ﷺ کی تڑپ تڑپ کر کھینچ

ایاز صدیقی (ملتان)

میں اِدھر ہوں اور اُدھر بابِ شہِ ﷺ ابرار ہے
منزلِ قربت میں حائل ہجر کی دیوار ہے

گریۂ ہجرِ نبی گنجینۂ انوار ہے
چشمِ تر میں ایک ایک آنسو دُرِ شہوار ہے

آپ ﷺ کے لطف و سخاوت کی کوئی حد ہی نہیں
میرا کاسہ نعمتوں کا آئنہ بردار ہے

آپ ﷺ کا ایک اک سخن تفسیرِ قرآنِ مبیں
آپ ﷺ کی ہر جنبشِ لب کاشفِ اسرار ہے

یا محمد ﷺ مجھ کو بھی بلوایئے، بہرِ خدا
لوگ کہتے ہیں مدینہ شہرِ پرانوار ہے

ہاں مجھے بھی چاہیے پروانۂ بخشش، حضور ﷺ!
ہاں مجھے بھی نعت گوئی کی سند درکار ہے

میری آنکھیں بھی ترستی ہیں زیارت کے لیے
میرا دل بھی یا نبی ﷺ حسرت کش دیدار ہے

پھر تصور کر رہا ہے سبز گنبد کا طواف
اوج پر پھر آج میرا طالع بیدار ہے

اور نبیوں کے عمل بھی قابل تقلید ہیں
اُسوۂ سرکار ﷺ تو پھر اسوۂ سرکار ﷺ ہے

سجدہ ہائے شکر ادا کرتا ہوں ایک اک لفظ پر
نعت محبوب خدا لکھنا بہت دُشوار ہے

موجۂ باد مخالف کا مجھے کیا ڈر ایازؔ!
رحمت ﷺ عالم مری کشتی کا کھیون ہار ہے

اشفاق انجم (بھارت)

ہے خاک سجدہ ریز نبی ﷺ کی جناب میں
رونق فزا یہیں تھے، یہیں پر ہیں خواب میں

چوری سے چھو لیا تھا نبی ﷺ کے لباس کو
اب تک مہک رہی ہے وہ خوشبو گلاب میں

شاید ٹپک گئی تھی پسینے کی کوئی بوند
اسریٰ کی شب تجلی ہوئی ماہتاب میں

جس جا قدم پڑے ہیں وہ مٹی مہک گئی
خوشبو بسی تھی پائے رسالت مآب ﷺ میں

حسن رسول پاک ﷺ پہ حوروں کو رشک ہے
شیریں، زلیخا، سوہنی ہیں کس حساب میں

بس آپ ﷺ کے وجود سے ہیں ساری رونقیں
رکھا ہی کیا ہے ورنہ جہانِ خراب میں

باطن میں رنگ بکھرے ہیں عشقِ رسول ﷺ سے
سورج کا نور جیسے دھنک میں حباب میں

ہوگا نبی ﷺ کا فضل و کرم اس خیال سے
پروردگار! جاگتا رہتا ہوں خواب میں

انجمؔ، مجھے نبی ﷺ کا سہارا ہے اور بس
"نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں"

اسرار احمد سہاوری

میرے آقاﷺ کے لیے وقت عناں گیر نہیں
شب معراج میں لمحات کی زنجیر نہیں

گنبدِ سبز کی رفعت کو فلک کیا پہنچے
در و دیوار حرم سی کوئی تعمیر نہیں

مجھ کو ہر غم کی مصیبت سے بچا لیتی ہے
کیسے کہہ دوں کہ دُعا میں مری تاثیر نہیں

حادثے غم کے مرے سر سے گزر جاتے ہیں
میں کسی طرح غمِ دہر سے دل گیر نہیں

اک نظر آپ کی گر میری طرف ہو جائے
پھر مجھے فکر زبوں حالیٔ تقدیر نہیں

جلوۂ کون و مکاں دل میں سجا ہے اسرار
ان کی یادوں سے حسیں تر کوئی تصویر نہیں

ڈاکٹر امانت (بھارت)

فقط زمیں کے لیے ہیں نہ آسماں کے لیے
حضور ﷺ پیکر رحمت ہیں دو جہاں کے لیے

سرور بخش ہے ہر ذرّۂ دیارِ حبیب ﷺ
بیاں کی کوئی ضرورت نہیں عیاں کے لیے

زباں پہ اسم مبارک مدام رہتا ہے
نہیں ہے دل میں خلش عیش جاوداں کے لیے

بہار! دوش پہ لا اپنے پھر نسیم حجاز
حیاتِ تازہ ہے درکار گلستاں کے لیے

حضور ﷺ! پھر سے گھٹا امن و آشتی کی اُٹھے
عطا ہو ضبط مری چشم خوں فشاں کے لیے

خمارِ بادۂ عرفاں ہے اور امانتؔ ہے
ملا ہے شعر یہ غالبؔ کا حرز جاں کے لیے

"زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا؟
کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لیے"
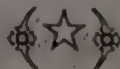
سلیم اختر فارانی (گوجرانوالہ)

اسم رسول پاکﷺ سے شاداں کیے ہوئے
بیٹھے ہیں دل کو ذکر سے فرحاں کیے ہوئے

ہیں بے خبر جہان سے یاد نبیﷺ میں ہم
تر آنسوؤں کے نور سے مژگاں کیے ہوئے

آئے وہ جگمگاتے ہوئے نور قلب سے
یہ حسن کائنات فروزاں کیے ہوئے

لے کر خدا کا عکس حسیں آئے دہر میں
آئنہ حیات کو حیراں کیے ہوئے

کرتے ہیں طے فراق کی شب اہتمام سے
پلکوں پہ آنسوؤں سے چراغاں کیے ہوئے

آئے بہار بن کے وہ اس ارض خاک پر
دشت بلا کو رشک گلستاں کیے ہوئے

محوِ ثناء ہیں چرخ پہ سب نوریانِ عرش
اللہ کے رسول ﷺ کو مہماں کیے ہوئے

چرچا ہوا کہ سیّدِ لولاک ﷺ آ گئے
اپنی جبیں سے عرش کو رخشاں کیے ہوئے
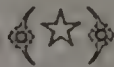
تنویر پھول (کراچی)

کھل کے اب غنچوں کو ہے زیبِ گلستاں ہونا!
آج لازم ہے یہاں جشنِ بہاراں ہونا!!

بخت کا ایسے سخنور کے بھلا کیا کہیے!
جس کی قسمت میں ہو احمد ﷺ کا ثناخواں ہونا

رُوئے تاباں کو اگر اُن ﷺ کے چکوری دیکھے!
بھول جائے گی وہ مہتاب پہ قرباں ہونا!

کھیل سمجھے ہیں محمد ﷺ کی غلامی کو سبھی!
کیا ہی آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا!

منزلِ عشق میں مسکا کے فنا ہوتے ہیں!
تو نے دیکھا نہیں غنچوں کا وہ خنداں ہونا

چاند رُوپوش ہو ساون کی گھٹا میں جیسے!!
رُوئے تاباں پہ وہ زلفوں کا پریشاں ہونا

آگ نمرود کی گلزار بنے گی فوراً !!
شرط ہے دل میں براہیمؑ سا ایماں ہونا!

پھول ہے نغمہ سرا، دیکھو یہ صحبت کا اثر!
گل نے سیکھا ہے عنادل سے غزل خواں ہونا

شوذبؔ کاظمی (ملتان)

دل میں محمد ﷺ عربی کا خیال ہے
سمٹا ہوا نظر میں محیط جمال ہے

اے دل تری تڑپ کا ابھی سے یہ حال ہے
اُن کے حضور عرضِ تمنا محال ہونا

حد نگاہ تک ہیں ستارے بچھے ہوئے
یا گردِ شاہراہِ شہ خوش خصال ہے

جتنی ضدیں تھیں ایک ہی مرکز پہ آگئیں
محبوب کبریا کی نظر کا کمال ہے

بے سایہ اور سایۂ رحمت میں دو جہاں
اک بوریا نشیں کا کرم بے مثال ہے

شوذبؔ مجھے نصیب ہو طیبہ کی سرزمیں
یہ ربِ ممکنات سے میرا سوال ہے

شمیم انجم وارثی (بھارت)

اک ذرۂ حقیر ہوں گوہر نہیں ہوں میں
خاک در رسول ﷺ سے بہتر نہیں ہوں میں

لکھنے کے باوجود بھی نعت شہِ اُمم ﷺ
محسوس یہ ہوا ہے سخنور نہیں ہوں میں

کیا کچھ نہیں ہے پاس جو عشق رسول ﷺ ہے
دنیا سمجھ رہی ہے تونگر نہیں ہوں میں

مجھ کو غلامیٔ شہِ والا ﷺ نصیب ہے
کیسے کہوں کہ اعلیٰ مقدر نہیں ہوں میں

دامن نبی ﷺ کا تھام کے محسوس یہ ہوا
دنیا میں اب کسی سے بھی کم تر نہیں ہوں میں

دل تو قریب روضۂ اطہر ہے اے شمیم
مانا قریب روضۂ اطہر نہیں ہوں میں

شاکر ادیبی (بھارت)

ہمارا علم کیا اور سوچنا کیا
خدا کو ہے خبر ہیں مصطفےٰ ﷺ کیا

مسیحا جا تڑپ لینے دے مجھ کو
یہ ہے دردِ نبی ﷺ اس کی دوا کیا

مہک ملتی ہے گیسوئے نبی ﷺ کی
گلی سے اُن کی آئی ہے صبا کیا

حرم سے دل مدینے تک جڑے ہیں
خرد کیا جانے ہے یہ سلسلہ کیا

یہ عرفاں ہے کہاں مسند نشیں کو
مرے سرکار ﷺ کا ہے بوریا کیا

خدا کے بعد افضل ہیں محمد ﷺ
کسی کو مرتبہ ایسا ملا کیا

نبی ﷺ از ابتدا تا انتہا ہیں
اب اس کے بعد کہنے کو بچا کیا

مرے آقا ﷺ مرے دل کے قریں ہیں
محبت ہو تو شاکر فاصلہ کیا

افضال احمد انور (فیصل آباد)

جو قائم ہم اپنا بھرم دیکھتے ہیں
محمدﷺ کا لطف و کرم دیکھتے ہیں

جہاں حمد خالق رقم دیکھتے ہیں
وہیں نعت احمدﷺ بہم دیکھتے ہیں

کہا حق نے مجھ سے نبیﷺ کی رضا بن
نہ تو دیکھ کچھ بھی، نہ ہم دیکھتے ہیں

وہﷺ بس وجۂ تخلیق کل ہی نہیں ہیں
انھیںﷺ کو شفیعﷺ اُمم دیکھتے ہیں

وہی اہل ایماں کی جانوں کے مالک
انھیںﷺ کو ہمیشہ حکم دیکھتے ہیں

جہاں ذکر چھڑتا ہے محبوب حقﷺ کا
وہیں عشق کی آنکھ نم دیکھتے ہیں

وہیں تو حضوری کی نعمت سوا ہے
جہاں اُنﷺ کی فرقت کا غم دیکھتے ہیں

محمد ﷺ کی یادوں سے آباد ہے جو
ہم اُس دل کو مثلِ حرم دیکھتے ہیں

ازل سے ابد تک کے سارے زمانے
اُنھیں ﷺ کو خدا کی قسم دیکھتے ہیں

مدینہ کریمہ میں عشاق انور
"خیاباں خیاباں ارم دیکھتے ہیں"
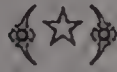
عثمان ناعم (لاہور)

شہ بحر و بر کا کرم دیکھتے ہیں
تصرف میں لوح و قلم دیکھتے ہیں

بہ سوزِ غمِ تاجدارﷺ دو عالم
دو عالم ہے زیرِ قدم دیکھتے ہیں

جمالِ خدائے دو عالم ہے روشن
شبیہ رئیس اُممﷺ دیکھتے ہیں

زہے سوز و مستی زہے جذبِ کامل
تصور میں صحن حرم دیکھتے ہیں

سلاطینِ عالم مساکینِ ہستی
محمدﷺ کے زیرِ علَم دیکھتے ہیں

بچشمِ تحیر بعد رشک ناعمؔ
فرشتے بھی میرا حشم دیکھتے ہیں

خطوط

مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری۔ لاہور

نعت رنگ کا تازہ شمارہ موصول ہوا، حسب سابق دل کش و دل ربا، روح پرور اور ایمان افروز، حکیم محمود احمد برکاتی کی نظم پڑھ کر رقت طاری ہوگئی، خاص طور پر اس بند پر:

کہنا ہے جاکر اے عالم آرا
رب محمدؐ! اے رب کعبہ!
بارے الٰہ بارے الٰہ!
اے وائے القدس! اے وائے ڈھاکہ

ڈاکٹر ابوسفیان کا مضمون ''شوقی اور ان کا نعتیہ قصیدہ ''الھمزیۃ النبویۃ'' خاصا معلوماتی ہے۔ مولائے کریم انھیں جزائے خیر عطا فرمائے۔

ظہیر غازی پوری (بھارت) کا مقالہ ''نعتیہ شاعری کے لوازمات'' بھی معلومات افزا اور چشم کشا ہے، انھوں نے بہت سے اشعار نعت پر صحیح گرفت کی ہے اور ہونی بھی چاہیے۔

انھوں نے امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک شعر میں معنوی اور فکری اعتبار سے گرفت کی ہے، وہ شعر یہ ہے:

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب
یعنی محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا

ظہیر غازی پوری کہتے ہیں کہ:

اللہ رب العزت چوں کہ بے جسم، بے پیکر اور بے بدن ہے، اس لیے دنیاوی محبوب و محب کا اطلاق اس پر نہیں ہوسکتا۔

(نعت رنگ شمارہ ۱۱، مارچ ۲۰۰۱ء ص ۱۳۱)

یہ عبارت بالکل غیر واضح ہے، کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ بے جسم ہے اور اس شعر میں اسے مجسم بنا کر پیش کیا گیا ہے، اگر یہ مطلب ہے تو یہ کسی طرح بھی صحیح نہیں، کیوں کہ شعر کے کسی حصے اور کسی پہلو سے یہ مطلب نہیں نکلتا۔ پھر یہ بھی سمجھ سے بالا ہے کہ دُنیاوی محبوب و محب کا اطلاق اس پر نہیں ہوسکتا'' کیوں؟ کیا اس لیے کہ وہ اخروی محبوب ہے، دنیاوی محبوب نہیں ہے؟ اللہ والے دنیا میں بھی اس سے ٹوٹ کر محبت کرتے ہیں، آخرت میں بھی اس سے زیادہ محبت کریں گے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: یحبھم و یحبونہ. (ترجمہ: وہ اللہ کے پیارے اور اللہ ان کا پیارا۔ المائدہ۔۵۴)

ظہیر صاحب پھر لکھتے ہیں:

ویسے بھی محبوب کو مالک کا درجہ عطا کرنے کا سیدھا اور صاف مطلب ہوا کہ رسول کو خدا کہا یا تسلیم کیا اور یہی وہ مقام ہے جہاں یہ قول حضرت احمد رضا خاں صاحب: ''اگر بڑھتا ہے تو الوہیت تک پہنچ جاتا ہے۔'' اس عبارت کا صاف اور سیدھا مطلب یہ ہے کہ نبی اکرمﷺ کو مالک مان لینے سے شرک لازم آجاتا ہے۔ کس چیز کا مالک ماننے سے شرک لازم آتا ہے؟ اس کی کوئی تصریح نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

۱۔ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فواحدةً اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ. (۳/۴)

''اگر تمھیں خوف ہو کہ تم انصاف نہیں کرسکو گے تو ایک عورت سے نکاح کرو یا اپنی مملوکہ سے استفادہ کرو۔''

۲۔ اَوْ مَا مَلَکْتُمْ مَفَاتِحَهٗ (۶۱/۲۴)

''یا تم جس گھر کی چابیوں کے مالک ہو۔''

۳۔ قُلْ لَّا اَمْلِکُ لِنَفْسِیْ نَفْعاً وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰہ. (۱۸۸/۷)

۴۔ لَا یَمْلِکُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا. (۸۷/۱۹)

''بندے شفاعت کے مالک نہیں، ہاں جس نے اللہ سے عہد لیا۔''

۵۔ وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّیَاطِیْنُ عَلٰی مُلْکِ سُلَیْمٰنَ. (۱۰۲/۲)

''بعض نے اس جادو کی پیروی کی جس کی تلاوت شیطان کیا کرتے تھے، سلیمان کی حکومت کے زمانے میں۔''

غور فرمائیں! ان آیات میں انسان کو غلاموں اور لونڈیوں کا مالک قرار دیا، گھر کی چابیوں کا مالک فرمایا، اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق نفع وضرر کا مالک قرار دیا، جس کے پاس عہد ہے، اسے شفاعت کا مالک قرار دیا، حضرت سلیمان علیہ السلام کو ملک کا مالک قرار دیا اور کہیں شرک لازم نہ آیا، کیوں کہ قرآن پاک میں شرک کا سوال ہی نہیں ہے، نبی اکرم ﷺ کو مالک ماننے سے شرک کیسے لازم آ گیا؟

علامہ تفتازانی رحمہ اللہ تعالیٰ شرح عقائد میں فرماتے ہیں کہ شرک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو واجب بالذات مانا جائے یا مستحق عبادت مانا جائے۔ (شرح عقائد) مالک ماننے سے شرک تب لازم آئے گا جب نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ جیسا مالک مانا جائے، کیوں کہ اس وقت نبی اکرم ﷺ کو واجب بالذات ماننا پڑے گا۔ جب کہ امام احمد رضا فرماتے ہیں: میں تو مالک ہی کہوں گا'' یہ الفاظ خود پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ اصل مالک تو اللہ تعالیٰ ہے۔ چوں کہ رب کریم نے آپ کو کائنات میں تصرف کا اختیار دے رکھا ہے، اس لیے میں تو یہی کہوں گا کہ آپ بھی مالک ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کے اذن سے اور اس کی اجازت سے۔

دیکھیے قرآن پاک میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں:

اِنِّی اَخْلُقُ لَکُمْ مِنَ الطِّیْنِ کَھَیْئَةِ الطَّیْرِ. (۱۹/۳)

''میں تمھارے لیے مٹی سے پرندے کی مورت پیدا کرتا ہوں۔''

ہو سکتا ہے کوئی شخص یہ کہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خلق اور ایجاد کی نسبت اپنی طرف کرنا شرک ہے، لیکن اس کا یہ قول اس لیے صحیح نہیں کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے اذن کا صراحۃً ذکر ہے۔ (فَیَکُوْنُ طَیْرًا بِاِذْنِ اللّٰہِ)

آیئے! سرکار دو عالم ﷺ کے اختیار اور تصرف کی ایک جھلک دیکھیں:

۱۔ نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے مجھے چار وزیروں سے تقویت دی ہے، دو آسمان والے جبرائیل اور میکائیل اور دو زمین والے ابوبکر اور عمر''... اس حدیث کو امام طبرانی اور امام ابونعیم نے حلیۃ الاولیا میں روایت کیا۔ (الصواعق المحرقۃ، ابن حجر مکی ص ۷۸)

ظاہر ہے کہ وزیر بادشاہ ہی کے ہوتے ہیں، نبی اکرم ﷺ کے دو وزیر آسمان میں اور دو زمین میں ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ زمین و آسمان کی بادشاہی اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی۔

سورج اُلٹے پاؤں پلٹے، چاند اشارے سے ہو چاک

۲۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ''نبی اکرم ﷺ نے فرمایا، ہم سوئے ہوئے تھے، ہمارے پاس زمین کے خزانوں کی چابیاں لائی گئیں اور ہمارے ہاتھ میں رکھ دی گئیں۔'' (مسلم شریف، عربی ۱/۱۹۹)

بخاری شریف (ص ۵۸۵) میں ہے:

أُعْطِيْتُ مَفَاتِيْحَ خَزَائِنِ الارض.

''ہمیں زمین کے خزانوں کی چابیاں عطا کی گئیں۔''

اس حدیث کے تحت علامہ محمد عبدالرؤف مناوی فرماتے ہیں:

یا دنیا کے تمام خزانے مراد ہیں، بندے جس چیز کے مستحق ہیں وہ انھیں نکال کر دیتے ہیں، اس جہان میں جو کچھ ظاہر ہوگا وہ اللہ تعالیٰ کے اذن سے وہی دے گا جس کے ہاتھ میں چابی ہوگی۔''
(فیض القدیر، شرح جامع صغیر، ۱/۵۶۴)

حضرت ربیعہ ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے انھیں فرمایا: سَلْ ربیعہ! ''مانگو۔'' اس حدیث کی شرح میں حضرت ملا علی قاری، شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور غیر مقلدین کے نواب صدیق حسن خاں بھوپالی کہتے ہیں:

اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا اور آخرت کی جو بھلائی چاہو، مانگو۔ نبی اکرم ﷺ نے مطلقاً فرمایا کہ مانگو اور کسی خاص مطلب کی تخصیص نہیں کی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام معاملہ حضور اقدس ﷺ کے دست ہمت و کرامت میں ہے، جسے چاہیں، جو چاہیں اپنے رب کے اذن سے عطا فرمائیں۔

فَإِنَّ مِنْ جُوْدِكَ الدُّنْيَا وَضَرَّتَهَا
وَمِنْ عُلُوْمِكَ عِلْمَ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ

(علامہ بوصیریؒ فرماتے ہیں) دنیا و آخرت آپ کے جود و کرم کا حصہ ہے اور لوح و قلم کا علم آپ کے علوم کا بعض ہے۔ (مسک الختام، طبع کانپور، ۱/۲۷۶)

نبی اکرم ﷺ نے یہودیوں کو ارشاد فرمایا:

اَسْلِمُوْا تَسْلِمُوْا وَاعْلَمُوْا اَنَّ الْاَرْضَ لِلّٰہِ وَ رَسُوْلہ.

(بخاری شریف، عربی، ج ۱ ص ۴۴۹)

''اسلام لے آؤ، محفوظ ہو جاؤ گے اور جان لو کہ زمین اللہ کی ہے اور اللہ کے رسول کی ہے۔''

دراصل بات ہے کہ اگر بادشاہ اپنے وزیر کو اور آقا اپنے غلام کو اپنی تمام مملوکہ اشیاء میں مختار عام بنادے تو اس سے لازم نہیں آتا کہ وزیر بادشاہ کے برابر ہو گیا ہے اور غلام اپنے آقا کے برابر ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم ﷺ کو کائنات میں تصرف کا اختیار دیا ہے تو اس سے برابری اور شرک کہاں سے لازم آ گیا؟

امام احمد رضا نے پیش نظر شعر میں محبت کے لطیف ترین جذبے کے حوالے سے استدلال کیا ہے کہ ہمیں جس سے محبت ہو اور دل کی گہرائی سے محبت ہو، اس کے ساتھ یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ یہ چیز میری ہے اور یہ تمھاری ہے۔ یہ وہ حقیقت ہے جس کا انکار وہی شخص کر سکتا ہے جو محبت کے جذبۂ لطیف سے عاری ہو اور یہ حدیث شریف سے ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں، ماننا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو اپنی کائنات میں تصرف کی اجازت دے رکھی ہے۔ علامہ اقبال اسی مقام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے؟

یہ مطلب نہیں اللہ تعالیٰ معاذاللہ بندے کا محتاج ہو جاتا ہے بلکہ مطلب یہ کہ بندہ اپنی رضا کو اللہ کی رضا میں اس طرح فنا کر دیتا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی رضا ہے وہی بندے کی رضا ہے۔

ظہیر صاحب اس کے باوجود لکھتے ہیں:

کشف اور کیف کے عالم میں محبت رسول اگر اس منزل تک پہنچ جاتا ہے تو ادبی اور مذہبی نقطۂ نظر سے یہ کیفیت قابل گرفت ہے، مگر اللہ بڑا مہربان ہے اور غفور الرحیم بھی تو ہے۔ (نعت رنگ، ص ۱۳۲).

جب ایک رویہ یا نظریہ حد شرک میں داخل ہو جائے تو وہ ناقابل معافی ہے، اللہ

تعالیٰ غفور و رحیم ہونے کے باوجود اسے نہیں بخشتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ. (۴/۴۸)

''بے شک اللہ اس بات کو نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے۔''

ظہیر صاحب خود یہ لکھ گئے ہیں:

اپنے نور سے بھی اس نے ایک پیکر تراشا جو اس کے لیے محبوب ترین تھا، وہ نور پیشانیٔ آدم میں محفوظ ہوا اور محمد مصطفیٰ ﷺ تک پہنچا۔

(نعت رنگ ص۱۳۱)

اپنے نور سے ایک پیکر تراشنے کا تصور بڑا ہول ناک ہے، کیوں کہ اہل اسلام کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اجزاء سے پاک ہے، مذکورہ بالا عبارت کا مطلب تو یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کے ایک ٹکڑے کا پیکر تراشا جو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تک پہنچا، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیدا کردہ اولین نور سے اپنے حبیب اکرم ﷺ کو پیدا کیا، یہ نہیں کہ ایک پیکر پیدا کیا وہ نبی اکرم ﷺ تک پہنچا۔

یہ چند سطور راقم نے تحریر کی ہیں، اگر آپ تفصیل دیکھنا چاہیں تو امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ کی تصنیف ''الامن والعلیٰ'' ملاحظہ فرمائیں، راقم کی عربی کتاب ''من عقائد اھل السنۃ'' کا ایک باب المعجزہ وکرامات الاولیاء ملاحظہ فرمائیں۔

ڈاکٹر سیّد یحییٰ نشیط۔ بھارت

نعت رنگ ''شمارہ گیارہ'' اپنی تمام تر مشمولات اور دیدہ زیب سرورق کی وجہ سے دل کو موہ لیتا ہے، یہ شمارہ اگرچہ (شاید آپ کی مصروفیات اور بیرونی سفر کی وجہ سے) کافی دیر سے شائع ہوا ہے لیکن آپ کی مسلسل توجہ اور جاں فشانی کی وجہ سے اس کے کسی گوشے میں کوئی جھول یا کمی نہیں رہی۔ یقیناً ''نعت رنگ'' آپ کے نقرئی خواب تمنا کی طلائی تعبیر بنتا چلا جا رہا ہے۔ پروفیسر افضال احمد انور کا خط کشیدہ جملہ مجھے پسند آیا اسی لیے یہاں لکھ دیا گیا۔

میں نہایت عجز و انکسار کے ساتھ یہ بات کہتے جا رہا ہوں کہ محترم پروفیسر جناب اسماعیل آزاد کا مضمون ''نعت کے موضوعات'' نعت رنگ شمارہ نمبر۵ میں چھپے۔ میرے مضمون ''اردو نعت گوئی کے موضوعات'' کا چربہ بلکہ بعض عبارتوں کا ''سرقہ'' ہے۔ پروفیسر موصوف نے ''معارف'' اعظم گڑھ میں چھپے ''اردو کی حمدیہ شاعری'' میرے اس مضمون کے ساتھ بھی

یہی رویہ اپنایا تھا اس کی نشاندہی میرے شاگرد نذیر احمد قریشی نے معارف کے ایڈیٹر کو خط لکھ کر کی تھی۔ بعدہٗ میں نے بھی محترم اسماعیل آزاد صاحب سے بہ ذریعۂ خط اپنی ناراضگی کا اظہار کیا تھا۔ جواباً انھوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا تھا۔ دوبارہ وہ اسی طرح کی غلطی کر بیٹھے، حق تو یہ ہے کہ تحقیقی مضامین لکھتے وقت حوالوں کا دینا نہایت ضروری ہوتا ہے۔ مآخذات کی نشاں دہی بھی کردی جائے، اس سے محقق کا وقار بڑھتا ہے، گھٹتا نہیں۔ ہاں! یہ نہایت ہی اسفل درجہ ہے کہ عبارتیں کی عبارتیں نقل کرلی جائیں اور حوالہ تک نہ دیا جائے۔ میرے ایک بزرگ دوست بلکہ محسن ڈاکٹر شیخ فرید، ریسرچ آفیسر انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ (بمبئی) نے اردو کے قدیم صوفی شاعر شیخ بہاء الدین باجنؔ پر زبردست کام کیا تھا اس کا مسودہ ایک پروفیسر اپنے ساتھ لے کر گئے اور جلد ہی اپنے نام اس مسودے کو کتابی شکل میں چھپوانا شروع کردیا، یہ خبر جیسے ہی فرید صاحب کو پہنچی تو انھیں ایسا جھٹکا لگا کہ سارا جسم مفلوج ہوگیا اور اسی فالج کے اثر نے بالآخر انھیں دنیا سے اٹھالیا۔ ڈرا دھمکا کر وہ مسودہ بالآخر حاصل کرلیا گیا اور ڈاکٹر شیخ فرید ہی کے نام سے احمد آباد (گجرات) سے شائع ہوا۔ جامعاتی سطح پر اردو محققین کے یہاں یہ بدعنوانی عام ہوگئی ہے۔ اللہ حفاظت فرمائے۔

میں دوبارہ بلکہ سہ بارہ پروفیسر اسماعیل آزاد صاحب سے عاجزانہ گزارش کرتا ہوں کہ خدارا! اخذ کی ہوئی عبارتوں کے حوالے ضرور دیا کریں تاکہ قارئین روشناس ہوجائیں اور صبیح رحمانی صاحب آپ سے بھی ادباً التماس ہے کہ ایسی بدعنوانی کو روکنے کی کوشش کریں۔ کیوں کہ اس سے رسالے کا وقار مجروح ہوتا ہے۔

''نعت رنگ''، ترسیل، طلوع اور دیگر رسائل میں میں چھپے میرے نعتیہ مضامین کا مسودہ کتابی صورت میں ترتیب دے رکھا ہے۔ مناسب موقع پر اسے چھپوانے کا خیال بھی ہے۔ عنوان رہے گا ''ثنائے رسول مقبول ﷺ: روایت سے درایت تک'' کم و بیش تین سو صفحات کی یہ کتاب رہے گی۔

ڈاکٹر محمد اسماعیل آزادؔ فتح پوری۔ بھارت

''ان صاحب'' (ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط) کی وساطت سے معلوم ہوا جنھوں نے مجھ پر الزام لگایا ہے کہ میرا مضمون ''موضوعات نعت'' ان کے مضمون سے مسروقہ ہے کہ اقلیم نعت کا

نعت رنگ شمارہ ۱۱ منظر عام پر آگیا ہے اور یہ نمبر ''ان کو'' مل چکا ہے۔ حیرت ہے کہ آپ نے اس نمبر سے میری ضیافت نہیں فرمائی۔ مجھے اس نمبر کا شدید انتظار ہے۔

بہ طور جملہ معترضہ، یہ بات عرض کردوں، میں نعت پر ۱۹۷۶ء سے کام کر رہا ہوں۔ میرا مقالہ ''اردو شاعری میں نعت'' ۱۹۸۲ء میں داخل ہو چکا تھا، جو لکھنؤ یونی ورسٹی کے محققین سیکشن میں محفوظ ہے۔ ''ان صاحب'' کا مضمون نعت رنگ نمبر ۵ میں دوسرے نمبر پر ''اردو نعت گوئی کے موضوعات'' کے عنوان سے شامل ہے۔ یہ مضمون پورا کا پورا میرے مقالے سے ادنیٰ تصرف کے ساتھ مستعار ہے۔

میرا اپنا مضمون جو ان کے بہ قول نعت رنگ کے گیارہویں نمبر میں مشمول ہے، میرے اپنے مضمون سے تھوڑا بہت ماخوذ ہے۔ بیش تر حصہ جدید ہے کیوں کہ اس میں جن چند کتابوں پر تبصرہ بہ طور استشہاد ہے، وہ مقالے کی ترتیب اور اس کی اشاعت تک راقم کے نظر نواز نہیں ہوئی تھیں۔ واضح ہو کہ میرا مضمون میری جس کتاب سے ماخوذ ہے وہ بیس سال قبل کی مکتوب ہے۔

بہر حال دونوں مضمونوں اور میری مطبوعہ کتابیں ''نعتیہ شاعری کا ارتقا، ''اردو شاعری میں نعت'' جلد اوّل و دوم اور ''اردو نعت اور غیر مسلم شعراء'' پڑھ کر قاری خود ہی فیصلہ کر لے گا کہ صداقت اور سچائی کہاں ہے؟'' میں رد و قدح میں اپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ میری یہ کتابیں ۱۲۔۱۴ سال پیشتر کی مطبوعہ ہیں اور یہ مضامین ۲۰ سال پیشتر کے محررہ ہیں۔

اس ملفوف میں میرے دو مضامین ''نعتیہ شاعری خارج از نصاب کیوں؟'' اور ''اردو ادب میں محسن کا مقام'' ہیں، جو آپ کی خدمت عالیہ میں بہ غرض اشاعت بھیجے جا رہے ہیں۔ اُمید ہے کہ آپ ان کو نعت رنگ کے اگلے شمارے میں شرف اشاعت بخشیں گے۔

نعت رنگ کے گیارہویں نمبر کا بہ صد اشتیاق منتظر ہوں اور ''غالبؔ کی نعتیہ شاعری'' پر میرا مرسلہ مضمون جس رسالے میں اشاعت پذیر ہوا ہو، اس کا بھی، امید ہے کہ یہ دنوں رسالے جلد ارسال کر کے ممنون فرمائیں گے۔

مولانا کوکب نورانی اوکاڑوی۔ کراچی

ماہ صفر المظفر ۱۴۲۲ھ کے آغاز میں ''نعت رنگ'' کا گیارھواں شمارہ ملا، بہت شکریہ

و جزاکم اللہ تعالیٰ۔ اسے رب کریم کا فضل اور نعت شریف کی برکت ہی کہوں گا کہ آپ کا یہ سفر نہ صرف جاری ہے بلکہ ترقی پذیر بھی ہے۔ یہ کام یابی نعت شریف سے آپ کے خصوصی لگاؤ اور اس باب میں آپ کے صدق و اخلاص کو ظاہر و ثابت کرتی ہے۔ اللہ کریم جل شانہ آپ کی اس کاوش کو شرف قبولیت سے سرفراز فرمائے اور مزید ہمت و استعداد سے نوازے، آمین۔

میرے استاذ مکرم شیخ الاسلام والمسلمین، شیخ القرآن حضرت مولانا غلام علی صاحب اشرفی قادری اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ کا پہلا سالانہ عرس مبارک دس، گیارہ صفر کو اوکاڑا میں منعقد ہوا، اس میں شرکت کے لیے گیا تو نعت رنگ کا شمارہ میرا ہم سفر رہا، اوکاڑا پہنچنے تک دو سو سے زائد صفحات میں نے دیکھے اور ''اعترافی و اعتراضی'' جملوں کو نشان زد کرتا رہا۔ مطالعے کا دوسرا مرحلہ ماہ ربیع النور کی دو تاریخ کو اپنے والد گرامی کے پیرخانے شرق پور شریف میں حضرت شیر ربانی میاں شیر محمد صاحب نقش بندی مجددی شرق پوری رحمۃ اللہ علیہ کے سالانہ عرس مبارک میں شرکت کے لیے سفر کرتے ہوئے پورا کیا۔ آپ کے علم میں ہے کہ ماہ ربیع النور سے ربیع الآخر تک محافل و مجالس میلاد شریف اور اسفار کی کثرت رہتی ہے، علاوہ ازیں جرائد و رسائل اور تحقیق و تصنیف کے مشاغل کا تسلسل بھی رہتا ہے۔ درون ملک اور بیرون ملک وقوع پذیر ہونے والے وہ واقعات و حوادث جو دینی و مذہبی امور اور شخصیات سے وابستہ ہوتے ہیں، وہ بھی اپنی اہمیت کی وجہ سے توجہ اور وقت کا مصرف بنتے ہیں۔ شہرت کی تمنا کبھی نہیں کی مگر گم نام بھی نہیں رہا۔ کتابوں میں گم یا کبھی لکھنے میں مگن ہوں اور فون یا ملاقاتی آجائیں تو پتا چلتا ہے کہ شہرت کے ''فوائد'' کتنے اور کیسے ہیں۔ اللہ کریم کا شکر ہے کہ اس گہما گہمی میں بھی میری جستجو اور محنت، مطالعہ و تحقیق اور تصنیف و تالیف کے حوالے سے کسی قدر برقرار ہے، جنھیں کتاب و قلم سے شغف ہے، کچھ انھی سے پوچھیے کہ یہ کیسا نشہ ہے!

نعت رنگ کے اس شمارے نے جلوہ گر ہونے میں خاصا وقت لیا۔ مجھے اپنے یار طرح دار محترم شکیل عادل زادہ کے سب رنگ کا احوال خوب معلوم ہے، رنگ کا لفظ آپ کے دھیان میں شاید انھی سے آیا ہوگا، تو کچھ اثرات کا آجانا بھی بعید نہیں۔ وہ تاخیر گوارا کرتے ہیں مگر معیار کے دھنی ہیں، آپ کا معاملہ بھی کچھ انھی جیسا لگتا ہے۔

آپ نے اس دوران نعت رنگ کے گیارہ شماروں کے مشمولات کے حوالے سے

ایک تعارفی پمفلٹ بھی شائع فرمایا، یقیناً اسے اکثر اہل علم تک بھجوایا ہوگا، اُمید ہے آپ سے قلمی تعاون میں وہ کارآمد رہا ہوگا۔

نعت شریف ایسا موضوع نہیں کہ ہر کوئی محض خامہ فرسائی کے شوق میں کوئی مضمون لکھ دے، جس طرح شاعر کو نعت کہنے کے لیے عقیدت و محبت کے ساتھ ساتھ عقائد اور حقائق سے آگہی ضروری ہے اسی طرح نعت شریف پر تحقیق و تنقید میں کچھ لکھنے سے پہلے بہت جان کاری کی ضرورت ہے اور لکھتے ہوئے احتیاط اس سے زیادہ ضروری ہے۔ اس تمام تر احتیاط کے باوجود یہ حوصلہ بھی رہنا چاہیے کہ فی الواقع غلطی پر صرف اس کا اعتراف ہی نہ کیا جائے بلکہ اس تصحیح و اصلاح کو مفید اور قابل قدر سمجھا جائے۔

بھارت کے شہر ممبئی سے سہ ماہی ''افکار رضا'' کے مدیر جناب محمد زبیر قادری انھی دنوں کراچی آئے ہوئے تھے، میرا تعارف ان سے پیرزادہ علامہ اقبال احمد صاحب فاروقی، مدیر ماہ نامہ جہان رضا، لاہور کے توسط سے ہوا، اس فقیر نے محمد زبیر قادری صاحب سے آپ کا ذکر کیا تھا، آپ سے ان کی ملاقات خوب رہی ہوگی۔

سہسرام، بھارت سے ماہ نامہ ''الکوثر'' کے مدیر مولانا ملک الظفر صاحب نے آپ کے ذریعے مجھ سے رابطہ کیا، وہ ''الکوثر'' کا ''نعت نمبر'' شائع کر رہے ہیں، ایک قلم برداشتہ تحریر انھیں بھجوا دی تھی جس کا عکس آپ کو بھی بھجوا رہا ہوں۔

نعت رنگ کے گیارھویں شمارے میں میرے مفصل خط کی طباعت پر مجھ تک جو تحریریں اور احباب کے زبانی جو تاثرات پہنچے ان سب کا یہ تقاضا بلکہ شدید مطالبہ تھا کہ نعت رنگ میں تحقیق و تنقید پر مشتمل اپنا خط ضرور لکھتا رہوں جب کہ میرے پیش نظر جناب امین راحت چغتائی کا وہ جملہ بھی ہے جو ان کے مطبوعہ مکتوب کے آخر میں ہے اور اسے کیا کہوں کہ ان کے اسی جملے کے فوراً بعد میرا خط شائع ہوا ہے۔ راول پنڈی میں برسوں پہلے مولانا حافظ مظہرالدین صاحب مرحوم کے مکان پر حضرت صاحب زادہ پیر سیّد غلام نصیرالدین نصیر گولڑوی کے ساتھ دو تین مرتبہ جانا ہوا، وہاں چغتائی صاحب سے بھی ملاقات رہی۔ چغتائی صاحب مسلکی اختلاف کے باوجود اگر کسی حوالے سے ظاہر کرتے کہ کون سی بات حقائق یا شرعی تعلیمات کے خلاف مطبوعہ خطوط میں ہے تو اچھا ہوتا۔ جس مقدس و مطہر ہستی کی شان میں نعت کہی جاتی ہے خود اس رسول کریم ﷺ نے جس فرقے کو ناجیہ فرمادیا، حقائق کے

مطابق اس مسلک سے متضاد و مخالف باتوں کا بیان تو چغتائی صاحب کو یا کسی کو ناگوار نہیں گزرنا چاہیے، اس بات کو یوں بھی کہوں کہ محض اپنے ناقص علم و فہم یا نادرست مسلک و مزاج کی رعایت کرتے ہوئے ''حقائق'' کو قبول نہ کرنا تو روا نہیں ہوسکتا۔ حقائق کے خلاف مضمون لکھنے والوں پر چغتائی صاحب برہم نہیں ہوئے، ایسے مضامین میں حقائق کے خلاف بیان کے تعاقب پر ان کی ناگواری کا اظہار جانے کیوں انھوں نے ضروری جانا؟ اب چغتائی صاحب اپنی عمر عزیز کی سات دہائیاں پوری کرنے کے باوجود، نعت رنگ کے گیارھویں شمارے کے ص۹ پر شائع ہونے والی حمد باری تعالیٰ کے اس شعر کو صرف کسی مسلک کے تناظر میں دیکھیں گے یا شرعی حقائق کے حوالے سے؟

جناب مظفر وارثیؔ کہتے ہیں:

''نسب اگر جاننا ہو خلاق دو جہاں کا
تو اس کی تفسیر منعفانہ ہے قل ھو اللہ''

لیس کمثلہ شیء ذات باری تعالیٰ کے بارے میں ''نسب'' کے حوالے سے اس شعر پر حقائق واضح کرنا اور اس شعر کو نادرست ثابت کرنا چغتائی صاحب کے نزدیک کیا صرف مسلکی اجارہ داری کا بیان ہوگا؟

مسلک حق اہل سنت و جماعت ہی ہے، اس کے سوا دوسرے مسالک متنازع فیہ اور باطل ہیں، چغتائی صاحب سے عرض کروں گا کہ وہ مطبوعہ منظوم کلام دیکھیں تو وہ لوگ جو نثر میں اپنے مسلک کی وجہ سے میرے بے مثل و بے مثال رسول کریم ﷺ کی شان اقدس کے بیان میں جو باتیں یا الفاظ روا نہیں جانتے، نظم میں وہی باتیں اور الفاظ وہی لوگ بھی بلا جھجک کہتے ہیں اور بلاخوف تردید کہتے ہیں تو میں یہ کہنے میں حق بہ جانب ہوں کہ مسلک حق اہل سنت و جماعت ہی کے مطابق صحیح نعت کہی جاسکتی ہے۔ نعت رنگ شمارہ ۶ کے ص ۴۳۰ پر جناب سعید بدر نے بھی اپنے مکتوب میں لکھا تھا، ''بریلویوں کے مقابلے میں ایسے گروہ اور افراد پیدا ہو رہے ہیں جو بزعم خویش توحید پرست بنتے ہیں اور نعت کو بہت کم اہمیت دیتے ہیں بلکہ نہ ہونے کے برابر، اس لیے نعت گو شاعر بریلویوں کے قریب ہوجاتا ہے۔'' یہ تائید ان کی زبان سے بھی پیش کرکے یہی بتانا چاہتا ہوں کہ صحیح العقیدہ اہل سنت و جماعت (جنھیں بریلوی بھی کہا جاتا ہے) ہی اہل علم نافع ہیں اور نعت گوئی کسی مسلک سے بھی وابستہ کوئی شخص

کرے وہ بریلویوں ہی کی تائید کرتا ہے۔

چغتائی صاحب لکھتے ہیں: ''آپ کے ہاں ایک اور صاحب ہیں رشید وارثی۔ انھوں نے بھی اس اکہتر سالہ بوڑھے کو مار رکھا ہے۔ ان کا مضمون میں لپک کر پڑھتا ہوں اور اپنے مالک کے حضور اس کے بے پایاں لطف و کرم پر سجدہ ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے ایسے عہد میں زندہ رکھا ہے، جس میں رشید وارثی مضمون لکھ رہا ہے۔ وہ ہمارے نعتیہ ادب کے نہایت متوازن فکر اور گہری بصیرت رکھنے والے ناقد ہیں، ان کا مضمون ''اردو نعت میں ادب رسالت کے منافی اظہار کی مثالیں'' بار بار پڑھنا چاہیے، اللہ انھیں قائم و دائم رکھے۔'' (ص۳۷۲، نعت رنگ شمارہ۱۱)

انھی وارثی صاحب کی اسی تحریر میں یہ ہے: ''فقہی اعتبار سے یہ ایک ایسا مقام ہے جہاں کسی شخص کی غلطیوں کی پردہ پوشی کرنے کی بجائے ان کی نشان دہی ہر صاحب علم پر واجب ہوجاتی ہے تاکہ لاعلمی یا ناواقفیت کی بنا پر ان غلطیوں کو دہرائے جانے کا سدباب کیا جاسکے۔'' (ص۱۰۱، شمارہ۱۰)

چغتائی صاحب جن وارثی صاحب کی مضمون نگاری کے عہد میں زندہ رہنے پر سجدۂ شکر ادا کرتے ہیں وہی وارثی صاحب جس کام کو واجب فرمارہے ہیں، چغتائی صاحب اسے مسلکی اجارہ داری بتارہے ہیں۔ چغتائی صاحب یہ گمان نہ کریں کہ میں دعویٰ علم میں بے باک ہو رہا ہوں۔ یہ فقیر تو سراپا آلودۂ عصیاں ہے اور حرف و لفظ کی جس قدر پہچان رکھتا ہے اس کے مطابق بھی دینی حوالوں سے بات کرتے ہوئے اکابر اہل علم اہل حق کی تحریر و تقریر سے تائید نہ پائے تو زبان و قلم دراز نہیں کرتا، اس کے باوجود میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ ہر وہ قول اور فعل جو مجھ سے سرزد ہوا، اگر عنداللہ وہ حق نہیں تو اس سے توبہ و رجوع کرتا ہوں اور اللہ کریم سے معافی چاہتا ہوں۔ الحمدللہ مجھے مسلک حق اہل سنت وجماعت کے بارے میں کوئی بے یقینی یا شک و شبہ نہیں، اس مسلک کو حق جانتا مانتا ہوں اور اسی پر خاتمہ بالخیر چاہتا ہوں۔ تعظیم و توقیر رسول ﷺ کے باب میں کسی کی رعایت نہ کرنا اگر مسلکی اجارہ داری شمار ہوتا ہے تو چغتائی صاحب ضرور مجھے اس مبارک فعل کا مجرم ٹھہرائیں، میں اسے اپنے لیے سعادت جانوں گا۔

نعت رنگ شمارہ ۱۱ کے ابتدائیہ میں ص۱۲ پر ہے: ''تاہم ہمیں یہ بھی دیکھنا ہے کہ کیا

"نعت" نے خود کو ایک صنف ادب کے طور پر تسلیم کروا لیا ہے۔" اور ص ۱۳ پر ہے: "ادب اگر انسانی اقدار کی سربلندی کا نام ہے تو نعت ہمارے عقیدے کی اساس ہونے کے ساتھ ساتھ انسانی اقدار کی نقیب بھی ہے، اس لیے نعت کو ادب میں وہ جگہ ملنی چاہیے جس کی یہ مستحق ہے۔ ادبی صنف کے اعتبار سے بھی اور ہماری ملی اور قومی شناخت کے وسیلے کے لحاظ سے بھی۔"

اور اسی سے اگلے ص ۱۴ پر جناب رشید وارثی صاحب کی تحریر کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں: "اردو زبان کے اسلامی ادب میں..." اور نعت رنگ کی لوح پر بھی درج ہے: "نعتیہ ادب کا کتابی سلسلہ۔"

محترم صبیح رحمانی صاحب! آپ اردو ادب اور اسلامی ادب کی تقسیم اور تفریق کو تسلیم کرتے ہیں، پھر نعت کا خود کو صنف ادب کے طور پر تسلیم کروا لینے پر مسرت بھی ظاہر کرتے ہیں اور اس کے لیے وہ جگہ بھی ادب میں چاہتے ہیں جس کی وہ مستحق ہے۔

آپ بہ خوبی جانتے ہیں کہ ہمارے معاشرے میں دینی عالم یا دین سے دلچسپی رکھنے والے شخص کو مذہبی کہا جاتا ہے۔ مذہبی شخصیات کے الفاظ جب بھی کہے جاتے ہیں ان سے مراد ہر کلمہ گو نہیں بلکہ وہی خاص افراد ہوتے ہیں جو عام لوگوں کی نسبت دین سے زیادہ وابستہ بتائے یا شمار کیے جاتے ہیں۔ بلکہ "فیشن زدہ" لوگوں میں جو دینی معلومات نہ رکھنے کے باوجود نمازی ہو یا ٹوپی اوڑھ لے، داڑھی رکھ لے اور جو عورت دوپٹا اوڑھے رکھے انھیں بھی کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ مذہبی ہوگئے ہیں۔ اس طرح ان کے سوا دوسرے غیرمذہبی شمار ہونے اور کہلانے چاہئیں مگر ایسا بھی نہیں ہے یعنی انھیں غیرمذہبی کہا نہیں جاتا جب کہ یہی لوگ دین کے پابند یا دین سے دلچسپی رکھنے والوں کو مذہبی کہتے اور شمار کرتے ہیں۔ پڑھے لکھے سندیافتہ کو صرف "اسکالر" کہا جاتا ہے اور عالم دین کو "دینی اسکالر"... اسی طرح زبان کے ادب اور دین کے ادب کی تفریق روا رکھی گئی ہے۔ اگر دیکھا جائے تو زبان کے جو تحریریں ذخائر دینی مذہبی شخصیات نے یادگار بنائے ہیں وہ مقدار اور معیار میں بے شمار ہیں۔ مجھے عہد آفریں مزاح نگار محترم مشتاق احمد صاحب یوسفی نے بتایا تھا کہ بائبل کا اولین ترجمہ بھی (اردو میں) کسی عالم دین ہی سے کروایا گیا تھا۔ جسے زبان کا ادب شمار کیا جاتا ہے اس سے مذہبی شخصیات کی تحریر و تقریر خالی نہیں۔ عربی ادب کے حوالے سے کہوں تو عربی زبان میں صرف و

نحو کی متعدد کتب عیسائیوں کی بھی لکھی ہوئی ہیں اور عربی ادب میں غیر مسلم عربی داں طبقے کی بھی تحریریں نمایاں ہیں۔ وہاں بھی زبان کے ادب اور اسلامی ادب کی تفریق و تقسیم پائی جاتی ہے اور یہ ادب لفظ بھی تو عربی ہی کا ہے۔

میری دانست میں یہ ہے کہ شاعری تو ادب میں لامحالہ شامل ہے بلکہ نمایاں ہے لیکن دینی موضوعات کے حوالے سے نظم و نثر کو زبان کے تحت نہیں رکھا گیا بلکہ اسے عام لوگوں کی تنقید سے بچانے کے لیے یا ایک ہی صف میں کھڑا کرنے کی بجائے الگ شمار کیا گیا۔ واضح رہے کہ اس بارے میں، میں کوئی تحقیق بیان نہیں کررہا ہوں۔

ادب میں شعبے ہیں جیسے فکاہی ادب الگ شمار ہوتا ہے۔ ادب العالیہ درجہ بندی میں ہے۔ کلاسیکی ادب الگ شمار ہوں، اسی طرح اسلامی ادب بھی الگ شمار کیا گیا۔ یہ ضرور ہوا کہ مرثیے اور قصیدے کو شعری اصناف ہی کے طور پر ادب بلکہ تعلیمی نصاب تک میں شامل رکھا گیا البتہ نعت کو اسلامی ادب میں رکھا گیا ہے۔

شاعری کو ادب سے خارج نہیں کیا جاسکتا تو منظوم نعت کیسے ادب سے الگ کی جاسکتی ہے؟ آپ اسے اسلامی ادب کی بجائے محض ادب کی الگ صنف شمار کروانے کی بات کررہے ہیں تو پھر اردو ادب اور اسلامی ادب کی تفریق و تقسیم ختم کرنے کی بات کیجیے؟ مجھے رشید وارثی صاحب کے الفاظ نہایت موزوں لگے کہ ''اردو کے اسلامی ادب''... اور ہر زبان کے اسلامی ادب میں نعت شریف کا مقام کوئی ہلکا یا کم نہیں کرسکتا اور اس کے مضامین پر ہر کس و ناکس کو کلام کی جرأت نہیں ہوسکتی۔ نعت شریف کی عزت و توقیر ادب سے نہیں، البتہ ادب ضرور نعت شریف کی برکت سے مزید سرفراز ہوگا۔

نعت رنگ کے شمارے کی ابتدا میں کہیں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا کلمہ نہیں دیکھا، ابتدائی صفحات میں اس کا التزام ہونا چاہیے۔ قرآنی آیات کی کمپوزنگ میں متعدد اغلاط ہوتی ہیں، اس حوالے سے غفلت نہیں برتی جانی چاہیے۔ محترم عبدالعزیز خالد صاحب نے ص ۳۶۸ پر املائی حرکات، اعراب کی جو بات کی ہے وہ بھی کم اہم نہیں۔ اس پر بھی توجہ کی جائے۔ سال بھر کی مدت کے بعد آپ نعت رنگ شائع کرتے ہیں۔ تمام تحریروں کی بہ یک وقت کمپوزنگ نہیں ہوتی ہوگی، اعراب لگانے کے لیے بہت سا وقت بھی درکا نہیں ہوتا۔ قرآنی آیات میں کمپوزنگ کی غلطی پر معافی و اعتذار کی اشاعت آپ خود پر لازم کرلیں، اگر مسودے

میں مضمون نگار نے غلطی کی ہو تب بھی وہ غلط شائع نہیں ہونی چاہیے، اگر نادانستہ طور پر ہوجائے تو بھی اللہ تعالیٰ سے معافی اور قارئین سے معذرت چاہنے ہی میں عافیت ہے۔ ورنہ یہ تأثر لیا جاسکتا ہے کہ اس غلطی کو غلطی نہیں جانا اور یہ احساس سنگین غلطی ہوگا۔ ابتدائی صفحات میں ایک منتخب نعت شریف بھی ہو کیوں کہ یہ نعت ہی کے حوالے سے کتابی سلسلہ ہے۔

نعت رنگ شمارہ ۱۱ کے ص۱۴ سے جناب رشید وارثی کی تحریر شروع ہوتی ہے۔ اس تحریر میں رسول کریم ﷺ کے اسم یا ذکر مبارک کے ساتھ پورا درود و سلام لکھنے کی بجائے صرف ''صلعم'' اور ''ﷺ'' کے اشارے لکھنے پر وارثی صاحب نے اظہار خیال کیا ہے۔ وہ ''ﷺ'' کو درود شریف کی علامت بتا کر درست ثابت کرنے کے لیے اس علامت کے بارے میں لکھتے ہیں: ''کیوں کہ ''ﷺ'' کی حیثیت قرآن کریم کے رموز اوقاف کی علامتوں کی طرح ایک حرف علامت کی ہے جب کہ ''صلعم'' کی حیثیت (املا و تلفظ کے اعتبار سے) ایک لفظ کی ہے اور اس مہمل لفظ کی ادائیگی (ادائی) سے ایک عام مسلمان یہ سمجھتا ہے کہ اس نے حضور اکرم ﷺ کے نام اقدس کے ساتھ درود شریف ادا کیا ہے اور اس طرح وہ درود شریف کی سعادت و برکات سے محروم رہ کر ترک واجب کا مرتکب ہوجاتا ہے۔''

اس فقیر نے ''اذان اور درود شریف'' کے عنوان سے برسوں پہلے ایک کتابچہ تحریر کیا تھا اس میں اس حوالے سے روایات نقل کی تھیں۔ دیوبندی مذہب کی تبلیغی جماعت کا تبلیغی نصاب مرتب کرنے والے جناب محمد زکریا کاندھلوی نے حضرت امام شمس الدین سخاوی رحمۃ اللہ علیہ کی یادگار کتاب ''القول البدیع فی الصلوٰۃ علی الحبیب الشفیع (صلی اللہ علیہ وسلم)'' سے استفادہ کرتے ہوئے ''فضائل درود شریف'' نامی رسالہ لکھا، جسے بعد میں ''فضائل اعمال'' نامی کتاب سے الگ کردیا گیا۔ اس رسالے میں محمد زکریا صاحب جناب اشرف علی تھانوی کے رسالے زادالسعید کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ: ''جب اسم مبارک لکھے صلوٰۃ و سلام بھی لکھے یعنی صلی اللہ علیہ وسلم پورا لکھے اس میں کوتاہی نہ کرے صرف ''ﷺ'' یا صلعم پر اکتفا نہ کرے۔''
(ص۸۱، فضائل درود شریف، مطبوعہ مکتبہ عارفین، پاکستان چوک، کراچی)

محترم رشید وارثی صاحب نے ''ﷺ'' کو درود شریف کی علامت بتا کر جائز رکھا اور صلعم کو نہیں رکھا جب کہ محمد زکریا صاحب نے اشرف علی صاحب تھانوی کا حوالہ دیا کہ یہ

دونوں ناکافی ہیں حالاں کہ ان دونوں کی تحریروں میں یہی ناکافی اشارے جابہ جا ہیں، بلکہ اسی کتاب فضائل درود شریف میں بھی متعدد جگہ انھی علامتوں کو درج کیا گیا ہے۔

امام شمس الدین سخاوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب القول البدیع، مطبوعہ مطبعۃ الانصاف، بیروت، ۱۳۸۳ھ کے ص ۲۵۰ میں ہے:

"واما الصلاة عليه عند كتابة اسمه صلى الله عليه وسلم ومافيه من الثواب و ذم من اغفله فاعلم انه كما تصلى عليه بلسانك فكذلك خط الصلاة عليه ببنانك مهما كتبت اسمه الشريف فى كتاب فان لك به اعظم الثواب وهذه فضيلة يفوز بها تباع الآثار ورواة الاخبار وحملة السنة فيها لها من منة وقد استحب اهل العلم ان يكرر الكاتب الصلاة على النبى صلى الله عليه وسلم كلما كتبه قالوا ولاينبغى ان يرمز بالصلاة كما يفعله الكسالى والجهلة وعوام الطلبة فيكتبون صورة (صلعم) بدلا من صلى الله عليه وسلم..."

اس عربی عبارت کا ترجمہ جناب محمد معظم الحق نے اردو میں کچھ اس طرح کیا ہے:

> جب نبی کریم ﷺ کے اسم گرامی لکھنے کے وقت درود شریف پڑھنا ثواب ہے تو اس کا چھوڑنا بہت برا ہوا۔ لہٰذا، جان لو! کہ جب تم اپنی زبان سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود شریف پڑھتے ہو تو ایسے ہی اپنی انگلیوں سے آں حضرت ﷺ پر درود شریف لکھنا چاہیے یہ بہت بڑے اجر و ثواب کا کام ہے۔ سنت پر عمل کرنے والے اور احادیث کو روایت کرنے والے اور آثار (صحابہ و تابعین) کی اتباع کرنے والے اس فضیلت کو حاصل کر کے کام یاب ہوگئے۔ کاش کہ اس احسان (خداوندی) کا ہمیں احساس ہوتا۔ اہل علم نے اس کو مستحب (پسندیدہ) قرار دیا ہے کہ جب بھی لکھنے والا حضور ﷺ کا اسم گرامی لکھے تو ہر مرتبہ درود شریف لکھے اور فرمایا کہ یہ مناسب نہیں ہے کہ کوئی (درود کی) علامت لکھ کر چھوڑ دے جیسا کہ سستی کرنے والے اور جہالت کرنے والے اور عام طالبین حضور اقدس ﷺ کے نام مبارک اور درود شریف مکمل لکھنے کے بجائے ''صلعم'' لکھ دیتے ہیں، یہ مناسب نہیں ہے۔ (اردو ترجمہ ''القول البدیع''، مطبوعہ ادارۃ القرآن، گارڈن ایسٹ، کراچی، ص ۱۳۷)

وارثی صاحب ''ؐ'' کو درود شریف پڑھنے کے علامت بتا کر جائز رکھنا چاہتے ہیں، جب کہ ان کی تائید میں کوئی دلیل تو کیا کوئی قول بھی نظر نہیں آتا۔ وارثی صاحب ازخود اسے رموز اوقاف کی علامتوں کی طرح لکھتے ہیں جب کہ قرآن کریم میں وقف کی علامتوں کا معنی و مفہوم ہر قاری یہی جانتا ہے کہ وقف کی علامت کچھ پڑھنے کے لیے نہیں بلکہ اس علامت کے مطابق وقف کے لیے ہے یعنی اس جگہ پڑھنے کا تسلسل روکنے کے لیے ہے اور آیات سجدہ میں ''س'' کی علامت نہیں بلکہ ''سجدہ'' کا لفظ لکھا جاتا ہے یعنی سجدہ کے ایک لفظ کو علامت کے کسی حرف کے ساتھ نہیں لکھا جاتا وہ ایک لفظ بھی پورا لکھا جاتا ہے اور قرآن کریم میں درود شریف پڑھنے کے لیے کسی مقام پر بھی اس علامت ''ؐ'' کا درج نہ کیا جانا بھی یہی واضح کرتا ہے کہ اسے درود شریف پڑھنے کی علامت شمار نہیں کیا گیا، شاید یہ کہا جائے کہ تلاوت قرآن کے دوران درود شریف نہیں پڑھا جاتا، اس لیے یہ علامت نہیں لگائی گئی تو حدیث شریف کی کتابوں میں بھی یہ علامت کہیں مذکور یا درج نہیں، بلکہ یہی کہا گیا کہ جس طرح پورا درود و سلام نہ پڑھنا بخل شمار ہوا، اسی طرح پورا درود و سلام نہ لکھنا بھی بخل اور سعادت سے محرومی شمار ہوگا، چناں چہ زادالسعید میں بھی صلعم کے ساتھ ہی ''ؐ'' کی علامت کو نہ لکھنے کا ذکر ہوا۔

مزید ملاحظہ ہو:

ص۷۹، فضائل درود شریف مؤلفہ جناب محمد زکریا کاندھلوی میں ہے: ''علما نے اس بات کو مستحب بتایا ہے کہ اگر تحریر میں بار بار نبی کریم ﷺ کا پاک نام آئے تو بار بار درود شریف لکھے اور پورا درود لکھے اور کاہلوں اور جاہلوں کی طرح سے صلعم وغیرہ الفاظ کے ساتھ اشارہ پر قناعت نہ کرے۔'' (مطبوعہ مکتبہ عارفین، کراچی)

محمد زکریا صاحب کے اس اقتباس سے بھی یہی واضح ہے کہ درود شریف کے لیے کسی اشارے پر قناعت نہیں کرنی چاہیے بلکہ پورا درود شریف لکھنا چاہیے چناں چہ اسی صفحے کے حاشیے میں ہے: ''لکھنے والوں کو چاہیے کہ حضور اکرم ﷺ کے نام مبارک کے ساتھ صرف صاد یا صلعم نہ لکھیں بلکہ پورا درود یعنی صلی اللہ علیہ وسلم لکھا کریں۔''

جناب محمد زکریا کاندھلوی اسی صفحے پر علامہ سخاوی کے حوالے سے لکھتے ہیں: ''علامہ سخاوی نے متعدد روایات سے یہ مضمون بھی نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن علماء حدیث

حاضر ہوں گے اور ان کے ہاتھوں میں دواتیں ہوں گی (جن سے وہ حدیث لکھتے تھے) اللہ جل شانہ حضرت جبریل سے فرمائیں گے کہ ان سے پوچھو یہ کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں۔ وہ عرض کریں گے کہ ہم حدیث لکھنے پڑھنے والے ہیں، وہاں سے ارشاد ہوگا، جاؤ جنت میں داخل ہوجاؤ، تم میرے نبی (ﷺ) پر کثرت سے درود بھیجتے تھے۔ علامہ نووی تقریب میں اور علامہ سیوطی اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ یہ ضروری ہے کہ درود شریف کی کتابت کا (یعنی درود شریف کے لکھنے کا) بھی اہتمام کیا جائے۔ جب بھی حضور اقدس ﷺ کا پاک نام گزرے اور اس کے بار بار لکھنے سے اکتاوے نہیں اس واسطے کہ اس میں بہت ہی زیادہ فوائد ہیں اور جس نے اس میں تساہل کیا بہت بڑی خیر سے محروم رہ گیا۔"

محترم وارثی صاحب بھی، امید ہے اس بات سے اتفاق کریں گے کہ صرف "ﷺ" کی علامت لکھنے لگانے سے یہی ظاہر ہوگا کہ ایسا کرنے والا پورا درود شریف نہیں لکھنا چاہتا، اگر وہ اپنی تحریر میں پورا درود شریف لکھنا کاغذ اور وقت کی بچت سمجھتا ہے تو یہ بچت اس کے حق میں کسی خیر کی نشان دہی نہیں کرتی بلکہ یہ تو اس کو سخت وعیدوں کا مستحق ٹھہراتی ہے اور جب خود وہ پورا درود نہیں لکھے گا تو تحریر پڑھنے والے سے یہ توقع بھی کیوں کرتا ہے کہ اس کے لیے صرف علامت "ﷺ" ہی پورا درود شریف پڑھنے کی تحریک ثابت ہوگی! علاوہ ازیں وارثی صاحب نے اس "ﷺ" کو درود شریف پڑھنے کی علامت کسی دلیل سے ثابت بھی نہیں کیا اور میری معلومات کے مطابق اس پر کوئی دلیل ہے بھی نہیں، اس لیے اس علامت "ﷺ" کو بھی صلعم کی طرح درست نہیں مانا جا سکتا۔

نعت رنگ شمارہ ۱۱ کے ص ۱۵ پر خود رشید وارثی صاحب لکھتے ہیں: "ہر مسلمان کو چاہیے کہ حضور نبی کریم ﷺ کے نام اقدس کے ساتھ پورا درود شریف پڑھے اور لکھے اور یہی ہمارے ائمہ سلف کی سنت رہی ہے۔"

جب وارثی صاحب خود لکھ رہے ہیں کہ پورا درود شریف ہر مسلمان کو لکھنا اور پڑھنا چاہیے پھر کسی علامت کا لگانا یا لکھنا وہ کیسے روا بتا رہے ہیں؟ زادالسعید کے حوالے سے جناب اشرف علی تھانوی کا وہ جملہ بھی وارثی صاحب نے ص ۱۶ پر نقل کیا ہے جس میں صرف "م" یا "صلعم" پر اکتفا نہ کرنے کا ذکر ہے، یوں اس "ﷺ" کی علامت کی بھی تائید انھیں نہیں ملی پھر جانے کیوں وہ اس کو علامت مان کر اسے درست قرار دے رہے ہیں؟

ص ۱۸ پر جناب رشید وارثی کی تحریر میں عنوان ہے ''درود شریف کا حکم۔'' وہ اس عنوان کے تحت لکھتے ہیں: ''سورہ الاحزاب کی ۵۶ ویں آیت میں نبی کریم ﷺ پر درود و سلام بھیجنے کا حکم آیا ہے۔'' محترم رشید وارثی صاحب خود فرما رہے ہیں کہ درود و سلام کا حکم ہے تو عنوان میں بھی وہ یہی لکھتے کہ ''درود و سلام کا حکم'' تاکہ پورے حکم کا بیان ہوتا۔ وہ لکھتے ہیں: ''۲ھ میں جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا، یارسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) آپ ہمیں تعلیم فرمادیں کہ ہم آپ پر کس طرح درود پڑھا کریں اور کس طرح سے سلام بھیجا کریں۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا، تم یوں کہا کرو (درود ابراہیم تعلیم فرمایا جو نمازوں میں پڑھا جاتا ہے۔)(بخاری شریف)''

صحیح البخاری (مطبوعہ نورمحمد اصح المطابع و کارخانہ تجارت کتب، آرام باغ، کراچی ۱۳۵۷ھ) جلد دوم کے ص ۷۰۸ پر اس روایت کے اصل الفاظ یوں ہیں: ''**عن کعب بن عجرۃ قیل یارسول اللّٰہ (ﷺ)! اما السلام علیک فقد عرفناہ فکیف الصلوۃ؟ قال قولوا: اللھم صلی علی محمد وال محمد کما صلیت علی ال ابراھیم انک حمید مجید، اللھم بارک علی محمد وال محمد کما بارکت علی ال ابراھیم انک حمید مجید۔**''

رشید وارثی صاحب نے جو ترجمہ فرمایا وہ درست نہیں، اگر رشید وارثی صاحب نے یہ حدیث اپنی یادداشت کے مطابق نقل کی ہے تو ایسے مرحلے پر یوں لکھ دیا یا کہہ دیا جاتا ہے: ''او کما قال'' (یا جیسا کہ فرمایا) یعنی حدیث کا بلفظہٖ ترجمہ کیا جائے تو اس میں اپنی طرف سے مضمون یا الفاظ کی تبدیلی روا نہیں۔ اگر رشید وارثی صاحب نے فضائل درود شریف کتاب ہی دیکھ لی ہوتی تو اس کے شروع ہی میں ص ۸ پر یہ حدیث درج ہے۔ ترجمہ یوں درست ہوگا۔ ''کہ آپ پر سلام کیسے بھیجنا ہے، یہ تو ہم نے جان لیا پھر درود کیسے بھیجیں۔'' تو رسول اللہ ﷺ نے درود کے الفاظ تعلیم فرمائے جو مذکور ہیں۔ اس درود شریف کو درود ابراہیمی کہا جاتا ہے اور یہ نماز میں پڑھا جاتا ہے۔ وارثی صاحب سے عرض کروں گا کہ آیت میں درود و سلام کا حکم ہے اور نمازی التحیات میں **السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہ** کے الفاظ سے سلام پیش کرتا ہے چوں کہ ان الفاظ میں درود شریف شامل نہیں اس لیے تشہد کے بعد درود

ابراہیمی کے الفاظ سے ہدیہ درود پیش کرتا ہے اور اس طرح نماز میں درود و سلام کے حکم کی تعمیل پوری ہوتی ہے۔

وہ لوگ جو ہر جگہ صرف درود ابراہیمی ہی پڑھنے کو درود شریف شمار کرتے ہیں اور دیگر صحیح درودوں کو نادرست قرار دیتے ہیں، ان سے پوچھنا چاہوں گا کہ اگر صرف درود ابراہیمی ہی ہر جگہ پڑھنا چاہیے تو ''وسلموا تسلیما'' کے الفاظ کی تعمیل اس درود ابراہیمی کے پڑھنے سے کس طرح ہوگی؟ اگر ان لوگوں کے نزدیک درود ابراہیمی کے سوا کوئی درود ہرگز درست نہیں تو ''صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کہنے لکھنے کے بارے میں وہ لوگ کیا فرمائیں گے؟ کیا یہ لوگ نبی کریم ﷺ کا ذکر مبارک کرتے لکھتے وقت صرف درود ابراہیمی ہی پڑھتے لکھتے ہیں؟

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ صرف درود شریف کا ذکر ہو تو درود ابراہیمی افضل ہے لیکن ارشاد ربانی میں درود کے ساتھ سلام کا حکم تو تاکید کے ساتھ بیان ہوا ہے اور نماز میں چوں کہ نمازی سلام کا ہدیہ (انشاء و ارادے کے ساتھ) پیش کر چکا ہوتا ہے تو اس کے بعد درود ابراہیمی پڑھتا ہے۔ نماز کے سوا جب کبھی نبی پاک ﷺ پر درود و سلام بھیجا جائے تو اس میں ارشاد ربانی کے مطابق پورا عمل ہونا چاہیے۔

گزشتہ صدی عیسوی کی چھٹی دہائی کے شروع میں کراچی شہر میں ایک گروہ نے یہ مشہور کیا تھا کہ ایک درود ابراہیمی ہے اور ایک درود اوکاڑوی ہے۔ میرے والد صاحب قبلہ علیہ الرحمہ ہر فرض نماز کے بعد، اذان سے قبل اور بعد اور اپنی تقریر کے شروع میں خطبۂ مسنونہ کے بعد ان الفاظ سے درود و سلام کا ہدیہ پیش فرمایا کرتے تھے: الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ. وعلی آلک واصحابہ یاحبیب اللہ. اس درود و سلام کو درود اوکاڑوی کا نام دیا گیا۔ اس کو میں اپنے ابا جان قبلہ علیہ الرحمہ کے لیے اعزاز جانتا ہوں کہ اس درود شریف پر ان کے نام اور نسبت کو پکارا گیا۔

اعتراض کرنے والوں اور معترضین کے حامیوں کو بڑی مشکل پیش آئی جب محمد زکریا صاحب کاندھلوی کی کتاب ''فضائل درود شریف'' شائع ہوئی اور اس میں انھوں نے لکھا: ''بندے کے خیال میں اگر ہر جگہ درود و سلام دونوں کو جمع کیا جائے تو زیادہ بہتر ہے یعنی بجائے السلام علیک یارسول اللہ، السلام علیک یا نبی اللہ وغیرہ کے الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ، الصلوٰۃ والسلام علیک یانبی اللہ اسی طرح آخیر تک

السلام کے ساتھ الصلوٰۃ کا لفظ بھی بڑھاوے تو زیادہ اچھا ہے۔"
(ص۲۲، فضائل درود شریف، مطبوعہ مکتبہ عارفین، پاکستان چوک، کراچی)

محترم وارثی صاحب مزید ملاحظہ فرمائیں۔ القول البدیع میں ص۳۵ پر امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: اقبل رجل حتی جلس بین یدی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ونحن عندہ فقال یارسول اللّٰہ(صلی اللہ علیک وسلم) اما السلام علیک فقد عرفناہ فکیف نصلی علیک اذا نحن صلینا فی صلاتنا صلی اللّٰہ علیک قال فصمت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم حتی احببنا ان الرجل لم یسئالہ فقال اذا انتم صلیتم فقولوا اللھم صلی علی محمد النبی الامی و علی آل محمد کما صلیت علی ابراھیم وعلیٰ آل ابراھیم وبارک علی محمد النبی الامی وعلی آل محمد کما بارکت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم انک حمید مجید..."
(مطبوعہ مطبعۃ الانصاف، بیروت، ۱۳۸۳ھ)

ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، گارڈن کراچی والوں نے "القول البدیع" کا اردو ترجمہ" کے نام سے جو کتاب شائع کی اس میں اس روایت کا ترجمہ مکمل شائع نہیں کیا اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ پوری کتاب کے ترجمے کے نام پر صرف خلاصہ شائع کیا گیا ہے۔

اس روایت کا ترجمہ کچھ یوں ہے: ہم رسول کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر تھے کہ ایک شخص آکر رسول پاک ﷺ کے سامنے بیٹھ گیا، پھر (اس شخص نے) کہا، یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) آپ پر سلام بھیجنے کا (طریقہ) تو ہمیں معلوم ہو چکا، پھر ہم کیسے درود بھیجیں آپ پر جب کہ ہم اپنی نمازیں ادا کر رہے ہوتے ہیں یعنی نماز میں آپ پر کس طرح درود بھیجیں؟ کہا کہ رسول کریم ﷺ خاموش رہے یہاں تک کہ ہم نے چاہا کاش یہ شخص، رسول پاک ﷺ سے سوال ہی نہ کرتا۔ پھر نبی پاک ﷺ نے فرمایا جب تم درود بھیجنا چاہو تو کہا کرو (اس کے بعد وہ الفاظ ہیں درود ابراہیمی کے جو رسول پاک ﷺ نے تعلیم فرمائے) اس کو ترمذی نے صحیح کہا۔ ابن خزیمہ اور حاکم نے صحیح کہا۔ امام احمد نے، ابن حبان نے اپنی صحیح میں، دارقطنی اور بیہقی نے اپنے سنن میں روایت کیا۔ دارقطنی نے کہا اس کی سند حسن متصل ہے۔ بیہقی نے کہا اس کی سند صحیح ہے۔

اس روایت سے بھی ثابت ہوا کہ درود ابراہیمی نماز میں پڑھنے کے لیے خاص

ہے۔ جی تو چاہتا ہے کہ درود و سلام ہی کے موضوع پر بہت کچھ لکھوں، یہ میرے محبوب کریم ﷺ کی وہ خصوصیت ہے جس سے ان کی عظمت و رفعت واضح ہے اور یہ وہ ربانی وظیفہ ہے جس کا ورد اہل ایمان کو محبوب ہے۔ زندگی اور مقدرت نے وفا کی تو انشاء اللہ ایک کتاب اس موضوع پر ہدیہ کروں گا۔ وارثی صاحب کی تحریر کے حوالے سے یہ بات ضرور لکھنا چاہتا ہوں، وہ نعت رنگ شمارہ۱۱ کے ص۲۰ پر فرماتے ہیں: ''تو جب نماز اور دعا جیسی عبادت بغیر درود و سلام کے قبول نہیں ہوتی تو توصیف محبوب کردگار جیسے اعمال جن کا مدار ہی حضور اکرم ﷺ کے ادب و تعظیم اور عشق و محبت پر ہے، کیسے شرف ایجاب کو پہنچ سکتے ہیں۔''

اس جملے پر میری فہم رسا نہیں ہوئی یا وارثی صاحب اپنے مافی الضمیر کے بیان میں اس سقم کو محسوس نہیں کر سکے جو میری فہم کے لیے مسئلہ ہوگیا۔ شاید وارثی صاحب یہ کہنا چاہتے تھے کہ نعت نگاروں کو بھی درود و سلام لکھے اور پڑھے بغیر شرف ایجاب حاصل نہیں ہوسکتا لیکن وہ یہ بات اپنے بیانیے میں واضح نہ کرسکے یعنی کچھ للفظ رہ گئے جن کی وجہ سے مفہوم واضح نہیں ہوا۔ جملہ یوں ہونا چاہیے تھا: جب نماز اور دعا جیسی عبادت بغیر درود و سلام کے قبول نہیں ہوتی تو توصیف محبوب کردگار جیسے اعمال جن کا مدار ہی حضور اکرم ﷺ کے ادب و تعظیم اور عشق و محبت پر ہے، بغیر درود و سلام کے کیسے شرف ایجاب کو پہنچ سکتے ہیں۔

ص۲۱ پر وارثی صاحب لکھتے ہیں: ''لیکن حسنات الابرار سیئات المقربین کے مصداق جن خوش نصیبوں کو مقام قرب پر فائز کیا گیا ہے، ان کے لیے اس حکم استحباب پر اکتفا کرنا مناسب نہیں ان کو ذوق و شوق کے ساتھ ہر بار درود شریف پڑھنا اور لکھنا چاہیے۔'' اس بیان میں یہ جملہ بھی مجھے محل نظر لگا۔ ''لیکن حسنات الابرار سیئات المقربین کے مصداق جن خوش نصیبوں کو مقام قرب پر فائز کیا گیا ہے۔'' میری دانست میں اس جملے کی لفظی نشست و ترتیب بدلی جائے تو مفہوم واضح ہوگا۔ وہ لوگ جنھیں مدح رسول ﷺ کی بہ دولت مقام قرب نصیب ہوا ہے، ان خوش نصیبوں کو کچھ زیادہ ذوق و شوق سے درود و سلام لکھنا پڑھنا چاہیے کیوں کہ مقربین کا معاملہ زیادہ نازک ہے، ایسے ہی مرحلے پر کہا جاتا ہے: حسنات الابرار سیئات المقربین۔

نعت رنگ رنگ شمارا۱۱ میں ص۲۲ سے جناب پروفیسر محمد اکرم رضا کی تحریر بہ عنوان ''نعت اور احترام بارگاہ رسالت مآب ﷺ'' شروع ہوتی ہے۔

پروفیسر محمد اکرم رضا صاحب نے بڑی محنت کی، ان کی تحریر ص ۲۲ سے ص ۱۰۰ تک پھیلی ہوئی ہے۔ انھوں نے حب رسول (ﷺ) اور احترام رسول (ﷺ) کے بیان میں اپنے جذبات و احساسات کا خوب اظہار کیا لیکن ان کی تحریر میں کچھ جملے معترضہ ہیں اور کچھ قابل اصلاح ہیں۔ وہ لکھتے ہیں: ''جس کا زمانہ پانے کی تمام انبیا آرزو کرتے رہے ہوں۔'' (ص۲۳) میری معلومات کے مطابق تمام انبیائے کرام علیہم السلام کے اسمائے گرامی اور تذکار کسی کتاب میں ہمیں نہیں ملتے۔ اس لیے یہ بیان ''تمام انبیا'' کے حوالے سے نہیں کیا جانا چاہیے، جن انبیائے کرام علیہم السلام نے رسول کریم ﷺ کے اُمتی ہونے کی تمنا ظاہر کی انھی کے حوالے سے بات کی جاتی۔ وہ لکھتے ہیں: ''فرشتے خدا کی تقلید میں جس پر ہر آن سلام کہنا اپنا اعزاز جانتے ہوں۔'' اس جملے میں تقلید اور سلام کے الفاظ محل نظر ہیں۔ آیت قرآنی ہے: ان اللّٰہ وملائکتہ یصلون علی النبی۔ (ﷺ)

وہ لکھتے ہیں: ''جس کے اطوار حیات اور انداز گفتار سے قرآن ترتیب پاتا ہو۔'' یہ جملہ یوں درست ہوتا: قرآن کی ترتیب جس کے اطوار حیات اور انداز گفتار کو بیان کرتی ہو۔ ص۲۴ پر وہ ''شاہد'' کا ترجمہ احوال بتانے والا، لکھتے ہیں، یہ لفظی ترجمہ نہیں ہے۔

ص ۲۸ پر انھوں نے لکھا ہے کہ: ''غرض یہ کہ کہاں تک بیان کیا جائے، قرآن حکیم مکمل طور پر نعت مصطفیٰ ﷺ کا درجہ رکھتا ہے۔'' اس جملے میں ''درجہ رکھتا'' کے الفاظ زائد اور نادرست ہیں۔ اسی صفحے کی آخری سطر میں وہ لکھتے ہیں: ''اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تو ورفعنا لک ذکرک کے مصداق ہیں۔'' (ص۲۸) اس جملے میں لفظ ''مصداق'' اور معنی بھی دیتا ہے۔ یہ جملہ یوں بیان ہوتا کہ ''اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں ہے ورفعنالک ذکرک۔'' ص۲۹ پر ہے: ''حیات ظاہری ہو یا حیات باطنی...'' اور اسی صفحے پر نبی کریم ﷺ کے لیے ''آسودۂ لحد'' کے الفاظ بھی ہیں۔ حیات باطنی سے مراد کوئی قاری کہیں برزخی حیات نہ لے لے، رسول کریم ﷺ جسمانی حقیقی حیات کے ساتھ زندہ ہیں، باطنی سے مراد صرف ہماری نگاہوں سے چھپ جانا ہے اور ان کی لحد مبارک یعنی زمین کا وہ ٹکڑا جو رسول کریم ﷺ کے مقدس و مطہر جسد مبارک سے لگا ہوا ہے وہ عرش اعلیٰ سے بھی افضل ہے۔ جناب محمد قاسم نانوتوی اور جناب اشرف علی تھانوی کی تحریروں میں بھی اس کی تائید موجود ہے، چناں چہ ملاحظہ ہو: ''مرقد انور کا وہ حصہ جسے نبوت کبریٰ کی خواب گاہ ہونے کا شرف حاصل

ہوا، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا جاتا ہے کہ العرش العظیم سے اس کو افضل قرار دیتے تھے، تفصیلات کے لیے شروح مؤطا وغیرہ۔'' (حاشیہ ص۵۳/۱، سوانح قاسمی، مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور) جناب اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں: ''وہ بقعہ جس سے جسم مبارک خصوص مع الروح مس کیے ہوئے ہے، عرش سے بھی افضل ہے کیوں کہ عرش پر معاذاللہ حق تعالیٰ شانہ بیٹھے ہوئے ہوتے تو بے شک وہ جگہ سب سے افضل ہوتی مگر خداتعالیٰ مکان سے پاک ہیں اس لیے عرش کو مستقر خداوندی نہیں کیا جاسکتا... تو عرش کو محل استقرار حق کی وجہ سے فضیلت نہیں ہے کہ بقعہ شریفہ سے وہ افضل ہوتا بلکہ اس کو صرف اس وجہ سے اماکن پر فضیلت ہے کہ وہ ایک تجلی گاہ ہے اور ظاہر ہے کہ حضورﷺ سے زیادہ کون تجلی گاہ الٰہی ہوگا۔ پس اس حیثیت کے اثر سے بھی بقعہ شریفہ خالی نہ رہا۔ اس لیے ہر طرح وہ جگہ جہاں حضورﷺ تشریف فرما ہیں سب سے زیادہ اشرف ہوئی کیوں کہ تجلیات حق بواسطہ رسول اللہﷺ اس جگہ تمام اماکن سے زیادہ فائض ہوتے ہیں۔ بہرحال اس مسئلے میں تمام علما کا اتفاق ہے۔ یہ تو ایک مقدمہ تھا کہ بقعہ شریفہ و قبر شریف تمام اماکن سے افضل ہے۔''

(ص۴۰۵، مواعظ میلادالنبیﷺ، مطبوعہ المکتبۃ الاشرفیہ، لاہور)

پروفیسر محمد اکرم رضا صاحب نے ص۳۰ پر ''درے'' کا لفظ لکھا ہے اور اس پر اعراب لگے ہوئے ہیں یعنی ''د'' پر پیش اور ''ر'' پر تشدید ہے۔ اس بارے میں خود مجھ پر بھی یہ انکشاف کچھ برس پہلے ہی ہوا کہ اس لفظ میں ''د'' پر پیش نہیں بلکہ ''د'' کے نیچے زیر ہے۔ چناں چہ لغات سے تصدیق ہوئی۔ اسے ''درے'' پڑھا لکھا جائے۔

ص ۳۱ پر پروفیسر صاحب لکھتے ہیں: ''ان صوفیا کا محبوب یا تو ذات باری تعالیٰ تھی یاذات مصطفیٰﷺ۔'' پروفیسر صاحب نے توجہ نہیں فرمائی، میرے نبی پاکﷺ کی محبت بھی اللہ تعالیٰ جل شانہ ہی کی محبت ہے۔ رسول کریمﷺ کی محبت اللہ تعالیٰ جل شانہ ہی کی وجہ سے ہے کہ وہ رب تعالیٰ کے محبوب کریم، رسول کریم اور عبد مقدسﷺ ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ کریم جلت عظمتہ نے ان کی اطاعت کو اپنی اطاعت، ان کی بیعت کو اپنی بیعت فرمایا ہے بلکہ ان کی غلامی اور پیروی کرنے والے کے لیے محبوب الٰہی ہوجانے کی نوید بیان کی ہے۔ اس محبت میں غیریت نہیں ہے۔

ص ۳۲ پر پروفیسر محمد اکرم رضا نے لکھا ہے: ''تو، تیرا اور تجھ کی تکرار بھی معمول

بن رہی ہے۔ اعتراض کیا جاتا ہے تو وہ جواب میں متقدمین کی بعض نعتوں کے حوالے دیتے ہیں۔ جن متقدمین کی بعض نعتوں کی آڑ لی جاتی ہے وہ تو عشق مصطفوی ﷺ کی روشن تصویر تھے... لیکن ان کے مقابلے میں ہم کہاں کھڑے ہوئے ہیں؟... نعت کہتے ہوئے جب شاعر اپنے ممدوح کی آفاقی و ابدی عظمت و سربلندی کا تصور کرتا ہے تو اس کے لیے تو، تیرا، تجھ جیسے الفاظ کا استعمال ممکن ہی نہیں رہتا۔"

اس اقتباس کے کچھ جملے میں نے نہیں لکھے وہ ان شاء اللہ بعد میں نقل کروں گا پہلے اس باب میں عرض کروں کہ مجھے ان تمام اہل علم وقلم کی (جو تو، تیرا، تجھ جیسے الفاظ رسول کریم ﷺ کے لیے استعمال کرنا پسند نہیں کرتے) یہ سوچ بھلی لگتی ہے کیوں کہ وہ اسے عظمت رسول ﷺ کا خیال کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں، مگر اسے کیا کہوں کہ ان الفاظ کے سوا وہ باقی الفاظ اور خیالات میں زبان کا وہی استعمال روا جانتے ہیں جو رائج ہے۔ "آپ" کا لفظ صرف اردو داں طبقے میں مستعمل ہے حالاں کہ افریکانز اور ڈچ زبان میں یہی لفظ "آپ" ایک جان ور کے لیے ہے۔ عربی میں "انت" فارسی میں تو، ترا، شما اور انگریزی میں you ہے، صرف بیان کا قرینہ، سلیقہ اور انداز واضح کرتا ہے کہ بات تکریم سے کی جارہی ہے یا توہین وتحقیر سے۔ اردو زبان میں اس ایک لفظ کا استعمال صرف تخاطب تک محدود نہیں، اردو کی لغات میں اس لفظ کے آگے کئی معانی و مفاہیم درج ہیں۔ اہل زبان اور اہل علم ہی بتائیں کہ اس مرحلے پر کیا کیا جائے؟ بلاشبہ کوئی مومن نہیں چاہے گا کہ اس سے کوئی ایسا لفظ سرزد ہو جو بارگاہ رسالت کے آداب اور ذات رسالت مآب ﷺ کی تعظیم و توقیر کے منافی ہو۔ وہ متقدمین جو عشق مصطفوی کی روشن تصویر تھے، کیا وہ اس بات کی اہمیت اور اس راہ کی کٹھنائیوں سے آگاہ نہیں تھے؟ ایک عام شخص پوچھتا ہے کہ تخاطب میں یہی لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے بلاخوف اور بلاجھجک کہے جارہے ہیں کیا یہ بارگاہ ایزدی کے لیے روا ہیں؟ کوئی یہ کہتا ہے کہ یہ تو قرب اور پیار ظاہر کرتے ہیں، ان میں توہین وتحقیر کا شائبہ بھی نہیں۔ کوئی یہ کہتا ہے کہ یہ صرف اردو ہی کا مسئلہ ہے، کسی اور زبان کا کیوں نہیں؟ ان زبانوں میں جو لفظ تخاطب کا ہے وہ سب کے لیے ایک ہی ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ صرف تخاطب ہی نہیں بیان میں بھی یہ مسئلہ ہے، صیغہ واحد کو وہ ادب و تعظیم کے خلاف بتاتا ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ اہل ایمان میں عربی کے سوا کوئی زبان مروج ہی نہیں ہونی چاہیے تاکہ ایسی مشکلات کا تصور بھی نہ رہے۔

پروفیسر محمد اکرم رضا صاحب اور وہ تمام لوگ جو ''تو، تیرا، تجھ'' کے الفاظ کا استعمال ناممکن بتا رہے ہیں وہ اس کا حل بھی بتائیں اور صیغہ واحد کے حوالے سے اور بیانیے میں دیگر مشکلات کا جواب بھی دیں۔ ان لوگوں کو معلوم ہوگا کہ قرآن نے ''راعنا'' کہنے سے منع کیا تو ''انظرنا'' کا لفظ بیان کر کے حل بھی بتایا ہے۔

پروفیسر صاحب لکھتے ہیں: ''جو شان ہم محبوبان مجازی کو نقطہ کے روپ میں عطا کرتے ہیں اور جس طرح انھیں مخاطب کرتے ہیں اگر یہ تخاطب نعت کہتے ہوئے بھی روا رکھا جائے تو یہ نعت کے اس پاکیزہ اسلوب سے بغاوت ہوگی جو صدیوں سے احترام و عقیدت کی خوش بو سے اصحاب نظر کو نعت کہنے کا حوصلہ بخش رہا ہے۔'' (ص۳۲)

پروفیسر صاحب کے یہی وہ جملے ہیں جنھیں بعد میں لکھنے کا ذکر کر چکا ہوں۔ پروفیسر صاحب نے جنھیں محبوبان مجازی فرمایا ان کے لیے واضح فرمادیا کہ انھیں شعرا ہی شان عطا کرتے ہیں ورنہ ان محبوبان مجازی میں خود وہ شان نہیں ہوتی۔ خیر، یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا مگر مجھے یہی واضح کرنا ہے کہ پروفیسر صاحب خود تسلیم کر رہے ہیں کہ متقدمین صدیوں سے جو نعت شریف کہتے آ رہے ہیں وہ پاکیزہ اسلوب اور احترام و عقیدت کی خوش بو رکھتی ہے، پروفیسر صاحب سے یہی عرض کروں گا کہ وہ یہی تلقین فرمائیں کہ اسی احترام و عقیدت کی خوشبو سے مملو ہو کر اسی پاکیزہ اسلوب میں نعت گوئی جاری رکھی جائے۔

پروفیسر صاحب لکھتے ہیں: ''اس لیے شاعر تمام تر خطرات و خدشات سے دامن بچاتے ہوئے ادب و احترام اور عجز و نیاز کو اپنا وسیلۂ اظہار بنائے رکھتا ہے کیوں کہ اسے یقین ہوتا ہے کہ اس کی خطائیں بھی رحمت طلبی کا بہانہ بن جائیں گی اور اس کی مستانہ وار لغزشیں بھی عشق و سرمستی کے نام پر مقبول بارگاہ نبوت ٹھہریں گی۔'' (ص۳۵) اس اقتباس میں ''مستانہ وار لغزشوں'' کے حوالے سے میری فہم نے پروفیسر صاحب کے مدعا کو نہیں پایا۔ ''با مصطفیٰ (ﷺ) ہشیار باش'' کا فرمودہ ذہن میں ہے، پروفیسر صاحب وضاحت فرمائیں تو معلوم ہو کہ عشق رسول ﷺ کی سرشاری میں کسی لغزش مستانہ سے ان کی مراد کیا ہے اور اس کی کیا گنجائش ہے؟ جب کہ ص۲۴ پر وہ خود ان آیات قرآنی کو بیان کر چکے ہیں جن میں بارگاہ مصطفوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے آداب خود خالق مصطفیٰ جل وعلا نے تعلیم فرمائے ہیں۔

نعت رنگ شمارہ۱۱ کے ص۱۰۱ سے جناب ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتح پوری کی تحریر

شروع ہوتی ہے، جس کا عنوان ہے، "نعت کے موضوعات۔"

ص۱۰۳ پر وہ لکھتے ہیں: "کُل سر سبد کائنات، صاحب قاب قوسین، شہ لولاک لما خلقت الافلاک، افضل خلائق خداوندی نبیٔ رحمت ﷺ سے متعلق کہی گئی ہر بات نعت ہے، بشرط یہ کہ وہ شاعرانہ لباس میں پیش کی گئی ہو... یہی وہ کارِ خیر ہے جس میں خالق و مخلوق، رب و مربوب اور عبد و معبود باہم شریک و سہیم ہیں... ("اس کے درود" کے معنی تعریف و توصیف کرنے کے لکھ کر وہ ص۱۰۴ پر فرماتے ہیں) ان دونوں اقتباسات سے یہ حقیقت عیاں ہوجاتی ہے کہ علمائے سلف بھی "الصلوٰۃ" کو نعت کے معنی میں استعمال کرتے تھے... (ص۱۰۴ پر مزید لکھتے ہیں) معروضات ماسبق سے یہ بات واضح ہے کہ سب سے پہلی نعت گو شخصیت اللہ الباقی لم یزل ولایزال کی ہے... یہاں پر اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ نعت وصف محمود کو کہتے ہیں... (اور دیلمی کی مسند الفردوس سے حدیث نقل کرتے ہوئے بھی انھوں نے الصلوٰۃ کے لفظ کا ترجمہ "نعت" کے لفظ سے کیا ہے)۔" (ص۱۰۵)

ڈاکٹر آزاد صاحب نے پہلے یہ لکھا کہ نبی کریم ﷺ سے متعلق کہی گئی ہر بات نعت ہے اور ساتھ ہی اس کے لیے شاعرانہ لباس کی شرط بھی بیان کردی پھر فرمایا کہ علمائے سلف "الصلوٰۃ" کو نعت کے معنوں میں استعمال کرتے تھے اور خود بھی ایک حدیث شریف کا ترجمہ کرتے ہوئے الصلوٰۃ کا ترجمہ نعت کیا، یوں وہ شاعرانہ لباس کی شرط کو خود ہی فراموش کر گئے گویا یہ تسلیم کرلیا کہ نعت کے لیے شاعرانہ لباس کی شرط درست نہیں۔

نعت میں انھوں نے عبد و معبود کو باہم شریک و سہیم بھی فرمایا اور اللہ تعالیٰ کے لیے "شخصیت" کا لفظ بھی ان سے سرزد ہوا۔

ڈاکٹر آزاد صاحب ہی نہیں، فضائل درود شریف کتاب میں جناب محمد زکریا کاندھلوی بھی لکھتے ہیں: "اس سے بڑھ کر اور کیا فضیلت ہوگی کہ اس عمل میں اللہ اور اس کے فرشتوں کے ساتھ مومنین کی شرکت ہے... یہ اعزاز و اکرام جو اللہ جل شانہ نے حضور (ﷺ) کو عطا فرمایا ہے اس اعزاز سے بہت بڑھا ہوا ہے جو حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرشتوں سے سجدہ کراکر عطا فرمایا تھا اس لیے کہ حضور اقدس ﷺ کے اس اعزاز واکرام میں اللہ جل شانہ خود بھی شریک ہیں۔"

(ص۶، ۷ فضائل درود شریف، مطبوعہ مکتبہ عارفین، کراچی)

جناب امین راحت چغتائی، جناب ڈاکٹر یحییٰ نشیط، جناب ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی وغیرھم اس بارے میں ارشاد فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک کو شخصیت اور باہم شریک و سہیم کہنا لکھنا اور ماننا روا ہے یا نہیں؟ یہ فقیر ان لوگوں کی رائے آنے تک لب کشائی یا خامہ فرسائی اس بارے میں نہیں کرے گا تاکہ واضح ہوجائے کہ اس فقیر کی تحریر پر محض مسلکی اجارہ داری کی چھاپ کا بیان کہاں تک درست ہے؟ بلاشبہ یہ فقیر مسلک حق اہل سنت وجماعت ہی کا پابند ہے اور اس کے سوا کسی مسلک کو حق نہیں جانتا اور عقائد کی بنیاد کسی کے قول پر نہیں، قرآن و حدیث پر ہے۔ مذکورہ افراد لفظی و عملی یا لغوی و معنوی اشتراک واضح کرتے ہوئے اپنے عقائد سے متعلق تحریریں فراموش نہ کریں تاکہ حقائق واضح ہوں۔

جناب ڈاکٹر آزاد لکھتے ہیں: ''اسلام میں میلاد کا رواج چوتھی صدی ہجری سے ہوا۔'' (ص ۱۰۷)

ڈاکٹر آزاد صاحب نے اس بیان کے ساتھ کوئی حوالہ نقل نہیں کیا جب کہ سات آٹھ سطریں پہلے وہ لکھ چکے ہیں کہ: ''محفل میلاد، محفل ذکر ولادت رسول (ﷺ) وہ محفل جس میں نظماً یا نثراً رسول خدا (ﷺ) کے فضائل اور ان کا ذکر ولادت ہو۔'' (یہ بات انھوں نے مہذب لکھنوی کے حوالے سے لکھی ہے)۔ (ص ۱۰۷)

ڈاکٹر آزاد صاحب ملاحظہ فرمائیں: الدرالمنظم فی بیان حکم مولد النبی الاعظم (ﷺ) شیخ الدلائل مولانا شیخ عبدالحق محدث الٰہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ہے جو انھوں نے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد کی تعمیل کرتے ہوئے لکھی۔ چناں چہ حضرت حاجی صاحب لکھتے ہیں: ''مؤلف علامہ جامع الشریعۃ والطریقۃ نے جو کچھ رسالہ الدرالمنظم فی بیان حکم مولدالنبی الاعظم (ﷺ) میں تحریر کیا وہ عین صواب ہے۔ فقیر کا بھی یہ ہی اعتقاد ہے۔'' (ص ۱۴۶، الدرالمنظم) حضرت مولانا شاہ ابوالخیر فاروقی نقش بندی، جناب مولوی رحمت اللہ مہاجر مکی، جناب سید حمزہ شاگرد جناب رشید احمد گنگوہی، جناب عبداللہ داماد جناب محمد قاسم نانوتوی کی اس پر تعریفی اور تائیدی تقاریظ موجود ہیں، جناب اشرف علی تھانوی نے نشرالطیب میں اس کے اقتباس اور حوالے شامل کیے۔ ۱۳۰۷ ہجری میں یہ لکھی گئی تھی، اس کتاب کے ص ۹۵ پر وہ لکھتے ہیں: ''عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما انہ کان یحدث ذات یوم فی بیتہ وقائع ولادت صلی اللہ علیہ وسلم بقوم

فیستبشر ویحمدون اللّٰہ ویصلون علیہ علیہ السلام فاذا جاء النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال حلت لکم شفاعتی...''

حاشیہ میں ترجمہ یوں لکھا ہے: ''ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ بیان کررہے تھے اپنے گھر میں واقعات ولادت باسعادت حضرتﷺ کے اپنی قوم میں پس خوش ہوتے تھے وہ اپنی قوم میں اور اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے تھے اور درود شریف پڑھتے تھے، ناگاہ تشریف لائے رسول اللہﷺ اور فرمایا تمھارے واسطے میری شفاعت حلال ہوگئی۔ دوسری روایت کا ترجمہ یوں درج ہے: اور ابودرداء سے روایت ہے کہ وہ ساتھ حضرتﷺ کے عامرانصاری کے مکان پر تشریف لے گئے اور وہ اپنے گھر میں اپنی قوم اور اولاد کو واقعات ولادت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم کررہے تھے اور کہتے تھے، آج کا دن ہے، آج کا دن ہے، حضرتﷺ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے تیرے واسطے کھولے ہیں دروازے رحمت کے اور کل ملائکہ تیرے واسطے استغفار کرتے ہیں۔'' (یہ کتاب الدرالمنظم عکسی، دوبارہ طبع ہوچکی ہے۔ مکتبہ حضرت میاں صاحب، شرق پور شریف، ضلع شیخوپورہ سے دستیاب ہے۔)

اس کتاب میں علمائے عرب وعجم کی تحریریں شامل ہیں جو میلاد شریف منانے کے بارے میں ہیں اور ص۱۰۵ پر جناب اسماعیل دہلوی کا فتویٰ بھی موجود ہے۔ شیخ الدلائل نے دو روایات نقل فرماکر بتا دیا کہ اصحاب نبوی علیہم الرضوان سے بھی محافل میلاد کا انعقاد ثابت ہے۔ مزید تفصیل کے لیے میری کتاب ''اسلام کی پہلی عید'' ملاحظہ فرمائیں۔ ڈاکٹر آزاد لکھتے ہیں: ''مولود پر سب سے پہلی کتاب ابو الخطاب عمر ابن حسن بن دحیہ کلبی اندلسی کی ہے۔'' (ص ۱۰۷) شیخ الدلائل مولانا عبدالحق محدث الہٰ بادی نے مذکورہ روایات بھی اسی کتاب سے نقل کی ہیں۔ ڈاکٹر آزاد صاحب نے یہ کتاب شاید پڑھی دیکھی نہیں ہوگی ورنہ ان روایات کا وہ بھی تذکرہ کرتے۔ میری معلومات کے مطابق اس موضوع پر پہلی مستقل کتاب امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کی بتائی جاتی ہے جو دوسری صدی ہجری میں ہوئے، اس کا تذکرہ میں نے پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب کی کسی تحریر میں بھی دیکھا ہے، یہ کتاب بیروت سے طبع ہوئی تھی۔

ڈاکٹر آزاد صاحب لکھتے ہیں: ''اردو ادب میں ایسے شعرا کی تعداد اچھی خاصی ہے، جنھوں نے اپنی شعری کاوشات کا ہدف میلاد نبی کو بنایا۔'' (ص ۱۰۷)

"ہدف" کا لفظ یہاں نادرست لگا، موضوعات کے حوالے سے بات کی جا رہی تھی تو لفظ موضوع ہی یہاں مناسب تھا۔

ڈاکٹر آزاد صاحب نے ص۱۰۸ اور ۱۰۹ پر نور ناموں اور معراج ناموں کے بیان میں اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر نہیں کیا، مجھے شبہ ہوا کہ انھوں نے نعت رنگ کے پانچویں شمارے میں مطبوعہ ڈاکٹر یحییٰ نشیط ہی کے جملے بلکہ پورے اقتباس نقل کیے ہیں۔ ڈاکٹر یحییٰ نشیط نے بھی نورناموں اور معراج ناموں میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی منظومات کا ذکر نہیں کیا تھا۔ اس طرح اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ سے ان لوگوں کا تعصب اور عناد مترشح ہوتا ہے، یہی نہیں بلکہ آزاد صاحب نے "سلام نگاری" کے عنوان سے ص۱۱۴ پر ہندو شاعر کا نام لکھنا تو گوارا کرلیا لیکن دنیا بھر کی محافل میلاد میں کثرت سے پڑھا جانے والا سلام لکھنے والی عاشق رسول ہستی اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کا نام نہیں لکھا اور جناب اکبر وارثی کا ذکر بھی نہیں کیا۔ جن کے لکھے ہوئے سلام مقبول ہیں، ان کا ذکر تک نہیں اور جن لوگوں کے لکھے ہوئے سلام سے عوام واقف تک نہیں ان کا ذکر ضرور آزاد صاحب نے کیا ہے، اسے بددیانتی ہی کہا جائے گا۔

ص۱۱۲ پر "صلی علیہ الینا" کا ترجمہ آزاد صاحب نے یوں کیا ہے: "ہمارا خدا آپ پر درود بھیجے۔" یہاں یہی عرض کروں گا کہ یا تو وہ ناقل ہیں یا پھر وہ اتنے "فاضل" ہیں کہ کیا کہنے۔

ص۱۰۸ پر ایک عربی شعر کے ترجمے میں بھی ان کی عربی دانی کے "جوہر" واضح ہیں۔ ص۱۱۴ پر وہ لکھتے ہیں: "ہندوستان آکر مذہب اسلام یہاں کی مقامی تہذیب اور مقامی رسوم و رواج سے کافی حد تک متاثر ہوا۔" پی ایچ ڈی کیا ہوا شخص مذہب کے متاثر ہونے کی بات لکھے تو تعجب ہی نہیں تأسف کا مرحلہ ہے۔ ص۱۱۵ پر جناب آزاد نے وہی معترضہ شعر پھر تحریر کیے ہیں جن کی ابتدا ہی سے تمام اہل علم تردید کرتے آئے ہیں اور اہل ایمان نے ایسی باتوں سے برأت بارہا بیان کی اس کے باوجود انھی اشعار کو دہرانا یہی واضح کرتا ہے کہ معترضین کو تحقیق اور حقائق نگاری سے کوئی واسطہ نہیں۔ کوئی سچا مسلمان کلمہ طیبہ کے دوسرے جزو کو پہلے جزو میں مدغم کرکے مخلوق کو خالق کہنا ماننا جانتا نہیں۔ خالق و مخلوق کو کسی کام میں باہم شریک و سہیم اور اللہ تعالیٰ کو "شخصیت" لکھنے والے خود ڈاکٹر آزاد صاحب پوری

ذمے داری سے بتائیں کہ کس عالم دین نے ان معترضہ اشعار کی تائید کی ہے؟ کیا ڈاکٹر آزاد صاحب ان معترضہ اشعار کے بارے میں علمائے دین کی طرف سے تردید کے بارے میں واقعی بے خبر ہیں؟ اگر نہیں تو انھیں چاہیے تھا کہ وہ یہ اشعار نقل کرتے ہوئے یہ حقیقت بھی بیان کرتے کہ اہل علم نے ایسی ہر معترضہ بات کا بروقت تعاقب کیا اور کتاب و سنت کے خلاف کسی نثر و نظم کے جواب میں علمائے حق نے کبھی تساہل یا تسامح سے کام نہیں لیا (واضح رہے کہ میں علمائے حق کی بات کر رہا ہوں)۔

نعت رنگ ہی کے کسی شمارے میں یہ معترضہ اشعار اور ان کے جواب کی بات گزر چکی ہے، اگر ڈاکٹر آزاد صاحب نعت رنگ کے تمام شمارے دیکھ چکے ہیں تو انھیں ان معترضہ اشعار کا اعادہ نہیں کرنا چاہیے تھا، انھوں نے ان معترضہ اشعار کو دہراتے ہوئے جو دریدہ دہنی کی ہے وہ ان کے ان اشعار سے متلذذ ہونے کو ظاہر کرتی ہے۔ کسی نے انھیں قبول کیا ہوتا یا فاسد تاویل کی ہوتی تو آزاد صاحب اس کا جواب دیتے، جب ان معترضہ اشعار کی تائید میں کسی عالم دین کا نام نہیں لیا جاسکتا تو انھی اشعار کو بار بار پیش کیا جانا کوئی سازش ہی ہوسکتی ہے۔ شخصیت یا قرابت وغیرہ کا لحاظ ایمانیات میں نہیں ہوسکتا۔ جو ایسا لحاظ کرے گا وہ خود مجرم ہوکر اپنا ایمان ضائع کرے گا، بلکہ میں تو یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ اکثر ایسے اشعار بھی سازش ہیں جو اسلامی عقائد اور اہل اہل ایمان کے خلاف غیروں نے وضع کیے ہیں۔ ڈاکٹر آزاد صاحب بھی جانتے ہوں گے کہ ہر مسلمان کہلانے والا شخص اسلامی تعلیمات سے مکمل واقف نہیں ہوتا اور شعرا میں سے بھی جانے کتنے ہوں گے جو دینی معلومات کس قدر رکھتے ہوں گے اور اپنی دانست پر خاصا اعتماد رکھنے والے بھی خالی از خطا ہونے کے دعوے دار نہیں ہیں۔
نعت رنگ کے گیارہ شمارے شائع ہوچکے ہیں، مجھے ان گیارہ شماروں میں مطبوعہ منظومات کو دیکھنے کی مہلت ہی نہیں ملی، صرف نثری حصہ جس قدر دیکھ پاتا ہوں اس حوالے سے کچھ عرض کرتا ہوں صرف اسی غرض سے کہ میرے معظم و مقدس و مطہر رسول کریم ﷺ کی نعت گوئی کرنے والے اور نعت کے موضوع پر مضامین تحریر کرنے والے یہ یاد رکھیں کہ ان میں سے کوئی بھی اپنے ذخیرۂ الفاظ اور مبلغ علم و آگہی سے رسول پاک ﷺ کی شان نہیں بڑھاتا بلکہ کماحقہ کوئی بھی شان مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا بیان بھی نہیں کرپاتا، نہ ہی کرسکتا ہے، نہ ہی کسی سے بیان ہوسکتی ہے۔ محدث ہو یا فقیہ، مجتہد ہو یا مفتی، مدرس ہو یا معلم، خطیب ہو یا ادیب،

مقرر ہو یا واعظ، نعت گو ہو یا نعت خواں سب کے سب مدح و ثنائے رسول کریم ﷺ سے خود اپنا قد بڑھاتے اور عزت پاتے ہیں، ہر خاص و عام کو جو صلاحیت و توانائی ودیعت ہوئی ہے، اسے حبیب رب العالمین ﷺ کا ذکر مبارک کرنے اور ان کی خدمت میں لگا دینے اور خود کو ان کے لیے وقف کر دینے ہی میں کام یابی اور دارین کی بھلائی ملتی ہے، اپنی ہی جھولی سعادت و رحمت سے بھر جاتی ہے۔ علم وہی اچھا جو ان کا ادب سکھائے، سمع و بصر وہی اچھی جو ان کی باتیں سنے اور ان کا جلوہ کرے، گویائی وہی مبارک جو ان کی باتیں کرے۔ اس ممدوح کائنات ﷺ اور اس کی بارگاہ کے آداب خود میرے رب کریم، ذی الکبریا و ذی العظمۃ نے تعلیم فرمائے ہیں۔ جتنا ارادہ و اختیار بندے کو ملا ہے اس سے وہ محبوب رب العالمین ﷺ کی بارگاہ بے کس پناہ میں ادب ہی نہیں حسن ادب سے باریابی پالے، اس سے بڑھ کر سعادت و کامیابی کوئی ہو ہی نہیں سکتی، جو ان کا غلام ہو جائے اسے اللہ کریم اپنا پیارا بنا لیتا ہے۔ کہنے والوں نے کہا کہ انسانی جسم میں آنکھ وہ عضو ہے کہ معمولی سا ذرہ بھی اس میں کھٹکتا ہے، باقی جسم مجروح بھی ہو جائے تو برداشت ہو جاتا ہے۔ کائنات بہ منزلہ جسم کے ہو تو انبیا کا مقام سمجھنے کے لیے ایسا ہے جیسا جسم میں آنکھ کا ہے کہ ان کے بارے معمولی سی لغزش بھی کھٹکے گی۔ آنکھ سے تکلیف نہیں جاتی جب تک وہ شے دور نہ کی جائے جو وجہ تکلیف ہوئی، اسی طرح انبیائے کرام کے بارے میں لاپرواہی نہیں ہو سکتی، بہت احتیاط لازم ہے، اس بارگاہ میں ادب کا کلمہ بھی کہتے ہوئے آواز کا صرف اونچا ہو جانا حبط اعمال کا باعث ہوتا ہے۔ ڈاکٹر آزاد صاحب! وہ کوئی عقل و فہم سے بے بہرہ ہی ہوگا جو مخلوق کو خالق کہے گا اور اس پر اصرار کرے گا تو اپنی ہی تباہی و ہلاکت کا سامان کرے گا۔ میرے رسول کریم ﷺ کی حقیقت کو میرے رب کریم جل شانہ کے سوا کوئی جانتا نہیں تو کوئی بیان کیسے کر سکتا ہے؟ انھیں خدا کہنا یا ماننا کسی مومن کا کام نہیں ہو سکتا اور کوئی مومن ہرگز دانستہ یہ بات نہیں کہہ سکتا، جس کسی نے نادانستہ بھی کوئی ایسی بات کہہ دی تو کسی نے بھی تائید نہیں کی بلکہ کہنے والے کو باور کروایا کہ اس پر توبہ لازم ہے۔ یہاں یہ عرض کرنا بھی ضروری ہے کہ بعض اشعار میں کہنے والے نے ایسی بات نہیں کہی ہو اور اس پر یہ الزام لگایا جائے یا اعتراض کیا جائے تو ایسے موقع پر دیانت اور حقائق کے مطابق بات کی جانی چاہیے۔ کوئی بے علمی، نافہمی و ناواقفی کی وجہ سے اعتراض کرتا ہے تو اسے بھی چاہیے کہ وہ حقائق سے آگہی کے بعد اعتراف کرے مگر حقائق کے بیان

کو مسلکی اجارہ داری کہا جائے تو یہ ظلم ہوگا اور ایسا کہنے والا سراسر ناانصافی کا مرتکب ہوگا۔ ڈاکٹر آزاد صاحب کو اندازہ ہوگا کہ اس دور میں فتنوں کی کس قدر یلغار ہے۔ ہر وہ شخص گویا کسی نئے مکتب فکر کا موجد ہے جو محض اپنی دانست کو حرف آخر اور اپنی بات کو قول فیصل ٹھہراتا ہے۔ قرآن و سنت کی بجائے اپنی رائے کو اہمیت دینے والے خود گم راہ ہیں اور دوسروں کی گم راہی کا باعث ہیں۔ توحید کا ایسا بیان جس سے انبیائے کرام علیہم السلام کی توہین و تحقیر ہو، وہ کیسے گوارا کیا جاسکتا ہے؟ قرآن کریم میں تو شعائراللہ کی تعظیم کی دلوں کا تقویٰ فرمایا گیا ہے اور رسول کریم ﷺ کی تعظیم و توقیر کا واضح حکم جا بہ جا ہے، بارگاہ رسالت مآب ﷺ کے آداب خود خالق مصطفیٰ جل و علا نے تعلیم فرمائے ہیں۔ نبی پاک ﷺ کو رب تعالیٰ کا شریک کہنا ماننا تو کجا مثل بھی نہیں مانا جاتا، نہ ہی مانا جاسکتا ہے۔ مگر بے جا اعتراض و الزام لگایا جائے تو اسے ظلم ہی کہا جائے گا۔ جو اشعار غلط ہیں وہ درست قرار نہیں دیئے جاسکتے اور جو غلط نہیں ہیں، انہیں غلط قرار دینے کی کوشش بھی نہیں کرنی چاہیے۔ غلط اور صحیح کو جانچنے پرکھنے کے لیے قرآن و سنت کی وسیع اور صحیح فہم ضروری ہے، وہ لوگ جو قرآن کی آیات کا خود ترجمہ تک نہ کرسکتے ہوں وہ صرف اپنی رائے سے کیسے فیصلہ کرسکتے ہیں؟ حضرت امیرالمومنین سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے قرآن کا ترجمہ و تفسیر بیان کرنے کے لیے کتنے علوم جاننے کی شرط ضروری قرار دی ہے، اس بات سے کتنے لوگ واقف ہیں؟ حدیث اور اصل حدیث سے ناواقفی کے باوجود حدیث کی شرح کرنا عام ہے، یوں معاشرے میں کتنے فتنے رونما ہورہے ہیں۔ دینی و ایمانی بیان میں زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔

ڈاکٹر آزاد صاحب نے نعت کے ''ثانوی موضوعات'' کے عنوان سے ایک مختصر فہرست ص۱۱۶ پر ترتیب دی ہے، اور اپنی تحریر کے آخر میں خود لکھتے ہیں: ''اور ہر وہ موضوع، موضوع نعت بننے کی صلاحیت رکھتا ہے، جس کو آقائے دو عالم رحمت ہر دو جہاں محمد عربی ﷺ سے کسی نہ کسی قسم کا علاقہ، رشتہ یا نسبت ہو۔'' (ص۱۱۸)

اس حوالے سے عرض کرنا چاہوں گا کہ نعت گوئی اہل علم کے علاوہ ان افراد نے بھی کی ہے جو نہ علم و ادب کے شہ سوار ہیں نہ ہی زبان و بیان کے دعوے دار۔ بعض شعرا نے اصناف سخن میں جو کاوشیں کیں ان میں ایک دو نعتیں بھی کہہ دیں اور بعض نے ''ضرورۃً'' کہہ دیں۔ موضوعاتی نعتوں کے ساتھ کیفیاتی اور وارداتی منظومات بھی ہیں۔ میرے کریم رحمتہ

للعالمین آقا ﷺ کی خصوصیات اور اوصاف کا کوئی شمار ہی نہیں تو موضوعات کی حد بندی کہاں ممکن ہے۔ میں تو یہ کہوں گا کہ اکابر سخن اہل علم کے کلام میں نعتیہ اشعار کا علم بھی انھیں سے ممکن ہے جس کی اس باب میں معلومات وسیع ہیں۔ فکر ہر کس بہ قدر ہمتِ اوست...

نعت رنگ شمارہ ۱۱ کے ص ۱۲۰ سے بھارت کے جناب ظہیر غازی پوری کی تحریر بہ عنوان "نعتیہ شاعری کے لوازمات" کا آغاز ہوتا ہے۔ اس کی پہلی سطر ہے: "اس عالم آب و گل میں محمد مصطفیٰ ﷺ کی تشریف آوری سے قبل ہی عربی زبان...." اسی صفحے پر گیارھویں سطر میں ہے: "اللہ تعالیٰ کے حبیب محمد ﷺ..." رسول کریم ﷺ کے مبارک و مقدس اور معظم نام سے پہلے "حضرت" یا "سیّدنا" تک کا لفظ بھی غازی پوری صاحب نے گوارا نہیں کیا۔ یہ انداز ان کی تحریر میں یونہی بیش تر نظر آتا ہے۔ یوں یہ واضح ہوتا ہے کہ لکھنے والے کو رسول کریم ﷺ کی محبت اور تعظیم و توقیر سے وہ علاقہ نہیں جو ایک سچے مومن و مسلم کو ہونا چاہیے، حالاں کہ غازی پوری صاحب نے اپنی اس تحریر میں دوسروں کو آداب ہی ملحوظ رکھنے کی تلقین کی ہے۔ ان کی تحریر واضح کرتی ہے کہ وہ زبان و بیان کے حوالے سے خاصی معلومات رکھتے ہیں لیکن مدعا بیان کرتے ہوئے احتیاط کا دامن تھامے نہیں رکھتے۔ انھوں نے کچھ وہی اعتراض دہرائے ہیں جن کے جواب نعت رنگ کے شماروں میں بھی پیش کیے جاچکے ہیں اور دیگر تحریروں میں بھی علمائے حق نے محفوظ کیے ہیں، البتہ ظہیر صاحب غازی پوری نے کچھ معترضہ اشعار کا اضافہ کیا ہے اور روا روی میں وہ یہ لکھ گئے: "نعتیہ شاعری کا ایک سرسری جائزہ بھی لیا جائے تو ایسے بے شمار اشعار پر نظر رکتی ہے۔" (ص ۱۳۲)

ظہیر صاحب نے "کئی یا متعدد" کی بجائے "بے شمار" کے الفاظ استعمال کیے جو قرین قیاس اور امر واقعہ نہیں۔ یہ فقیر بے توقیر پھر عرض گزار ہے کہ ہر وہ تحریر، نثر ہو یا نظم، جس میں خلاف واقعہ یا ناروا بات بیان ہوئی ہے یعنی شریعت و سنت سے متصادم اور متضاد بیان جس میں ہے اس کی تائید نہ کی گئی ہے نہ کی جاسکتی ہے اور صریح لفظ و بیان میں تاویل بھی کارآمد نہیں ہوسکتی۔ "اکفار الملحدین" (مطبوعہ دار الکتب علمیہ، اکوڑہ خٹک، پشاور) کے ص ۹۰ پر جناب محمد انور شاہ کشمیری، صدر مدرس دار العلوم دیوبند لکھتے ہیں: "لفظ صریح میں تاویل کا دعویٰ قبول نہیں کیا جاتا۔" وہ ص ۸۷ پر لکھتے ہیں "فاسد تاویل، کفر کی طرح ہے۔" اور اسی صفحے پر لکھتے ہیں: "ضروریات دین میں تاویل کرنا دافع کفر نہیں۔" اسی طرح جناب

اشرف علی تھانوی نے رسالہ الامداد، بابت ماہ شوال ۱۳۳۶ھ کے ص۲۳ پر لکھا ہے: ''اگر مفتی کی تاویل فی الواقع صحیح نہ ہوگی تو اس کا فتویٰ (کفر کے) قائل کو حقیقی کفر سے نہیں بچا سکے گا۔''
ظہیر غازی پوری صاحب بھی شاید واقف ہوں کہ اس دور میں ایمان اور حقائق کی بجائے شخصیت اور انا پرستی کی اہمیت زیادہ نظر آتی ہے، اس طرز اور روش نے وہ وہ فتنے اور مسائل اُٹھائے ہیں کہ کچھ نہ پوچھیے!

ظہیر صاحب نے اپنی تحریر میں کچھ جملے ایسے لکھے ہیں جو معترضہ ہیں مثلاً: ص۱۲۳ پر وہ لکھتے ہیں: ''شریعت ناک بھوں چڑھاتی رہ جاتی ہے، لیکن فن کار کا کچھ نہیں کر پاتی۔'' یہ بات انھوں نے پروفیسر مسعود حسین کے حوالے سے میرؔ کی شاعری کے جائزے سے نقل کی ہے، وہ خود اس کے جواب میں لکھتے ہیں: ''شریعت کے ناک بھوں چڑھانے کی بات خواہ مخواہ ہے۔ ہر شاعر اپنے اعمال کا ذمے دار خود ہوتا ہے، شریعت نہ تو ہر گھر میں (برائے اعتراض) جھانکتی ہے اور نہ ہر شاعر کے اشعار کا محاسبہ کرتی ہے...'' (ص۱۲۴)

پروفیسر مسعود حسین نے شریعت کے لیے نامناسب انداز بیان اپنایا تھا تو خود ظہیر صاحب غازی پوری نے بھی احتیاط نہ برتی۔ ص۱۲۵ پر وہ لکھتے ہیں: ''کفر کا فتویٰ پہلے بھی بہت عام تھا اور اب بھی بات بات پر ایسے فتوے جاری ہوتے رہتے ہیں۔'' یہ جملے لکھتے ہوئے بھی ظہیر صاحب نے احتیاط کا دامن چھوڑ دیا۔

فتویٰ کسی بات یا فعل کے بارے میں شرعی رائے کو کہتے ہیں اور کفر و ایمان کے باب میں صحیح العقیدہ مفتیان کرام بہت احتیاط برتتے ہیں۔ کفر کا فتویٰ جاری کرنا کوئی کھیل نہیں اور بات بات پر ایسے فتوے جاری نہیں کیے جاتے۔ جناب اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں: ''فقہا (کسی) مسلمان کی طرف کفر کی نسبت کرنے کو اتنا برا سمجھتے ہیں کہ جب تک ان کو گنجائش ملتی ہے، اس وقت تک وہ کسی مسلمان کی طرف اس (کفر) کو منسوب نہیں کرتے، تو اس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ خود کفر کا ارتکاب کس قدر برا ہوگا۔ پس مسلمانوں کو چاہیے کہ جس قول یا فعل میں کفر کا احتمال بعید اور وہم بھی ہو، اس سے بھی نہایت درجہ احتراز کریں کیوں کہ کفر سے بڑھ کر حق سبحانہ کے نزدیک کوئی جرم نہیں ہے چناں چہ نصوص قطعیہ سے ثابت ہے کہ حق سبحانہ تمام جرموں کو معاف کردیں گے مگر کفر کو معاف نہ کریں گے۔ اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ وہ کس قدر شدید جرم ہے اور اس سے بچنا کس قدر ضروری ہے۔''

دیوبندی مکتب فکر کے ایک اور عالم جناب مرتضیٰ حسن دربھنگی اپنی کتاب ''اشد العذاب'' (مطبوعہ لائل پور) میں لکھتے ہیں: ''نہ علمائے اسلام جلد باز ہیں، نہ فروعی اور ظنیات اور اجتہادی امور میں کوئی تکفیر کرتا ہے بلکہ جب تک آفتاب کی طرح (کسی کا) کفر ظاہر نہ ہوجائے یہ (علمائے اسلام کی) مقدس جماعت کبھی ایسی جرأت نہیں کرتی۔ علما حتیٰ الوسع کلام میں تاویل کرکے صحیح معنی بیان کرتے ہیں، مگر جب کسی کا دل ہی جہنم میں جانے کو چاہے اور وہ خود ہی اسلام کے وسیع دائرے سے خارج ہوجائے تو علمائے اسلام (اس کو کافر کہنے پر) مجبور ہیں۔ جس طرح مسلمان کو کافر کہنا کفر ہے اسی طرح کافر کو مسلمان کہنا بھی کفر ہے۔'' (ص۳)

علمائے دیوبند خود ان باتوں پر کاربند ہیں یا نہیں اس سے قطع نظر مجھے ظہیر صاحب غازی پوری کو یہی باور کرانا ہے کہ علمائے حق تو کسی کو کافر بتانے میں بہت محتاط ہیں وہ کسی کو کافر بتاتے نہیں بلکہ جب کسی شخص سے صریحاً کفر کا ارتکاب ہوجائے تو اس کا کفر بتا دیتے ہیں۔ یہی مرتضیٰ حسن صاحب دربھنگی اپنی اسی کتاب ''اشد العذاب'' میں لکھتے ہیں: ''علما نے کس قدر احتیاط کی مگر جب کلام میں تاویل کی گنجائش نہ رہے اور کفر آفتاب کی طرح روشن ہوجائے تو پھر بجز تکفیر کے چارہ ہی کیا:

اگر بینم کہ نابینا و چاہ است
اگر خاموش بنشینم گناہ است

ایسے وقت میں اگر علما سکوت کریں اور خلقت گم راہ ہوجائے تو اس کا وبال کس پر ہوگا؟ آخر علماء کا کام کیا ہے؟ جب وہ کفر اور اسلام میں فرق بھی نہ بتائیں تو اور کیا کریں گے؟'' (ص۳)

ظہیر صاحب غازی پوری کو شاید ایسے علماء کہلانے والوں سے واسطہ رہا ہوگا جو بات بات پر کفر و شرک کے فتوے جاری کرتے ہوں گے ورنہ علمائے حق کا یہ وتیرہ نہیں۔

لفظ خدا اور رسول کے غلط استعمال کے حوالے سے بھی علمائے اسلام نے اپنے فتاویٰ اور دیگر تحریروں میں حقائق واضح کیے ہیں۔ ظہیر صاحب غازی پوری نے ص ۱۲۵، نعت رنگ شمارہ۱۱ میں جو شعر اس حوالے سے نقل کیا ہے، اس بارے میں انھوں نے علمائے دین کے جوابات شاید ملاحظہ نہیں فرمائے۔ علامہ اقبال کے شعر پر انھوں نے ڈاکٹر محمد حسن کے تحریر

کردہ اعتراض کو نقل کیا ہے: ڈاکٹر محمد حسن لکھتے ہیں: ''علامہ اقبال کا یہ شعر

غریب و سادہ و رنگیں ہے داستان حرم
نہایت اس کی حسین، ابتدا ہے اسمٰعیل

ان کے بدعقیدہ ہونے کی کھلی علامت ہے کیوں کہ انھوں نے حسین ابن علی کا نام ایک پیغمبر کے ساتھ لیا ہے اور دونوں کو برابر کا مقام دیا ہے۔''

(بحوالہ ماہنامہ ''شاعر''، اقبال نمبر، ص ۱۰۱)

ڈاکٹر محمد حسن صاحب کو خود اپنا نام یاد نہیں رہا، ان کے والد نے بھی لفظ ''حسن'' معنیً نہیں نسبتً ہی رکھا ہوگا، یوں ان کے اپنے نام میں بھی پیغمبر کے نام کے ساتھ ہی حضرت سیّدنا حسن ابن علی رضی اللہ عنہما کا نام موجود ہے۔ اس بارے میں وہ کیا فرمائیں گے؟

علامہ اقبال نے تو یہ بھی فرمایا ہے:

موسیٰ و فرعون و شبیر و یزید
این دو قوت از حیات آید پدید

اس بارے میں ڈاکٹر محمد حسن صاحب کیا فرمانا چاہیں گے؟ علم و فہم میں نقص یا عدم توازن ہو تو اعتراض ہوتا ہے۔ برابر کا مقام محض ڈاکٹر صاحب کی ذہنی اختراع ہے ورنہ وہ برابری واضح فرمائیں۔ خود ظہیر صاحب غازی پوری لکھتے ہیں اس شعر کے بارے میں کہ: ''کہنے کو تو یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ داستان حرم بھلا ''غریب'' اور ''رنگین'' کس طرح ہوسکتی ہے۔ یہ دونوں الفاظ اپنی لجاجت کا اظہار کررہے ہیں اور بے جواز بھی ہیں۔'' (ص ۱۲۶)

جناب ظہیر غازی پوری نے داستان حرم کے ''غریب و رنگین'' ہونے کو ناممکن کیسے فرما دیا؟ میں نہیں سمجھ سکا۔ وہ غریب اور رنگین کے کیا معنی سمجھ رہے ہیں؟ واضح فرمائیں تاکہ انھیں داستان حرم کے حوالے سے ان دونوں لفظوں کی لجاجت نہیں بلکہ بلاغت اور جواز بتایا جاسکے۔

ظہیر صاحب غازی پوری نعت گوئی کو بے حد مشکل فن قرار دینے کے بارے میں کچھ لوگوں کی رائے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''میرا ذاتی خیال ہے کہ شعور پختہ ہو، مطالعہ وسیع ہو، نظر باریک بیں ہو اور زبان و اظہار پر خلاقانہ قدرت حاصل ہو تو شاعری کے لیے کوئی صنف شاعری اتنی مشکل نہیں ہوسکتی جتنی اکابرین نے (بغیر جواز) ثابت کرنے کی

کوششیں کی ہیں۔ بے شمار ادب پسند اور مذہب پرست محققین اور اہل رائے نے نعت نگاری کی راہ میں ہونے والی دینی اور شرعی لغزشوں کی جانب بھی اشارے کیے ہیں۔'' (ص ۱۲۸)

اس اقتباس میں غازی پوری صاحب نے صلاحیت و قابلیت کے حوالے سے خود ہی کچھ اوصاف کا ہونا ضروری بتایا پھر اس کے بعد ''بغیر جواز'' کے الفاظ بھی توسین میں جانے کیوں جڑ دیے۔ حالاں کہ خود ہی اہل علم و تحقیق وغیرہ کی جانب سے دینی اور شرعی لغزشوں کا ذکر بھی انھوں نے کیا اور اپنی اسی تحریر میں وہ خود دوسروں کے ناروا اشعار بھی بیان کر چکے ہیں۔ ظہیر صاحب سے عرض ہے کہ وہ نعت رنگ کے گزشتہ شمارے بھی ملاحظہ فرمائیں تاکہ انھیں اندازہ ہوجائے کہ نعت نگاری صرف شاعری ہی نہیں۔

قرآن کا ترجمہ کرنے کے لیے صرف عربی داں ہونا کافی نہیں اسی طرح نعت کہنے کے لیے صرف شاعر ہونا کافی نہیں ورنہ خود ظہیر صاحب وہ اوصاف کیوں لکھ رہے ہیں جن کے بعد ان کے نزدیک مشکل نہیں ہوسکتی؟ نعت نگاری میں ان اوصاف کے باوجود بھی کوئی لغزش بعید از امکان نہیں۔

نعت رنگ شمارہ ۱۱ کے ص ۱۲۹ پر جناب غازی پوری نے لکھا ہے: ''اس قسم کے اعتراضات کئی دہائیوں سے ارباب فن اور عاشقان رسول اکرم ﷺ کرتے آرہے ہیں مگر اہل قلم حضرات بطور حوالہ اشعار پیش نہیں کرتے۔ اس کی دو وجوہات ہوسکتی ہیں، ایک یہ کہ پیشہ ور علمائے دین سے وہ ڈرتے ہیں کہ ان کے خلاف نہ صرف کوئی فتویٰ صادر ہوگا بلکہ معاشرے میں ان کا جینا مشکل ہوجائے گا کیوں کہ اس قسم کے نام نہاد اکابر دین و مذہب کے ساتھ ایک بڑی فوج یا جمعیت ہوتی ہے جو بہرحال ان کی حمایت کرتی ہے اور بعض اوقات شور و ہنگامہ بھی برپا کرتی ہے، دوسری یہ کہ ناقد خود تشکیک کا شکار ہوجاتا ہے کہ کہیں اس کے اعتراضات غلط نہ قرار دیے جائیں۔ دنیائے ادب میں تو تنقید کی تنقید لکھنے اور نقاد کے نظریۂ فکر سے اختلاف کرنے پر کوئی پابندی نہیں۔ مگر شرعی اور مذہبی معاملات میں تاویلات کے ذریعے غلط بات کو بھی صحیح قرار دینے کا رواج عام ہے اور شاید اسی وجہ سے مسلمان مختلف جماعتوں اور گروہوں میں تقسیم ہوئے ہیں اور مسلک و عقائد کی بدعتوں نے نہ صرف انتشار پیدا کیا ہے بلکہ مذہب اور قوم کا چہرہ مسخ کرکے رکھ دیا ہے... مسلک و عقائد اور ذات برادری کی خلیجیں علمائے دین کی پیدا کردہ ہیں اور خواہ مخواہ ہیں...''

جناب ظہیر غازی پوری کے اس بیانیے میں یہ بات نمایاں محسوس ہوتی ہے کہ وہ علمائے دین اور مسلک و عقائد کے حوالے سے تلخیاں رکھتے ہیں، یہ تلخیاں مشاہدے یا تجربے کا نتیجہ ہیں یا پھر سن سنا کر قائم کردہ تاثرات ہیں۔ مجھے اعتراف ہے کہ دین دار کہلانے والے ایسے لوگ بھی ہیں جو پیشہ وری اور کاروباری طور پر دین و مذہب کو اپنائے ہوئے ہیں اور دہشت گردی کے مرتکب ہوتے ہیں، اپنے خودساختہ مؤقف اور اپنے اکابر کے بارے میں یا اپنے طرزِ عمل کے حوالے سے وہ اختلاف گوارا نہیں کرتے اور دین دار کہلانے والوں میں وہ لوگ بھی ہیں جو اپنی یا اپنے اکابر کی غلط اور ناروا باتوں کی فاسد تاویلیں کرکے انھیں صحیح ثابت کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں لیکن اس وجہ سے صرف انھی کو مطعون کرنا چاہیے نہ کہ پورے دین دار طبقے کو ملامت کا ہدف بنالینا چاہیے۔ رہی بات مسلک و عقائد کی تو جنھوں نے صراطِ مستقیم اور راہِ حق سے خود کو الگ کیا ہے اور اپنے خود ساختہ نظریات و عقائد اپنائے ہیں انھوں نے بلاشبہ اُمتِ مسلمہ میں انتشار و افتراق پیدا کیا ہے اور فتنہ و فساد کی راہیں کھولی ہیں لیکن غازی پوری صاحب بہ یک جنبشِ قلم تمام علمائے دین کو غلط کیسے قرار دے سکتے ہیں؟ ذات برادری کی خلیجیں جہالت اور تعصب کی بنیاد پر ہیں نہ کہ علم کی بنیاد پر، اور وہ لوگ جو علمائے دین کہلاکر شریعت و سنت کے منافی قول و فعل اپنائیں وہ اپنے تشخص اور منصب کی خود ہی نفی کرتے ہیں اور اپنی ذات کو وجہ نزاع اور خود کو متنازع بناتے ہیں۔ اہلِ حق کا یہ شیوہ و شعار نہیں اور صحیح العقیدہ اہلِ حق علمائے کرام کی توہین و تحقیر ہرگز روا نہیں بلکہ ایسا کرنے والا اپنا دینی ایمانی نقصان کرتا ہے، چناں چہ جناب اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں:

''(رشید احمد) گنگوہی فرماتے تھے کہ جو لوگ علمائے دین کی توہین اور ان پر طعن و تشنیع کرتے ہیں، قبر میں ان کا منھ قبلے سے پھر جاتا ہے اور یہ بھی فرمایا کہ جس کا جی چاہے دیکھ لے۔'' (ص ۵۴) اور ص ۱۸۰ پر لکھتے ہیں: ''علماء کی تعظیم سے تو لوگوں کا نفع ہے کہ ان کی تعظیم درحقیقت دین کی تعظیم ہے۔'' (کمالاتِ اشرفیہ، مکتبہ تھانوی، ایم اے جناح روڈ، کراچی) اس حوالے سے اکثر علمائے دیوبند بہ شمول تھانوی صاحب نے سخت فتاویٰ بھی تحریر کیے ہیں۔ اپنی اس تحریر میں علمائے دیوبند کی تحریریں یوں نقل کرتا ہوں کہ بھارت کے وہ قلم کار جو ''نعت رنگ'' میں اب تک لکھتے آئے ہیں وہ زیادہ تر انھی علمائے دیوبند کے متاثرین ہیں، اس لیے

ان کو انھی کے حوالے قبول ہوں گے تاہم یہ بات اپنی جگہ ہے کہ علمائے دیوبند کی تحریروں اور قول و فعل میں تضاد بہت ہے۔

جناب ظہیر غازی پوری نے "حدائق بخشش" میں چند اشعار پر فنی و عروضی لحاظ سے جو اعتراض کیے ہیں، اس کے ساتھ ہی انھوں نے یہ شعر بھی لکھا ہے:

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب
یعنی محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا

اس شعر کو لکھ کر وہ کہتے ہیں: "اللہ تعالیٰ لاشریک بھی ہے اور بے پیکر بھی۔ اس نے اپنی قدرت سے بے شمار مخلوقات، اشیاء اور بحر و بر کو خلق کیا ہے، جن کا خمیر مختلف ہے۔ اپنے نور سے بھی اس نے ایک پیکر تراشا جو اس کے لیے محبوب ترین تھا۔ وہ نور یکتا پیشانیٔ آدم میں محفوظ ہوا اور محمد مصطفیٰ ﷺ تک پہنچا۔ اللہ رب العزت چوں کہ بے جسم، بے پیکر اور بے بدن ہے اس لیے دنیاوی محبوب و محب کا اطلاق اس پر نہیں ہو سکتا ویسے بھی محبوب کے مالک کا درجہ عطا کرنے کا سیدھا اور صاف مطلب ہوا کہ رسول کو خدا کہا یا تسلیم کیا..." (ص۱۳۱)

جناب ظہیر غازی پوری نے خود لکھا کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اپنے نور سے ایک پیکر تراشا جو اس کے لیے "محبوب ترین" تھا اور پھر محب و محبوب کے اطلاق کو اس کے لیے ناممکن بتایا، دنیاوی کے لفظ کو ظہیر صاحب غازی پوری نے محب و محبوب کے ساتھ لکھ کر اپنے اعتراض کی رعایت چاہی ہے۔ اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں محبوب حقیقی ہے اور آیات و احادیث سے اور اقوال اکابر سے اللہ تعالیٰ کے لیے یہ الفاظ ثابت ہیں، ظہیر صاحب کی شاید توجہ یا رسائی ان تک نہیں ہوئی۔ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے رسول کریم ﷺ کو ہرگز ہرگز خدا کہا یا تسلیم نہیں کیا اور اس شعر کے بارے میں یہ فقیر اور جناب ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی نعت رنگ ہی کے شمارہ نمبر ۸ میں تفصیل سے اس کا جواب پیش کر چکے ہیں۔ جناب ظہیر غازی پوری وہ ملاحظہ فرمائیں، ان کی تسلی و تشفی ہو جائے گی۔ علاوہ ازیں اعلیٰ حضرت نے "مالک کے حبیب" فرمایا ہے جب کہ ظہیر صاحب "محبوب کے مالک" لکھ گئے ہیں اور رسول کریم ﷺ کو مالک کے حبیب کا درجہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی

نے عطا نہیں کیا بلکہ خود ظہیر صاحب نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نور سے ایک پیکر تراشا جو اس کے لیے محبوب ترین تھا۔ (حالاں کہ اس جملے میں تراشا کا لفظ محل نظر ہے۔)

''الا وانا حبیب اللہ'' کے الفاظ حدیث شریف میں موجود ہیں۔ جناب ظہیر غازی پوری نے لکھا ہے ''وہ نور یکتا پیشانیٔ آدم میں محفوظ ہوا اور محمد مصطفیٰ ﷺ تک پہنچا۔'' یہ جملہ قابل اصلاح ہے۔ سیّدنا آدم علیہ السلام سے یہ نور منتقل ہوتا رہا اور سیّدنا عبداللہ بنا عبدالمطلب اور سیّدہ کائنات حضرت آمنہ بنت وہب رضی اللہ عنہما سے سے مجسم ہوکر ظاہر ہوا۔ نبی پاک ﷺ ہی وہ نوری پیکر ہیں۔ ص ۱۳۸ پر خود ظہیر صاحب نے بھی لکھا ہے: ''نور پیکر اور تجلی افروز تو وہ خود تھے۔''

جناب ظہیر غازی پوری نے نعت رنگ شمارہ ۱۱ کے ص ۱۳۲ سے آگے دو صفحات تک جو معترضہ اشعار پیش کیے ہیں ان سب کے بارے میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ ان کی تائید نہ کی گئی ہے نہ کی جا سکتی ہے۔ جس کسی نے رسول کریم ﷺ کو خدا کہنے کی کوشش یا جرأت دانستہ یا نادانستہ کی اس پر توبہ لازم ہے۔ کوئی بھی ایسی غلط بات کر کے خالق و مخلوق کو خوش نہیں کرتا نہ ہی کوئی ثواب کماتا ہے بلکہ خود کو مجرم بناتا ہے۔ نثر ہو یا نظم، تقریر ہو یا تحریر، غلط بات کسی میں بھی کہی جائے گی وہ غلط ہی شمار ہوگی۔ نعت شریف تو رسول کریم ﷺ کی مدح ہے، ہمارے معاشرے میں تو وہ لوگ بھی ہیں جو اپنے اکابر کے لیے نثر و نظم لکھتے ہوئے ایسی باتیں کہہ جاتے ہیں جن کی تاویل بھی نہیں ہوسکتی۔ ایک نثری اقتباس ملاحظہ ہو، جناب عبدالرزاق ملیح آبادی روزنامہ ''الجمعیۃ'' دہلی کے شیخ الاسلام نمبر کی اشاعت دوم، ۱۰ر جولائی ۱۹۹۸ء (پہلی اشاعت ہفتہ ۱۵ر فروری ۱۹۵۸ء) کے ص ۱۱۳ پر جناب حسین احمد مدنی کے بارے میں لکھتے ہیں: ''تم نے کبھی خدا کو اپنے گلی کوچوں میں چلتے پھرتے دیکھا ہے؟ کبھی خدا کو بھی اس کے عرش عظمت جلال کے نیچے فانی انسانوں سے فروتنی کرتے دیکھا ہے؟ تم کبھی تصور بھی کر سکتے کہ رب العالمین اپنی کبریائیوں پر پردہ ڈال کے تمہارے گھروں میں بھی آ کر رہے گا، تم سے ہم کلام ہوگا؟ تمہاری خدمتیں کرے گا؟

نہیں، ہرگز نہیں، ایسا نہ کبھی ہوا ہے نہ کبھی ہوگا۔

تو پھر کیا میں دیوانہ ہوں، مجذوب ہوں کہ بڑ ہانک رہا ہوں؟ نہیں بھائیو! یہ بات نہیں ہے۔ سڑی ہوں نہ سودائی۔ جو کچھ کہہ رہا ہوں، سچ ہے حق ہے مگر سمجھ کا ذرا سا پھیر ہے

حقیقت و مجاز کا فرق ہے۔ محبت کا معاملہ ہے اور محبت میں اشاروں کنایوں سے ہی کام لینا پڑتا ہے۔ محبت، بے پردہ سچائی کو گوارا نہیں کرتی۔ کچھ بند بند، ڈھکی ڈھکی، چھپی چھپی باتیں ہی محبت کو راس آتی ہیں۔''

تقویۃ الایمان میں جناب اسمٰعیل دہلوی تو نبی کی تعریف بھی صرف بشر کی سی کرنے اور وہ بھی اختصار سے کرنے کی تاکید کرتے ہیں اور ''الجمعیۃ'' دہلی نے چار سو بڑے سائز کے صفحات میں جناب حسین احمد مدنی کے لیے کیا کیا لکھا ہے، نہ پوچھیے۔ رسول کریم ﷺ کی تعریف میں صحیح کلمات بھی جنھیں گوارا نہیں وہ اپنے بڑوں کو مجازاً خدا تک لکھ رہے ہیں۔ ظہیر صاحب غازی پوری اگر مراثی و مناقب دیکھیں تو اندازہ ہو کہ ایسے لوگوں نے عقائد و حقائق سے کیا کیا کھیل کھیلے ہیں۔

ظہیر صاحب نے ص۱۳۴ پر اللہ تعالیٰ کے لیے لکھا ہے: ''اس کا مسکن تو سر عرش ہے۔'' وہ خود غور فرمائیں کہ یہ جملہ قابل اصلاح ہے یا نہیں۔

ص۱۳۵ پر وہ جناب عبدالکریم قمر کے حوالے سے لکھتے ہیں: ''حضور (ﷺ) کی شان میں ذرا سی بے احتیاطی اور دنیٰ سی لغزش ایمان و عمل کو غارت کر دیتی ہے۔ بے احتیاطی یا لغزش عموماً نادانستہ طور پر یا کم علمی کے باعث سرزد ہوتی ہے۔ کبھی کبھی شاعر کی سوچ مغالطے پیدا کرتی ہے اور کبھی کبھی مفہوم نہ سمجھنے کے باعث بھی شدید اعتراضات کے پہلو نکل آتے ہیں....'' رسول اکرم ﷺ کی شان اقدس میں بلاشبہ معمولی سی بھی بے احتیاطی اور ادنیٰ سی لغزش ایمان و عمل کو غارت اور اس کے مرتکب کو تباہی و ہلاکت میں ڈال دیتی ہے۔ لیکن بڑے بڑے مدعیان علم بھی اس جرم کے مرتکب ہوئے ہیں اور افسوس ہے کہ ان سے دفاع کیا جاتا ہے۔

جناب ظہیر غازی پوری نے اس اقتباس کے بعد جس شعر پر اعتراض کیا ہے اس میں خود مفہوم نہ سمجھنے کی کوتاہی کی ہے۔ مجھے اس شعر کو صحیح ثابت نہیں کرنا لیکن غلامی کا مفہوم غازی پوری صاحب نے صحیح اخذ نہیں کیا۔ معترضہ شعر یہ ہے:

غلاموں کو غلامی کا شرف کافی بہت کافی
طبیعت پر گراں سا ہو کرم ایسا بھی ہوتا ہے
(ص۱۳۵)

باقی اشعار پر ان کے اعتراض درست ہیں البتہ ایک شعر کے بارے میں جناب عبدالعزیز خالد وضاحت کر چکے ہیں۔

ظہیر صاحب ص ۱۳۸ پر لکھتے ہیں: ''صداقت یہ ہے کہ محمد مصطفیٰ ﷺ بذات خود نور خداوندی کا جزو تھے۔'' یہاں لفظ ''جزو'' وہ ملاحظہ فرمائیں کہ کیا اسی طرح درست ہے؟ دو سطر بعد وہ لکھتے ہیں: کیوں کہ سرور کائنات تمام تر اوصاف و تجلیات سے حصول نبوت سے قبل ہی متصف ہو چکے تھے۔ ان پر صرف وحی کا نزول ہوا کرتا تھا۔'' ظہیر صاحب غازی پوری سے عرض ہے کہ ''حصول نبوت'' کی بجائے یہاں ''اعلان نبوت'' لکھنا چاہیے تھا اور میرے رسول کریم ﷺ بلاشبہ ہر لحظہ انوار و تجلیات الٰہیہ ہی میں رہتے اور خود انھیں ''سراجاً منیراً'' فرمایا گیا ہے، وہ نور عطا فرماتے اور دوسروں کو چمکاتے تھے اور یہ فیضان جاری ہے، وہ آج بھی چمکا رہے ہیں۔ غازی پوری صاحب کا یہ لکھنا کہ ''اعلان نبوت'' کے بعد صرف وحی کا نزول ہوتا تھا، یہ تاثر دیتا ہے کہ رسول کریم ﷺ کو اعلان نبوت کے بعد مزید اوصاف و تجلیات حاصل نہیں جب کہ قرآن کریم میں واضح بیان ہے: وللاخرۃ خیر لک من الاولی۔

رسول کریم ﷺ کے لیے ہر آنے والا لمحہ گزرے ہوئے لمحے سے بہتر ہے۔

ص ۱۴۰ پر جناب ظہیر غازی پوری لکھتے ہیں: ''بلاشبہ اچھا غزل گو شاعر نعت کہتے وقت بھی فن کارانہ انداز اظہار برقرار رکھتا ہے اور وہ نعت کے ذریعے عقائد و مسلک کی تبلیغ کا مرتکب نہیں ہوتا۔ موجودہ عہد میں مسلک و عقائد اور بدعتوں کو کچھ اس قدر فروغ حاصل ہوا ہے کہ نعتیہ شاعری کا چہرہ بھی بڑی حد تک مسخ ہو گیا ہے۔ متقدمین اور متاخرین دونوں نے اس مقدس فن کو نقصان پہنچایا ہے۔''

جناب ظہیر غازی پوری نے ''مسلک و عقائد'' کے الفاظ جانے کس مفہوم کے تحت ان جملوں میں شامل کیے ہیں؟ رہی بات بدعتوں کی تو یہاں ان کی مراد کیا ہے؟ وہ واضح فرمائیں تو جواب لکھوں۔ غازی پوری صاحب کی معلومات اس حوالے سے کتنی وسیع ہیں اور مسلک و عقائد اور بدعتوں کے بارے میں کچھ وضاحت فرمادیں تو مجھے حقائق بیان کرنے میں آسانی ہوگی۔ شاید انھیں نہیں معلوم کہ حضرت حسان ابن ثابت (صحابی رسول) رضی اللہ عنہ کافروں کو اپنے اشعار سے جواب دیا کرتا تھے۔ (نعت رنگ کے اسی شمارے میں وہ ڈاکٹر طارق جمیل فلاحی کے مضمون ''حضرت حسان بن ثابت الانصاری رضی اللہ عنہ... شاعر رسول''

میں تفصیل ملاحظہ فرمالیں)۔ مسلک حق اور صحیح عقائد کے بیان کے حوالے سے نعتیہ شاعری کا چہرہ مسخ ہونے کی بات کرنا ظہیر صاحب غازی پوری کی سنگین غلطی ہے، انھوں نے بلاقید تمام متقدمین و متاخرین کو اس حوالے سے نقصان پہنچانے والا لکھ کر خود کو دینی و ایمانی نقصان پہنچایا ہے۔ کسی نے اگر کوئی غلط یا خود ساختہ عقیدہ کہیں بیان کردیا ہے یا کسی باطل مسلک کی ترجمانی کی ہے تو اس پر اعتراض اور اس کا تعاقب ضروری ہے لیکن ظہیر صاحب کا بیانیہ واضح کرتا ہے کہ وہ یہ جملے لکھتے ہوئے شدید بے احتیاطی کے مرتکب ہوئے ہیں۔

محترم سیّد صبیح رحمانی صاحب!

ارادہ تو یہی تھا کہ میں نعت رنگ کے لیے کبھی کوئی مضمون لکھ دوں گا لیکن پورے شمارے کے مندرجات کے حوالے سے تفصیلی طور پر تحریر پیش نہیں کروں گا کیوں کہ میرے متعدد مشاغل اور امور بہت متاثر ہوتے ہیں۔ مجھے ''جہان حمد'' کے طاہر سلطانی صاحب ایک پروگرام میں ملے، انھوں نے جہاں حمد کا نعت نمبر شمارہ ۶ مجھے دیا میں نے پہلی مرتبہ وہ مجلہ دیکھا۔

بہت قلق ہوا کہ اس مجلّے میں بھی ناروا تحریریں بہت تھیں۔ لکھنے کے حوالے سے میرے پاس اتنا کام جمع ہے کہ کچھ سمجھ نہیں آتی، کیسے پورا کرپاؤں گا۔ کسی نئے کام کو اپنے ذمے کیسے لے لوں۔ آپ کے اس شمارے کے ابھی صرف ایک سو چالیس صفحات کے مندرجات کا کسی قدر جواب لکھ پایا ہوں اور پورا شمارہ چار سو سولہ صفحات کا ہے۔ جناب شفقت رضوی اور جناب احمد صغیر صدیقی کی تحریروں میں بہت سے جملے ایسے پائے کہ انھیں سراہنے کو جی چاہا۔ جناب راجا رشید محمود کے کچھ جملوں کا تعاقب ضروری تھا۔ دیگر تحریروں میں بھی اور بہت سی باتوں کو نشان زد کیا ہوا تھا کہ ان کے جواب یا ان کے بارے میں حقائق واضح کرنے تھے، لیکن میرے اس خط کی ضخامت تو گزشتہ خط سے بھی کچھ زیادہ ہی ہوگئی ہے۔ مناسب سمجھتا ہوں کہ ڈاکٹر یحییٰ نشیط صاحب نے اپنے خط میں میرے حوالے سے جو تحریر کیا ہے اس کا جواب پیش کرکے اپنی یہ تحریر ختم کردوں ورنہ نعت شریف کے بیان میں قلم کہاں تھمتا ہے!

''نعت رنگ'' شمارہ ۱۱ کے ص ۳۶۳ سے ڈاکٹر یحییٰ نشیط صاحب کا خط شروع ہوتا ہے، ص ۳۶۴ کے شروع میں ان کی تحریر میں میرا تذکرہ ہے۔ نعت رنگ میں مطبوعہ ڈاکٹر صاحب کی تحریروں کو توجہ سے میرے پڑھنے پر ڈاکٹر صاحب نے اظہار مسرت فرمایا ہے۔ اس

کے بعد وہ ان باتوں کا جواب لکھتے ہیں جو ان کی تحریروں کے حوالے سے میں نے اپنے خط میں تحریر کی تھیں۔

قصیدے کو قصد سے مشتق ماننے میں انھیں تأمل تھا، ڈاکٹر صاحب کا تأمل اپنی جگہ درست اور لفظ قصد پر میری وضاحت اور انما الاعمال والی حدیث پیش کرنا بھی خطا نہیں۔ ''قصید'' کا لفظ عربی لغات میں دیکھا تو ڈاکٹر صاحب کے تأمل کو درست جانا اور ان سے عرض ہے کہ مجھ سے طالب علم دراصل زبان و بیان کے حوالے سے اپنے اکتسابی علوم و معارف اور دینی فہم و استعداد کے مطابق وسیع تناظر رکھتے ہیں اور اس ''وسعت'' میں اصطلاحی و عرفی قیود و حدود کے علاوہ بھی دیکھتے سوچتے ہیں۔ لغوی اور معنوی طور پر غور کرتے ہوئے کسی لفظ میں اگر معاشرتی، ماحولیاتی اور علاقائی اصطلاحات کی بجائے ہماری توجہ وسیع ہوتی ہے تو یہ وسعت ہمیں گہرائی و گیرائی تک رسا کرتی ہے۔ بات زیادہ بڑھانے کی بجائے میں یہی کہوں گا کہ ڈاکٹر صاحب کی وجہ سے ''قصید'' کے لفظ کی بھی تحقیق ہوگئی۔

ڈاکٹر صاحب نے بخاری شریف کی حدیث کا حوالہ دے کر کچھ لڑکیوں کے دف بجا کر شہدا کی شجاعت بیان کرنے کو عبد و معبود کے فرق کو مٹانے کی دانستہ کوشش کے جواب میں پیش کیا ہے، ان سے عرض ہے یہ فقیر نعت رنگ کے شمارہ میں اس کا جواب پہلے ہی پیش کر چکا ہے۔ ڈاکٹر صاحب تو نعت رنگ کے نمائندے ہیں اور انھیں اس کے تمام مندرجات دیکھنے کا اتفاق ہوتا ہوگا، حیرت ہے کہ انھوں نے اس بارے میں میرا جواب پا کر بھی وہی اعتراض دہرایا ہے۔ اگر ڈاکٹر صاحب کی نظر سے وہ جواب نہیں گزرا تو وہ ''نعت رنگ'' کا شمارہ ۸ ملاحظہ فرمالیں۔

صحیح تعویذ کے حوالے سے عرض ہے کہ ڈاکٹر صاحب مجھے بتائیں کہ رسول کریم ﷺ نے کہاں کراہت کا اظہار فرمایا ہے؟ ہاں کسی تعویذ، گنڈے میں غلط الفاظ یا غلط طریقے کی تائید کسی عالم دین نے کبھی نہیں کی لیکن صحیح تعویذ کو غلط قرار دینا کیسا؟ وہ چاہیں تو علمائے دیوبند کی تحریروں سے یہ فقیر انھیں تعویذ کے بارے میں متعدد اقتباس پیش کر دے گا۔

لفظ ''حمد'' کے اردو معاشرے میں عرفی و اصطلاحی طور پر استعمال کے حوالے سے ڈاکٹر صاحب کے مؤقف کو تسلیم کرتا ہوں لیکن پھر وہی بات دہراؤں گا کہ لفظ حمد کے معنی کی بنیاد پر ڈاکٹر صاحب کو بھی چاہیے کہ وہ تسلیم کریں کہ حضرت مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری

صاحب اور یہ فقیر غلط نہیں کہتے، اسے ضد یا ہٹ دھرمی کہنا ڈاکٹر صاحب کو زیبا نہیں۔
میری اس تحریر میں مجھ سے کوئی سہو ہوا ہو یا میں کسی غلطی و کوتاہی کا مرتکب ہوا ہوں تو اللہ کریم جل شانہ سے توبہ و استغفار کرتا ہوں اور قارئین سے بھی معذرت خواہ ہوں۔
اللہ بس باقی ہوس۔

امیر الاسلام صدیقی۔ کراچی

محترم شفقت رضوی صاحب کے فون سے مجھے معلوم ہوا کہ میری ایک نعت آپ کے مجلّہ "نعت رنگ" کے گیارھویں شمارے میں چھپی ہے۔ میں نے یہ شمارہ خریدا، پڑھا، اس میں فن نعت گوئی پر شفقت رضوی صاحب، ظہیر غازی پوری صاحب اور پروفیسر اکرم رضا صاحب کے مضامین بہ طور خاص نظر نواز ہوئے۔ نعت گو حضرات کے لیے یہ مضامین بہت مفید اور سبق آموز ہیں۔ رسول اکرم ﷺ کی ذات اقدس "بعد از خدا بزرگ توئی" کے زمرے میں آتی ہے، اسی لیے کہا گیا:

باخدا دیوانہ باش و با محمد ﷺ ہوشیار

ظہیر صاحب نے اپنے مضمون میں رسول اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کے پہلو پر بحث کرتے ہوئے مولانا حالؔی کی "مسدس" کا ایک شعر صفحہ نمبر ۱۳۶ پر درج کیا ہے اور یہ تاثر دیا ہے کہ مولانا حالؔی (خدانخواستہ) حضور ﷺ کا موازنہ عام انسان سے کر رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مولانا حالؔی نے بند نمبر ۳۳ سے ۳۸ تک تعلیم توحید کے سلسلے میں حضور سرور کائنات ﷺ کے ارشادات کو نظم کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کار خداوندی میں نہ رسول ﷺ مداخلت کر سکتے ہیں اور نہ کوئی عام انسان۔ چناں چہ اس مقام پر دونوں برابر ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ رسول ﷺ اللہ کی اجازت سے گناہ گاروں کے شفیع ہوں گے۔ ظہیر صاحب کو چاہیے تھا کہ وہ مسدس کے ان اشعار کو غور سے پڑھ لیتے۔

پروفیسر اکرم صاحب کا ۷۹ صفحات پر پھیلا ہوا مضمون انتہائی پرمغز اور چشم کشا ہے۔ اس مضمون کے غائر مطالعے کے بعد جہاں طبیعت خوش ہوئی وہیں منتخب اشعار میں بے شمار اسقام و اغلاط دیکھ کر طبیعت منغض ہوگئی۔ اب یہ نامعلوم صاحب قلم کا سہو ہے یا کاتب کے قلم کا۔

مصنف سے تو اس کا امکان کم ہے
یقیناً یہ کاتب کا سہو قلم ہے

کہیں مصرعے وزن سے خارج، بحر سے خارج، کہیں کچھ الفاظ چھوٹ گئے ہیں اور کہیں الفاظ کی صحت کا خیال کیے بغیر، الکل پچو غلط الفاظ لکھ دیئے ہیں۔ جس کی وجہ غالباً موزونیٔ طبع، ذوق شعری اور فن عروض سے ناواقفیت ہے۔ آج کل کی کتابوں میں یہ بات زیادہ دیکھنے میں آتی ہے۔ کاش چھپنے سے قبل کسی موزوں طبع سے کم از کم اشعار کی درستی کروا لی جائے... خاص طور سے نعتیہ اشعار کی۔

صفحہ نمبر۲۲ پر اقبال کے مدحیہ اشعار کے الفاظ آگے پیچھے ہوگئے ہیں، مصرعہ اس طرح ہے:

وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰسیں، وہی طٰہٰ

پہلا شعر ''وہ دانائے سبل'' سے شروع ہوتا ہے اور دوسرا شعر ''نگاہ عشق و مستی'' سے شروع ہوتا ہے۔ ان اشعار کی ترتیب الٹ دی ہے۔ یہ اشعار بال جبریل میں ہیں۔

صفحہ نمبر۲۴ پر قرآن حکیم ایک آیت ''یاایھاالذین... وانتم لا تشعرونO کا ترجمہ نامکمل ہے۔ خاص طور سے یہ حصہ کہ ''کہیں ایسا نہ ہو کہ تمھارے اعمال ضائع ہوجائیں اور تمھیں خبر بھی نہ ہو'' چھوڑ دیا ہے۔ یہی حصہ تو اہم ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے رسول ﷺ کے سامنے اونچی آواز سے بولنے والوں سے سخت اظہار ناراضگی کیا ہے۔

صفحہ نمبر۲۶ پر ایک اور آیت کا حوالہ ہے، جس کا ترجمہ ہے:

''اے ایمان والو! تم ''راعنا'' نہ کہو اور ''انظرنا'' کہو اور بغور سنو، کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے موصوف نے ''راعنا'' کے دو متضاد معانی لکھے ہیں ایک ''ہماری طرف توجہ فرمایئے'' اور دوسرے ''شریر'' فرماتے ہیں۔ عبرانی زبان میں ''راعنا'' کے معنی شریر کے ہیں۔ عبرانی زبان کی لغت دستیاب نہیں۔

عربی میں ''راعنا'' کے معنی ''ہمارے ساتھ رعایت کیجیے۔'' ''راع'' کے معنی ''رعایت'' اور ''نا'' کے معنی ''ہمارے ساتھ۔''

یہود تضحیک کا پہلو پیدا کرنے کے لیے ''راعنا'' کو ''راعینا'' کہہ کر ادا کرتے تھے گویا وہ یہ کہتے تھے کہ ''اے ہمارے چرواہے'' اور اس کی غرض رسول اکرم ﷺ کی توہین تھی

چناں چہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ راعنا کی جگہ ''انظرنا'' کہیں اور یہ پابندی مسلمانوں پر بھی عائد کر دی گئی۔

ایک بڑی غلطی صفحہ نمبر۱۵ پر سیّد محمد مرتضیٰ یزدانی میرٹھی کے اشعار کے تیسرے مصرعے میں ہے۔ مصرع یوں لکھا ہے:

سلاطیں کا شرف ہے اس ﷺ کے آگے طرفو کہنا

''طرفو'' کوئی لفظ نہیں ہے۔ اصل لفظ ہے ''طَرِّقُوا۔'' ''ط'' پر زبر ''ر'' پر زبر اور تشدید ''ق'' پر پیش اور ''الف'' غیر ملفوظ ہے یعنی وہ بولی نہیں جائے گی۔

عرب کے قاعدے کے مطابق نقیب، سلاطین کے آگے ''طَرِّقُوا، طَرِّقُوا'' کہتے ہیں یعنی ''ایک طرف ہو جاؤ'' یہ اصل میں سلاطین کے استقبال کا اہتمام تھا۔ شعر کا مفہوم یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ کا نقیب بننا سلاطین کا شرف ہے۔

آخر میں یہ کہنا ہے کہ نعت میں اس قسم کا خیال پیش کرنا جس سے روضۂ رسول ﷺ کے مقابلے میں کعبے کا احترام مجروح ہو یا سرزمین مدینہ کے مقابلے میں ''مکہ'' کا احترام کم ہو جائے، مناسب نہیں ہے۔ اس سلسلے میں دو جگہ کے اشعار ضرور دیکھیے۔ صفحہ نمبر۷۹ پر منظور حسین منظور کا شعر:

یہ ارض مقدس ہے زیارت گہِ عالم
کعبہ سے کشش اس کی ہر اک دل میں سوا ہے

صفحہ نمبر۳۵۸ پر آپ کی نعت کا چھٹا شعر:

ہے سوا ارض حرم سے خاک طیبہ کا شرف
جس کو آقا نے بسایا ارض بطحا چھوڑ کر

اس سلسلے میں ایک حدیث کا حوالہ دیتا ہوں جو مستند ہے۔

جب رسول اکرم ﷺ پر اشرار مکہ نے ظلم و ستم کیے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ہجرت کا حکم دیا تو آپ ﷺ ہجرت کے لیے آمادہ ہو گئے اور ''مکہ'' چھوڑنے سے پہلے آپ نے ''مکہ'' کی جانب منہ کر کے کہا:

''اے مکہ! اللہ کی قسم تو روئے زمین پر مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے، اگر تیرے باشندوں نے مجھے نہ نکالا ہوتا تو میں کبھی تجھے نہ چھوڑتا۔''

پھر آپ ﷺ نے جبل ثور کا رخ فرمایا۔

مبارک حسین مصباحی (جامعہ اشرفیہ مبارک پور)۔ بھارت

چند ماہ پیش تر منعقد ہونے والی عالمی محفل میلاد میں الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے سربراہ اعلیٰ بھی شریک ہوئے تھے۔ وہ جب کراچی سے واپس تشریف لائے تو مجھے کچھ پاکستانی تحائف عطا فرمائے، ان میں ایک قیمتی تحفہ ''نعت رنگ'' نواں شمارہ بھی تھا دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا۔ نعتیہ شعر و ادب کے مسائل پر بالکل پہلی بار اتنا وقیع رسالہ میری نظر سے گزرا ہے بلاشبہ آپ چیتے کا جگر اور شاہین کا تجسس رکھتے ہیں۔ آپ کے فکر و فن کی علمی مردانگی کو جتنی بھی مبارک باد پیش کی جائے، کم ہے۔ نعت رسول مقبول خدائی موضوع ہے، مگر خدا جانے کیوں بندگان شعر و ادب نے اس سے بے اعتنائی برتی ہے، مرثیہ تو ایک مستقل صنف بن کر ادبی درس گاہوں میں شامل نصاب ہوگیا لیکن سرور کونین فخر موجودات امام الانبیاء ﷺ کی مدح سرائی انتہائی آفاقی صنف سخن ہوتے ہوئے بھی لیت لعل کے مراحل سے گزر رہی ہے اس میں غیروں کی دست درازی سے زیادہ اپنوں کی کوتاہی کا دخل ہے، امام رضا کے شیدائیوں نے ادھر کچھ پیش رفت کی ہے۔ برصغیر کی کئی یونی ورسٹیوں میں اب نعت رضا ''حدائق بخشش'' شامل نصاب ہوئی ہے۔ آپ کا یہ نعتیہ سفر اگر اسی برق رفتاری سے جاری رہا تو ایک دن علم و ادب کے چاند سورج نعت نگاروں کی قدم بوسی کا بھی فخر حاصل کریں گے۔

پیش نظر نویں شمارے کے حوالے سے گفتگو آئندہ سپرد قلم کروں گا اس وقت خاصی مصروفیت ہے ''سیدین نمبر'' کی تیاریوں میں مصرف ہوں یہ نمبر امام احمد رضا بریلویؒ کے پیرخانے کے دو بزرگوں کے حوالے سے نکل رہا ہے یعنی حضرت سیّد العلما سیّد آل مصطفیٰ مارہروی اور حضرت احسن العلما سیّد مصطفیٰ حیدر حسن میاں مارہروی۔ قریب پانچ سو صفحات کی کتاب مکمل ہوچکی ہے۔ آپ سے بڑے اخلاص و امید کے ساتھ عرض ہے کہ سیّدین کی نعتیہ شاعری کے حوالے سے اپنا وقیع مضمون اوّلین فرصت میں ارسال فرما دیں۔ مواد برکاتی فاؤنڈیشن کراچی سے حاصل کریں۔ گفتگو طویل ہوگئی، معاف فرمائیں۔

ماہنامہ اشرفیہ آپ کے نام جاری کیا جارہا ہے، شعبہ نشریات کی مستقل بڑی لائبریری ہے، اہل قلم اس سے مستقل استفادہ کرتے ہیں، اگر ہوسکے تو سابقہ تمام شمارے ماہنامہ اشرفیہ کے نام ارسال فرمادیں ہم تبادلے میں حسب خواہش ہندوستانی کتب روانہ کر دیں گے۔

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی۔ لاہور

"افکار رضا" کے ایڈیٹر زبیر قادری صاحب ممبئی سے رات کی فلائیٹ پر لاہور پہنچے۔ تو سیدھے مکتبہ نبویہ میں آئے۔ آتے ہی سفری تھیلا کھولا تو "نعت رنگ" کا خوب صورت تازہ شمارہ چھم چھم کرتا باہر آیا، ٹائٹل اتنا خوب صورت کہ:

چو بر شاخ زمرد جام بادہ!

سپاس گزار ہوں، نظر التفات سے نوازا، رات گھر آیا، دل نے کہا کہ "نعت رنگ" پڑھ کر سونا چاہیے۔ واقعی رات گزرنے لگی، میں اوراق پلٹنے لگا، آپ بھی کہتے ہوں گے کہ اس عمر میں "نعت رنگ" کے لیے شب بیداریاں زندگی کی علامت ہے۔

پھر چھیڑا حسن نے اپنا قصہ
لو آج کی رات بھی سو چکے ہم!

ابھی شب تار ختم ہونے نہ آئی تھی کہ "مرغ سحر" پھڑ پھڑایا۔ پھر مؤذن بانگ بے ہنگام برداشت! اور علامہ کوکب نورانی کے خط کی آخریں سطریں ختم ہوگئیں۔

آپ کا "اداریہ" تو پڑھ کر یوں محسوس ہوا کہ آپ گرد و پیش کے احوال و آثار اور اہل سخن کے اذکار پر قلم اٹھا رہے ہیں۔ مگر مجھے پروفیسر محمد اکرم رضا کے مضمون نے بڑا خوش کام کیا، بڑی باتیں کہہ گئے ہیں، بڑے نکتے بیان کر گئے ہیں، بڑی علمی اور ادبی گرہیں کھولتے گئے ہیں۔ پھر حضور کی بارگاہ میں جب سخن وروں کی نعتوں کے پھول برسانے پر آئے ہیں تو:

دل و جاں وجد کناں جھک گئے بہر تعظیم!

ایسے ایسے لوگوں کو بارگاہ رسول پر نعتوں کے گل دستے سجائے سامنے لے آئے، جنھیں دیکھنے کے لیے خوابوں کے دامن بھی خالی رہتے ہیں۔ ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی نے شوقی کا نعتیہ قصیدہ پیش کر کے خوش کردیا۔ اگرچہ بعض مقامات پر املا کی غلطیاں اور اردو ترجمے کے اسقام ذوق مطالعہ کو مکدر کرتے ہیں مگر یہ بات تو موجودہ زمانے کی تحریروں کا لازمہ بن گیا ہے، میں تو بات اس تحقیق اور کاوش کی کرتا ہوں جو علامہ اصلاحی صاحب کے قلم و فکر نے کی ہے۔

عزیز احسن صاحب نے تازہ نعتیہ کتابوں پر تبصرے کو ایک نیا رنگ دیا ہے، جو اچھا لگا۔ ماہنامہ ''جہانِ رضا'' لاہور نے اپنے صفحات کے دامن میں ''نفاست نامہ'' کا ایک سلسلہ شروع کیا ہے، جس میں حلقہ رضویت کے اہلِ قلم و فکر اظہار خیال کرتے ہیں۔ نعت رنگ میں سلسلہ خطوط کے عنوان سے سامنے آیا۔ ان میں اکثر خطوط تو رسمی ہیں، روایتی ہیں، تعریفی ہیں، توصیفی ہیں۔ مگر ایک خط مولانا کوکب نورانی اوکاڑوی کا چھپا ہے۔ خط کیا ہے، ایک مضمون ہے، ایک انشائیہ ہے، ایک اعترافیہ ہے، ایک مستقل مقالہ ہے، پھر ناقدانہ مرقع ہے، فاضل ''نامہ نگار'' نے ہر انداز سے بحث کی ہے۔ پھر بات کو ٹھہرایا ہے، بات کو پھیلایا ہے اور ہر بات کو اس انداز سے بیان کیا ہے کہ پڑھنے والا کان لگا کر سنتا جاتا ہے اور آنکھیں بچھا کر پڑھتا جاتا ہے:

آتی ہے ندی فرازِ کوہ سے گاتی ہوئی
کوثر و تسنیم کی موجوں کو شرماتی ہوئی
سنگِ راہ سے گاہ بچتی گاہ ٹکراتی ہوئی
آئینہ سا شاہدِ قدرت کو دکھلاتی ہوئی

وہ نعت رنگ کی اچھی تحریروں کو پیش کرتے ہیں۔ آپ کی کاوشوں کو ہدیۂ تحسین پیش کرتے ہیں، و مخالفین کا تعاقب کرتے جاتے ہیں۔ ان کی تحریروں کے دامن کو نوکِ قلم سے زخمی کرتے جاتے ہیں۔ نعت رنگ میں لکھنے والے بعض شاہ سوارانِ قلم کو للکارتے جاتے ہیں اور بعض غلط بیانیوں کا آپریشن ہی نہیں پوسٹ مارٹم بھی کرتے ہیں۔

نگاہ کے تیر سے گر بچ گیا شکار کوئی
تو بڑھ کے زلف نے اس کو اسیرِ دام کیا!

ان تنقیدی اور تعاقبی سطروں کے درمیاں بعض علمی اور ادبی حقائق اور لطائف بیان کرکے دل خوش کر دیتے ہیں۔

''نعت رنگ'' کے اس شمارے کی ترتیب و تدوین پھر نفیس طباعت و اشاعت پر ہدیۂ تبریک قبول فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے یہ آپ کا ہی انداز ہے آپ کا ہی حصہ ہے، آپ کا ہی حسنِ انتخاب مضامین ہے، آپ کی علمی اور ذوقی معیار کی علامت ہے، کئی بار خیال آیا کہ ''نعت رنگ'' کے پھولوں کے گل دستے اٹھا کر ''جہانِ رضا'' کے باغیچے میں

سجالوں اور اپنے قارئین کے دل و دماغ کو معطر و منور کروں۔ مگر خدا معلوم ہاتھ کیوں رک جاتا ہے، اگر کرم فرمائیں تو ۱۰ جلدیں روانہ فرمانے کا اہتمام کریں۔ بل ساتھ بھیجیں تاکہ چیک بھیج دوں، اگر ممکن نہ ہو تو یہاں مکتبۂ تعمیرِ انسانیت سے خریدوں گا۔ بعض علماء کو نذرانہ پیش کرنا ہے۔

احمد صغیر صدیقی۔ کراچی

تازہ ''نعت رنگ'' نمبر ۱۱، نظر نواز ہوا۔ بے حد ممنون ہوں۔

چار سو سے زائد صفحات کے اس جریدے کو میں کئی روز تک دیکھتا رہا ہوں۔ سب کچھ پڑھنے کو بہت وقت چاہیے واضح ہو کہ میں ایک تیز رفتار قاری ہوں۔ مگر اس کے مضامین جگہ جگہ روکتے ہیں اور پھر سوچنے پر مجبور کرتے ہیں۔

رشید وارثی صاحب نے ''صلعم'' کے استعمال پر بہت اچھا مضمون لکھا ہے، خوب ہے، اچھا لگا۔ پروفیسر محمد اکرم رضا کا مضمون ''نعت'' اور احترام بارگاہ رسالت مآب'' بہت محنت سے لکھا ہوا ہے۔ اس میں چند باتیں ایسی بھی دیکھیں جو مجھ کم فہم کو ''عجیب'' لگیں، مثلاً صحیح بخاری سے ایک روایت کی چند ابتدائی سطریں۔

''میں مسجد نبوی میں لیٹا ہوا تھا، ایک شخص نے مجھ پر کنکری ماری، میں نے سر اُٹھا کر دیکھا کہ حضرت عمر ہیں۔ آپ نے فرمایا ان دو شخصیتوں کو بلاؤ...''

مسجد نبوی کو جائے استراحت بنانے والی بات اور سوئے ہوئے شخص کو کنکری مار کر جگانے کا عمل، دونوں باتیں مجھے ''عجیب'' لگیں۔ اس سے زیادہ کچھ اور نہیں کہہ سکتا۔

اکرم رضا صاحب نے درجنوں شعرائے کرام کے نعتیہ کلام سے اشعار نقل کیے ہیں، اس پر توجہ نہیں دی کہ کلام کس پائے کا ہے۔ مثلاً راغب مراد آبادی صاحب کا شعر دیکھیں:

نعت گوئی کی حدیں مجھ کو ہیں راغب معلوم
کہ نگاہوں میں ہیں احکام شریعت میری

دوسرے مصرعے میں تعقید کا عیب کتنا واضح ہے، دیکھ لیں، کہ نگاہوں کا ''میری'' کہاں جا کے اٹکا ہے کہ شریعت خود راغب صاحب کی بن گئی ہے۔ خود اکرم رضا صاحب کا وہ

شعر جو انھوں نے مضمون کے آخر میں لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ اس کا آخری مصرع ہے۔ ''پار اس سے آپ نہ کیجیے کنارا یارسول اللہﷺ۔'' اس میں ذرا ''نہ'' کا وزن ملاحظہ ہو جس نے شعر کو کسی مبتدی کا شعر بنا دیا ہے۔

ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد کا مضمون ''نعت کے موضوعات'' نہایت معلوماتی مضمون ہے۔ مگر افسوس انھوں نے آخر میں نہایت اہم موضوعات کی ایک فہرست دے کر انھیں... بغیر کسی نقد و تبصرہ کے چھوڑ دیئے ہیں حالاں کہ ان پر نقد و تبصرہ کے بغیر یہ مضمون بالکل نامکمل رہ جاتا ہے۔ ذرا ان موضوعات کو دیکھیں۔

(۱) نبی اکرمﷺ کے سبب تخلیق کائنات ہونا (۲) نبی رحمت کا عالم الغیب ہونا (۳) آپﷺ کا مختار کل ہونا۔ (۴) آپ کا سایہ نہ ہونا (۵) میم کا پردہ (۶) جبریل امین کا آپ کا دربان ہونا... یہ ایسے موضوعات ہیں جو بے حد اہم ہیں جن پر ضرور نقد کی نظر کرنی تھی۔ انھیں چاہیے کہ وہ اب ان پر ایک اور مضمون لکھیں۔

ظہیر غازی پوری صاحب کا مضمون ''نعتیہ شاعری کے لوازمات'' دلچسپ ہے۔ اس میں درج باتوں سے کوئی بھی معقول آدمی اختلاف نہیں کر سکتا۔ ضرورت ہے کہ جن چیزوں کی نشاں دہی کی گئی ہے ان پر شعرا توجہ دیں۔ ''گفتنی ناگفتنی'' جناب شفقت رضوی کی تحریر ہے۔ مختصر ہے اور حقائق پر مبنی ہے تاہم اس سے تھوڑا سا اختلاف کروں گا۔ بھلا کسی مدیر کے بس میں کہاں کہ وہ یہ بھی پتا کر آیا شاعر کی زندگی اس کے کلام سے مطابقت رکھتی ہے یا نہیں؟ البتہ اگر شاعر خود بتادے تو اور بات ہے ''اک رند ہے اور مدحت سلطان مدینہ''... نعت خوب صورت ہوئی تو پڑھی بھی جائے گی اور سراہی بھی جائے گی۔

ڈاکٹر ابوالخیر کشفی نے اپنے مضمون میں لکھا ہے... ''حکیم صاحب ''پیشہ ور'' شاعر نہیں۔ میں چاہوں گا کہ ''پیشہ ور'' کی وضاحت کی جائے تاکہ شعرا کی خانہ بندی ہو سکے۔

نعتیہ کلام میں جناب عاصی کرنالی کی نعت اوّل مقام پر ہے۔ اس کا ایک شعر ہے:

صدیوں سے اسیر شب ظلمات تھی دُنیا

وہ مہر جہاں تاب جو نکلے تو سحر ہو

اگر --- شر کے construction پر نظر ڈالیں تو دوسرا مصرع عجیب سا لگتا ہے۔ یہاں ایسے مصرع کی ضرورت تھی جس میں کہا جاتا کہ وہ مہر جہاں تاب جب نکلا تو سحر

ہوئی... اگر یہ سوچا جائے کہ وہ دنیا جو صدیوں سے اسیر ظلمات تھی، منتظر تھی کہ وہ مہر جہاں تاب نکلے تا کہ سحر ہو تو اس میں لفظوں کا ایسا گیپ آجاتا ہے جسے پہلا مصرع موجودہ صورت میں پر نہیں کر رہا ہے... آپ کی نعت کا مطلع خوب ہے:

غم نہیں، جاتی ہے جائے ساری دُنیا چھوڑ کر
پر نہ جائے یاد آقا مجھ کو تنہا چھوڑ کر

اس میں ساتواں، نواں اور آخری شعر خوب ہیں۔ اگر آپ اپنی اس نعت کو... انھیں چار اشعار تک محدود رکھتے تو یہ نعت ایک اعلیٰ درجے کے شعری حسن کی حامل کہی جا سکتی تھی۔

اب خطوط پر نظر ڈالتے ہیں۔

ڈاکٹر یحییٰ نشیط نے گنڈوں تعویذوں کے بارے میں بالکل صحیح لکھا ہے۔ میں ان سے متفق ہوں۔ انھوں نے شرف قادری صاحب کے اس اصرار پر کہ نبی اکرم ﷺ کی ثنا ہو سکتی ہے تو حمد کیوں نہیں، جو کچھ لکھا ہے میں اس کی تائید کروں گا۔ رہی ضد اور ہٹ دھرمی کی بات اس کا کوئی علاج نہیں۔ حمد صرف اللہ کی تعریف کے لیے رائج ہے۔

امین چغتائی صاحب کا خط پڑھ کر اندازہ ہوا جب کوئی کسی کی دل کی دھڑکن بن جاتا ہے تو پھر اس کی ہر بات سوا لاکھ روپے کی ہوجاتی ہے۔ انھیں ڈاکٹر کشفی صاحب کا مضمون غزل میں نعت کی جلوہ گری ''بے حد فکر انگیز'' لگا۔ اسی طرح مجھے ان کا خط ''فکر خیز'' محسوس ہوا ہے۔

آخری خط مولانا کوکب نورانی صاحب کا ہے۔ انھوں نے اتنا طویل خط لکھا ہے کہ ۲۸ صفحات پر تقریباً محیط ہے۔ اس سے ان کی اس دلچسپی کا پتا چلتا ہے جو انھیں نعت رنگ سے ہے۔ ہمارے اور ''عالم دین'' کہاں ہیں؟ وہ نبی کریم کی ذات گرامی سے منسوب تحریروں کی جانب توجہ کیوں نہیں دیتے؟ مولانا کوکب کی ذات بہت غنیمت ہے۔ میں ان کے لیے دعا گو ہوں اور ان سے دعاؤں کا طالب ہوں۔ وہ کسی کے کہنے میں نہ آئیں اور ''نعت رنگ'' میں لکھتے رہیں۔

انھوں نے ملک شیر باز کے ایک مضمون سے کچھ اقتباسات دیئے ہیں جو اعداد سے متعلق ہیں جس کے ذریعے یہ بتایا گیا ہے کہ اعداد سے ثابت ہوتا ہے کہ اجرام فلکی نبی کریم ﷺ پر مسلسل درود و سلام پڑھتے رہتے ہیں... اچھا ہوتا کہ مولانا اسے نظر انداز کر دیتے۔

اس کی ساری بنیاد چند سائنسی مفروضوں پر ہے کہ سورج اپنے مدار پر کتنے سکنڈ میں ایک گردش پوری کرتا ہے یا عرش کا قطر کتنے نوری سالوں کے فاصلے پر ہے۔ ذرا سا ان مفروضوں میں رد و بدل ہوجائے تو شیرباز صاحب کی ''تحقیق'' ڈھیر ہوجائے گی۔ رہے سائنسی کلیے تو یہ وقت کے ساتھ بدل رہے ہیں، ہمیں ان کو قرآن حکیم پر منطبق کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔ میں بس اسی قدر کہنا چاہوں گا۔ آگے مولانا جو پسند فرمائیں۔

مولانا نے صفحہ ۳۷۸ پر خط کے دوسرے پیراگراف میں لکھا ہے...''میں ہر اعتراض کسی معقول وجہ کی بنیاد پر ہی کرنے کی ہمت کرتا ہوں خواہ وہ احمد صغیر صدیقی صاحب یا کسی اور کی سمجھ میں نہ آئے...'' یہ بندۂ حقیر احمد صغیر صدیقی اپنی کم فہمی کا اعتراف کرتا ہے۔ مولانا ہم جیسے کم فہموں کو اپنے قدموں کے پاس پڑا رہنے دیں کہ ہمیں کم فہموں کی وجہ سے خالی فہموں کی قدر و منزلت بنی ہوئی ہے۔ جو ہم نہ ہوں گے تو کیا رنگ محفل۔

''مبالغہ'' لغوی معنی ہیں ''حد سے بڑھ کر تعریف کرنا... زیادہ گوئی۔'' مبالغے کا لفظ عموماً بیان کے ضمن میں استعمال ہوتا ہے نہ کہ حرکات کے لیے۔ البتہ میں نے متعدد علما کی تحریروں میں اسے حرکات کے لیے استعمال ہوتے دیکھا ہے جو میرے خیال میں مناسب نہیں۔ ویسے کوئی بھی بات اگر واقعی ''مبالغہ'' ہے تو پھر اسے ''جائز'' نہیں کہا جاسکتا اور اگر وہ مبالغہ نہیں تو پھر اس کے لیے ''مبالغے'' کا لفظ استعمال کرنا ہی غلط ہوگا۔

مولانا نے اپنے خط میں صفحہ ۴۰۵ پر لکھا ہے...''... مذکورہ قرآنی آیات کو ''اکثر'' مفسرین نے منسوخ فرمایا ہے۔'' یعنی مفسرین کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی فہم و فراست کے مطابق قرآنی آیات کو منسوخ فرمادیں؟ اب تک تو ہمارا یہی خیال تھا کہ اپنی آیات کو صرف اللہ تعالیٰ ہی منسوخ کرسکتا ہے مگر اس خط سے ایک نئی بات معلوم ہوئی۔ مولانا کے جملے میں ''اکثر'' کی وجہ سے یہ خیال پیدا ہوا ہے۔

مولانا کوکب نورانی نے نبی کریم ﷺ کے نام کو چومنے والوں کی مخالفت کرنے والوں کو برا کہا ہے۔ واقعی ایسی بات کہنے والا نامعقول آدمی ہوگا مگر میں نے تو یہی دیکھا ہے کہ اذان وغیرہ کے دوران لوگ صرف نبی کریم ﷺ کے نام مبارک کو تو چومتے ہیں مگر اس سے قبل اللہ تعالیٰ کے نام مبارک کو نہیں چومتے، مولانا اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟

مولانا کے خط میں بہت سی دوسری باتیں دوسروں سے متعلق ہیں۔ ان کے سلسلے

میں جواب و سوال کی ذمے داری ان اصحاب کی ہے۔ لہٰذا میں اب اپنا خط مبین مرزا کے آخری مضمون پر ختم کروں گا جو انھوں نے ''نعت'' کے لفظ کے استعمال پر لکھا ہے۔ کیا ہی اچھا مضمون ہے۔ صلاح الدین پرویز کے رسالے ''استعارے'' میں اور بھی بہت سا میٹر ایسا موجود ہے جس پر مولانا کوکب نورانی جسے علما کو توجہ دینی چاہیے۔ دوسرے علما سے تو میں کچھ کہہ نہیں سکتا البتہ مولانا کوکب نورانی اس رسالے کو ضرور دیکھیں۔ کسی تصنیف پر کام کرنے سے اس قسم کے کام بدرجہا بہتر ہیں۔

میرے حمدیہ ہائیکو میں کتابت کی غلطی سے لفظ للک ''تلک'' بن گیا ہے ''للک'' کے معنی ہیں ''خواہش''، ''طلب'' وغیرہ، وہ ہائیکو یوں پڑھا جائے۔

تیری روپ للک
من میں جب سے اُتری ہے
تن ہے ایک دھنک

تنویر پھول۔ کراچی

''نعت رنگ'' کا شمارہ ۱۱ زیرِنظر آیا، نعتیہ سانیٹ شائع کرنے کا شکریہ! اس سے قبل ''نعت رنگ'' کے شمارہ نمبر۱۰ میں صفحہ نمبر۲۵۵ پر میری نعت شائع ہوئی تھی، جو سندھی صنف سخن ''وائی'' کی ہیئت میں ہے، اگر وضاحت کردی جاتی اور مصرعوں کو اسی ترتیب میں شائع کیا جاتا تو بہتر ہوتا۔ ''وائی'' سندھی ادب کی ایک صنف سخن ہے، جس میں مطلع کا مصرعہ ثانی ہر شعر کے بعد دہرایا جاتا ہے، شاہ عبداللطیف بھٹائی کا کلام بھی اس صنف سخن میں ہے۔

کچھ عرصے پیش تر کہیں پڑھا تھا کہ آپ غالب کی زمینوں میں نعتیں شائع کرنے کا پروگرام بنارہے ہیں، چناں چہ میں نے بھی دو نعتیں آپ کے سابقہ پتے پر ارسال کی تھیں، معلوم نہیں ملیں یا نہیں؟ فی الحال ایک نعتیہ سانیٹ اور کچھ رباعیات، ثلاثی اور دوہے ارسال کررہا ہوں۔ ماشاء اللہ ''نعت رنگ'' کا معیار کافی بہتر ہے جو آپ کی محنت اور انتھک کوششوں کا عکاس ہے:

دیکھو! بہار آئی ہے گلشن میں نعت کے!
ضوبار اس سے ہوگیا آئینۂ خیال!

اے پھول! ہے یہ کوشش احسن، صبیح کی
معیار "نعت رنگ" میں آیا نیا جمال!

گزشتہ سال بارہ ربیع الاول کی شب پی ٹی وی کراچی سینٹر سے ایک نعتیہ مشاعرہ پیش کیا گیا، ایک معروف نعت گو شاعر نے طائف کی سنگ باری کا حوالہ دیتے ہوئے حضور اکرم ﷺ کے لیے "سنگسار" کا لفظ استعمال کیا:

کیا لاؤ گے طائف کا کوئی ایسا مسافر؟
جو ان ﷺ کی طرح راہ میں "سنگسار" ہوا ہو!

یہ لفظ نہایت قابل اعتراض ہے کیوں کہ "سنگ باری" اور "سنگساری" میں بڑا فرق ہے۔ موخر الذکر پتھر مار مار کر ہلاک کردینے کو کہتے ہیں جو شریعت میں بدکاری کی سزا ہے۔ فنی اعتبار سے بھی شاعر موصوف کا یہ مصرعہ سقیم ہے کیوں کہ انھوں نے "سنگسار" بر وزن "سنسار" استعمال کیا ہے، جو غلط ہے۔ "سنگسار" میں نون غنہ نہیں ہے بلکہ اس کا اعلان ہوگا، جس کی وجہ سے مصرعہ ساقط الوزن ہوکر بحر سے خارج ہوجاتا ہے۔ اس سلسلے میں ہمارے ذرائع ابلاغ کو احتیاط برتنی چاہیے۔

حافظ عبدالغفار حافظ۔ کراچی

آپ کا جریدہ "نعت رنگ" اگرچہ کئی خوبیوں کا حامل ہے لیکن ایسا محسوس ہو رہا ہے ک اس جریدے کے ذریعے ایک باقاعدہ منصوبے کے تحت اعلیٰ حضرت کے اشعار پر اعتراض ہو رہا ہے، پہلے کشفی صاحب معترض رہے اور اب جناب ظہیر غازی پوری سامنے آئے ہیں۔

ظہیر صاحب نے "نعت رنگ" کے شمارہ نمبر۱۱ میں "حدائق بخشش" سے ۳ اشعار چن کر نکالے اور کہہ دیا کہ ان کے مصرعے بحر سے خارج ہیں۔ اگر ظہیر صاحب یہ "کارنامہ" انجام دینے سے پہلے کسی بھی عروض داں کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کر لیتے اور عروض کی باریکیاں سمجھ لیتے تو انھیں آج اس قسم کی شرمندگی نہ اُٹھانی پڑتی۔

اب آیئے میں ظہیر صاحب کے اعتراضات کا جواب دیتا ہوں۔ ظہیر صاحب نے

اعلیٰ حضرت کے جن اشعار کو بحر سے خارج قرار دیا ہے، وہ یہ ہیں:

سب نے صف محشر میں للکار دیا ہم کو
اے بے کسوں کے آقا اب تیری دہائی ہے

☆

زائر گئے بھی کب کے دن ڈھلنے پہ ہے پیارے
اُٹھ میرے اکیلے چل کیا دیر لگائی ہے

☆

ہم دل جلے ہیں کس کے، ہٹ فتنوں کے پرکالے
کیوں پھونک دوں اک اُف سے کیا آگ لگائی ہے

اس سلسلے میں سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ضرورت شعری کی بنا پر حرف علت گرایا جا سکتا ہے اور یہ قاعدہ اتنا عام ہے کہ ہر شاعر اس سے واقف ہے۔ مرزا داغ دہلوی مرحوم کا قصیدہ ''اردو معلی'' بہت مشہور ہے۔ اپنے اس قصیدے میں وہ فرماتے ہیں:

وزن سے ہرگز نہ کوئی حرف گرنا چاہیے
ہاں مگر گرنا الف اور واؤ یا کا ہے روا

دوسری بات یہ کہ بعض مصرعے ذوالبحرین ہوتے ہیں اور انھیں دو بحروں میں پڑھا جا سکتا ہے، مثلاً علامہ اقبال کا مشہور شعر ہے:

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
مرد ناداں پر کلام نرم و نازک بے اثر

اقبال کا یہ شعر فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن کے وزن پر ہے مگر اس کا پہلا مصرع ذوالبحرین ہے اور وہ فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن کے وزن پر بھی پڑھا جا سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص دونوں مصرعے مختلف اوزان پر پڑھ کر علامہ اقبال پر اعتراض کر دے تو کیا کوئی عقل مند شخص اسے تسلیم کرے گا؟ ہرگز نہیں۔ یہی صورت حال اعلیٰ حضرت کے مذکورہ تینوں اشعار میں ہے۔ ظہیر صاحب نے عروض کی باریکیوں سے نابلد ہونے کی بنا پر جو اعتراض کیا ہے، وہ لغو ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اعلیٰ حضرت کی مذکورہ نعت مفعول مفاعیلن مفعول

مفاعیلن کے وزن پر ہے لیکن پہلے شعر کے مصرع ثانی کا پہلا ٹکڑا ذوالبحرین ہے اور مفعول فاعلاتن کے وزن پر بھی پڑھا جاسکتا ہے۔ اسی طرح دوسرے اور تیسرے اشعار میں مصرع ہائے اولیٰ کے پہلے ٹکڑے بھی ذوالبحرین ہونے کی وجہ سے مفعول فاعلاتن کے وزن پر بھی پڑھے جاسکتے ہیں۔

شاید یہ تفصیل ظہیر صاحب کے پلّے نہ پڑی ہو اس لیے بہ طور وضاحت میں تینوں اشعار کے پڑھنے کا طریقہ بتادیتا ہوں۔

پہلا شعر: ''اے بے کسوں کے آقا'' میں ''بے کسوں'' کا واو گرا کر پڑھیں۔

دوسرا شعر: ''زائر گئے بھی کب کے'' میں ''گئے'' کی ''ی'' گرا کر پڑھیں۔

تیسرا شعر: ''ہم دل جلے ہیں کس کے'' میں ''جلے'' کی ''ی'' گرا کر پڑھیں۔

اب میں اس قسم کی مثالیں اساتذہ کے کلام سے پیش کرتا ہوں۔

میر تقی میر کی ایک غزل کے ۲ اشعار ملاحظہ فرمائیں:

اب میر جی تو اچھے زندیق ہی بن بیٹھے
پیشانی پہ دے قشقہ، زنار پہن بیٹھے

آزردہ دل الفت ہم چپکے ہی بہتر ہیں
سب رو اُٹھے گی مجلس جو کر کے سخن بیٹھے

میر نے یہ غزل مفعول مفاعیلن مفعول مفاعیلن کے وزن پر کہی ہے۔ مگر پہلے شعر میں مصرع اولیٰ کا پہلا ٹکڑا اور دوسرے شعر میں مصرع ثانی کا پہلا ٹکڑا ذوالبحرین ہیں اور مفعول فاعلاتن کے وزن پر بھی پڑھے جاسکتے ہیں۔

اس قسم کا ایک شعر فانی بدایونی کا بھی ملاحظہ فرمائیں وہ کہتے ہیں:

جو دل میں حسرتیں ہیں سب دل میں ہوں تو بہتر
اس گھر سے کوئی باہر مہمان رہ نہ جائے

فانی نے یہ غزل مفعول فاعلاتن مفعول فاعلاتن کے وزن پر کہی ہے لیکن اس شعر میں دوسرے مصرع کا پہلا ٹکڑا ذوالبحرین ہونے کی وجہ سے مفعول مفاعیلن کے وزن پر بھی پڑھا جا سکتا ہے۔ ظہیر صاحب خود بھی اگر چاہیں تو اس قسم کی سیکڑوں مثالیں اساتذہ کے کلام سے نکال سکتے ہیں۔

ظہیر غازی پوری صاحب نے اعلیٰ حضرت کے ایک اور شعر میں ''یعنی'' کی ''ی'' گرانے پر اعتراض کیا ہے، سوال یہ ہے کہ ''ی'' گرانا کیوں ناجائز سمجھ لیا گیا جب کہ یہ عروض کے مسلمہ اصولوں کے عین مطابق ہے۔ اس ضمن میں فانی بدایونی کا ایک شعر ملاحظہ فرمائیں:

بھر کے ساقی ایک جام زہر سے آلود لا
یعنی خاکم در دہن آج آتش دل تیز ہے

اس شعر میں بھی ''یعنی'' کی ''ی'' ساقط ہے۔

مرزا داغ دہلوی کے قصیدے ''اردوئے معلیٰ'' کے مندرجہ ذیل اشعار بھی ملاحظہ فرمائیں:

یاد رکھو نون آئے حرف علت کے جو بعد
چاہیے اعلان اس کو، نون غنہ بھی روا
یعنی دیں کو دین بولو، آسماں کو آسمان
ہاں مگر یہ فارسی ترکیب میں ناروا

ملاحظہ کیجیے دوسرے شعر میں ''یعنی'' کی ''ی'' ساقط ہے۔ اب ظہیر صاحب بتائیں کہ کیا وہ داغ پر بھی اعتراض کریں گے۔

اب آئیے تقابل ردیفین کے موضوع پر۔ اس ضمن میں یہ بات اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ شاعر کی جانب سے اپنے کلام پر نظر ثانی نہ ہونے کی وجہ سے بسا اوقات اسی قسم کا عیب باقی رہ جاتا ہے اور یہ کوئی ایسی بات نہیں کہ جس پر بغلیں بجائی جائیں۔ اساتذہ کے کلام سے اس طرح کی کئی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں مگر اختصار کے ساتھ مندرجہ ذیل اشعار حاضر ہیں:

۱۔ بڑے موذی کو مارا نفس امارہ کو گر مارا
نہنگ و اژدہا و شیر نر مارا تو کیا مارا
ذوقؔ

۲۔ تجھے نسبت جو دیتے ہیں شرار و برق و شعلہ سے
تسلی کرتے ہیں ناچار شاعر ان مثالوں سے
میر تقی میرؔ

۳۔ لاکھوں جتن کیے ہیں، مر مر کے ہم جئیں ہیں
کیا کہیے کیسی کیسی کڑیاں اٹھائیاں ہیں

۴۔ یہ کیا کہتے ہو فانؔی سے کہ تیری موت آئی ہے
تم اس ناکام کے دل سے تو پوچھو زندگی کیا ہے

۵۔ عزیز خاطر فطرت ہے، جان عبرت ہے
ہر ایک ذرہ جو اس عالم غبار میں ہے

فانؔی بدایونی

اب رہا معنوی اعتبار سے اعلیٰ حضرت کے ان اشعار کے قابل گرفت ہونے اور حصار نعت میں آنے کا معاملہ تو میں یہ عرض کردوں کہ میں عالم دین نہیں اس لیے اس کا جواب نہیں دے سکتا۔ تاہم مجھے قوی امید ہے کہ حضرت مولانا کوکب نورانی اوکاڑوی صاحب اس پر ضرور خامہ فرسائی کریں گے اور ظہیر غازی پوری صاحب کے افلاس علم کو ظاہر کر دیں گے۔
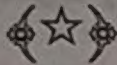
حمد و نعت کے وسیع و بلیغ تناظر کا تحقیقی اور تجزیاتی جہت سے توجہ طلب مطالعہ

معروف شاعر اور نقاد **ڈاکٹر عاصی کرنالی** کی عالمانہ کاوش

اردو حمد و نعت پر
فارسی شعری روایت کا اثر

صفحات : ۶۶۰ (بڑی تقطیع)

قیمت : ۱۰۰۰/ روپے

ناشر

اقلیم نعت

۲۰۱۔ اے صائمہ ایونیو سیکٹر ۱۴۔ بی، شادمان ٹاؤن نمبر ۲، شمالی کراچی ۔ ۷۵۸۵۰

جو پوچھا رب نے عمل بھی ہے کوئی پاس ترے
کہوں گا ہاں ترے محبوب کی ثنا کی تھی

عرش ہاشمی

کیپٹن (ر) وارث النبی اعوان
کراچی